قرآنی آیات اور سائنسی حقائق

ڈاکٹر ہلوک نور باقی (ترکی)

مترجم

سید محمد فیروز شاہ گیلانی

قرآنی آیات اور سائنسی حقائق

ONCOLOGIST

ڈاکٹر ہلوک نور باقی (ترکی)

RADIO THERAPY-RADIOBIOLOGY SPECIALIST

مترجم

سید محمد فیروز شاہ گیلانی

انڈس پبلشنگ کارپوریشن

3-ڈی، 257 آر، اے لائنز، بالمقابل سندھ اسمبلی

ہائی کورٹ روڈ، کراچی 74200

Verses from the Holy Qur'an
and the Facts of Science.

کتاب	قرآنی آیات اور سائنسی حقائق
مترجم	سیّد محمد فیروز شاہ گیلانی
اشاعت	2014ء
ناشر	انڈس پبلشنگ کارپوریشن، کراچی
طابع	اے جی آرٹ پریس، اولڈ سبزی منڈی یونیورسٹی روڈ۔ کراچی
قیمت	-/360 روپے

توکل اکیڈمی

ڈکان نمبر 31، نیو اُردو بازار۔ کراچی

موبائل نمبر 0321-8762213 – 0321-2524561

ای میل : tawakkalacademy@yahoo.com

Ph. +92-21-32217471

Verses from the Holy Qur'an
and the Facts of Science.

کتاب قرآنی آیات اور سائنسی حقائق
مترجم سیّد محمد فیروز شاہ گیلانی
اشاعت 2014ء
ناشر انڈس پبلشنگ کارپوریشن، کراچی
طابع اے جی آرٹ پریس، اولڈ سبزی منڈی
یونیورسٹی روڈ۔ کراچی
قیمت -/360 روپے
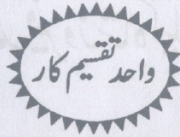
توکل اکیڈمی
دُکان نمبر 31، نیو اُردو بازار۔ کراچی
موبائل نمبر 0321-8762213 - 0321-2524561
ای میل : tawakkalacademy@yahoo.com
Ph. +92-21-32217471

صفحہ نمبر

صفحہ نمبر

مقدمہ

پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی (پی ایچ ڈی، کیمبرج)

اس بات پر سب متفق ہیں کہ قرآن بنیادی طور پر ایک کتاب ہدایت ہے، یعنی وہ فکر و عمل، طرز معاشرت و معیشت نے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسانوں کی اس طرح رہنمائی کرتا ہے کہ وہ اس دنیا میں ایک مطمئن اور خوشگوار زندگی بسر کرسکیں اور آخرت کی ابدی زندگی میں بھی فوز و فلاح کے مستحق ہوسکیں۔ اس کی بنیادی دعوت وہی ہے جو تمام انبیاء کرام، قرآن سے قبل کی آسمانی کتابوں میں، لے کر آئے یعنی عقیدۂ توحید و آخرت، جن و انس و ملائکہ اور کائنات کے خالق و پروردگار اور اس کے آخری رسول ؐ کی اطاعت اور عمل صالح۔

لیکن تخلیق آدمؑ کے قصے میں جو قرآن کے پہلے پارے اور سورۂ بقرہ کی ابتداء میں مذکور ہے، اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس بناء پر فرشتوں سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کروایا وہ ان کی ''علم اشیاء'' میں برتری تھی جو فرشتوں کے محدود علم کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی وعلم آدم الاسماء کلھا (البقرہ، آیت ۳۱)۔ بیشتر قدیم و جدید مفسرین کے مطابق اسماء یعنی ناموں سے مراد یہاں مسمیات یعنی اشیائے کائنات ہیں اور ابتدائی بیسویں صدی کے عظیم مصری مفسر قرآن، مفتی محمد عبدہ کے مطابق علم کی یہ قوت صرف آدم ابوالبشر کو عطا نہیں ہوئی تھی بلکہ بنی نوع آدم کو ودیعت کی گئی تھی اور اسی بناء پر انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا۔

(ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۷۰) ترجمہ : ''ہم نے اولاد آدم کی تکریم کی، ان کو خشکی اور تری میں رواں ہونے کی صلاحیت عطا فرمائی اور ان کے رزق کے لئے اچھی اور پاکیزہ چیزیں مہیا کیں اور ان کو فضیلت دی بہت سی اپنی خلق کردہ دیگر مخلوقات پر''

کائنات و حیات سے متعلق قرآن میں اتنے رموز و حقائق بیان کئے گئے ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے، جیسا جیسا انسان کا علم بڑھتا چلا جائے گا اس پر ان حقائق کے راز منکشف ہوتے چلے جائیں گے کیونکہ قرآن میں زمین پر چلنے اور رینگنے والے ہر کیڑے اور دو پروں سے اڑنے والے ہر پرندے کو انسانوں کی طرح قومیں قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ما فرطنا فی الکتاب من شئی (سورۃ الانعام، آیت ۳۸) یعنی ''ہم نے اپنی کتاب میں کسی چیز کے ذکر میں کوئی کمی نہیں کی ہے'' اس کا مطلب ہے کہ کائنات اور حیات سے

متعلق تمام اصولی باتیں قرآن میں بیان کردی گئی ہیں۔

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو ایسے ہی سائنسی حقائق نے ریاضیاتی، طبیعیاتی اور فلکیاتی اور حیاتیاتی علوم کی طرف متوجہ کیا اور آج سے بارہ سو سال قبل یونانی و ہندی علوم کی یلغار کے سامنے نہ تو وہ بے بس ہوئے اور نہ یہ علوم ان کے ایمان کو متزلزل کر سکے، بلکہ قرآن نے ان علوم میں ان کی حیرت انگیز ترقی کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے جو عباسی خلیفہ المامون کے عہد یعنی نویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایک ممتاز ریاضی دان، ماہر فلکیات اور جغرافیہ نویس تھا اور جس کو اسلام میں الجبرا کا باوا آدم سمجھا جاتا ہے، وہ اپنی مشہور ترین مطبوعہ عربی کتاب ''الجبر و المقابلہ'' میں کہتا ہے کہ میں یہ کتاب اس لئے لکھ رہا ہوں کہ وراثت اور تجارت کے مسائل جن کا قرآن میں ذکر ہے با آسانی ان کو حل کیا جا سکے۔ اس کی اس کتاب نے جو قرون وسطیٰ میں لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئی یورپ کو اس علم سے آشنا کیا اور اس بناء پر اس کا نام ہی ان کے یہاں ''الجبرا'' پڑ گیا، جو اسی عربی لفظ الجبر کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور اسی کے نام پر حساب کے ایک خاص طریقہ کو لاطینی میں algorismus اور انگریزی میں بگاڑ کر algorithm لکھا گیا۔ یہ سب الخوارزمی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں، اسی طرح چوتھی صدی ہجری میں ابو العباس فرغانی اور اس کے بعد اسی صدی اور پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ابو ریحان البیرونی دنیا کے عظیم ترین سائنس دانوں میں شمار ہوتے ہیں اور بیرونی تو اپنے تنوع علمی اور وسعت علمی کے سبب ان سب میں ممتاز ترین سائنس دان تھا اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی سائنسی کتابوں میں بھی قرآنی آیات کو بکثرت استعمال کرتا تھا، اس کی ایک مثال اس کی قیمتی پتھروں اور دھاتوں پر مشہور عظیم کتاب ''الجماھر فی معرفتہ الجواہر'' ہے۔

ان قدیم مسلمان سائنس دانوں کو اگرچہ قرآن نے سائنسی علوم کی طرف راغب کیا، لیکن ان کا موضوع قرآن نہ تھا، جہاں تک ہمارے قدیم مفسرین کا تعلق ہے انہوں نے قرآن میں موجود کائنات سے متعلق آیات تخلیق ارض و سماء، شمس و قمر، نجوم و کواکب، گردش لیل و نہار، سمندروں، فضاؤں بر و بحر کی مخلوقات وغیرہ کی تفسیر کرتے ہوئے ان ہی معلومات کو ذکر کر دیا جو یونانی علمی ورثہ کے ترجمہ کے نتیجہ میں ان کو ملا تھا، بطلیموسی فلکیاتی نظام جو دوسری صدی عیسوی سے سترھویں صدی عیسوی تک یورپ میں رائج رہا، وہی مسلمانوں میں بھی مقبول تھا اور اسی کی بناء پر آیات قرآنی کی یہ تفسیر کی گئی کہ زمین مرکز کائنات اور غیر متحرک ہے اور سورج و چاند و ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں، حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی واضح تصریح نہیں ہے پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ایک مسلمان ریاضی دان و مہندس (انجینئر) نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ سورج ہمارے نظام کا مرکز ہے اور زمین و دیگر سیارے اس کے گرد گردش کرتے ہیں، لیکن افسوس کہ یہ نظریہ

جو اپنے وقت سے بہت قبل تھا' اس وقت قبول نہ کیا جاسکا' ابو ریحان البیرونی نے اپنی بے نظیر کتاب الآثار الباقیہ میں اس بات کا ذکر کیا ہے۔ بعد میں کوپر نیکس اور گالیلیو کی تحقیقات کے نتیجہ میں بالآخر سترھویں عیسوی میں اس نظریہ نے قبول عام پایا اگرچہ ان دونوں ماہرین فلکیات کو اپنی اس دریافت کے نتیجہ میں جو قدیم مسلمان علماء کے نظریات پر مبنی تھا یورپ کی طرف سے مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

پھر سقوط بغداد کے بعد سے عمومی طور پر مسلمان علم و تحقیق کے میدان میں تنزل و انحطاط کا شکار رہے' کبھی کبھی کسی اسلامی ملک میں کوئی ایسا عبقری پیدا ہوتا رہا جس نے کسی خاص علمی میدان میں نئے حقائق کا انکشاف کیا' جیسے چودھویں صدی عیسوی میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ و فلسفہ اجتماع (Sociology) کی بنیاد رکھی' یا اسی صدی میں مملکت غرناطہ کا وزیر لسان الدین الخطیب جس نے تجربہ و مشاہدہ سے علمی طور پر ثابت کیا کہ طاعون ایک متعدی مرض ہے اور اس کا علاج ممکن ہے' جبکہ اس وقت تک یورپ میں یہ مرض ایک آسمانی بلا سمجھا جاتا تھا اور اس کا کوئی علاج ان کے یہاں نہ تھا' یا پھر اٹھارہویں صدی عیسوی میں اسلامی ہند کے شاہ ولی اللہ جنہوں نے قوموں کے عروج و زوال کے اسباب پر مجتہدانہ بحث کی اور ایک Original نظریہ پیش کیا۔

اس بیسوی صدی کے اوائل میں ایک مصری عالم طنطناوی جوہری (۱۸۷۰ء۔ ۱۹۴۰ء) نے جنہوں نے ازہر میں تعلیم پائی تھی اور بعد میں انگریزی زبان پڑھ کر کچھ مغربی علوم کا بھی مطالعہ کیا تھا اپنی ضخیم تفسیر "الجواہر فی تفسیر القرآن" میں کائنات اور اس کی تخلیق سے متعلق آیات پر بہت تفصیل سے سائنسی انداز میں روشنی ڈالی' لیکن ایک طرف تو وہ خود سائنس دان نہ تھے اور دوسری طرف یہ کہ انہی کے ایک شاگرد استاذ حنفی احمد کے بقول انہوں نے اس میں "اس قدر افراط و مبالغے سے کام لیا کہ بہت سی قرآنی آیات کے وہ معانی بیان کئے جن کی وہ متحمل نہ تھیں۔" یہی وجہ تھی کہ تھوڑے عرصہ بعد ان کی تفسیر کی مقبولیت ختم ہوگئی اور نہ تو وہ اپنی اس تفسیر کا کوئی مستقل اثر علماء پر چھوڑ سکے اور نہ سائنس دانوں پر۔

بیسویں صدی کے مصر ہی کے سائنس دانوں میں سے پروفیسر محمد احمد الغمراوی' (فارمیسی کالج' قاہرہ یونیورسٹی میں کیمسٹری کے پروفیسر) اور ایک میڈیکل ڈاکٹر عبدالعزیز پاشا نے اپنی کتابوں میں قرآن کی بعض ایسی آیات کی تفسیر کی جن کا تعلق سائنس یا میڈیسن (طب) سے تھا۔ اول الذکر نے اپنی کتاب "سنن اللہ الکونیتہ" (اللہ کا نظام کائنات) میں قرآن کی بعض ایسی آیات کی سائنسی عمدہ اور تفصیلی تفسیر بیان کی جن کا تعلق Meteorology سے ہے' جبکہ موخرالذکر نے اپنی کتاب الاسلام والطب الحدیث (اسلام اور ماڈرن میڈیسن) میں کائنات سے متعلق بعض آیات کی تفسیر کرتے ہوئے معجزۂ قرآنی کو بیان کیا۔

علاوہ ازیں ترکی کی ایک اہم شخصیت غازی احمد مختار پاشا (۱۸۳۲ء-۱۹۱۹ء) نے جو ایک اعلیٰ ترکی فوجی افسر تھے اور پھر سلطنت عثمانی میں صدر اعظم (وزیر اعظم) کے عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے ترکی زبان میں اپنی کتاب "ریاض المختار" میں کائنات سے متعلق سائنسی انداز میں بعض آیات کی تفسیر کی۔

لیکن عربی زبان میں کائنات سے متعلق تقریباً تمام آیات قرآنی کی تفسیر جو ایک سائنس دان کے قلم سے ہے وہ ہے: "التفسیر العلمی اللایات الکونیتہ فی القران" کائنات سے متعلق آیات قرآنی کی سائنٹیفک تفسیر) اس کے مصنف استاذ حنفی احمد ہیں جنہوں نے اپنی مصری تعلیم کے علاوہ برطانیہ کی درہم (Durham) یونیورسٹی سے سائنس میں بی۔اے آنرز کیا تھا اور پھر مصر میں ڈائریکٹر آف ایجوکیشن رہے، ان کی یہ کتاب جو بڑے سائز کے ۴۵۴ صفحات پر محیط ہے، اس صدی کے نصف آخر میں قاہرہ کے مشہور ترین دارالاشاعت دار المعارف سے دوبار شائع ہو چکی ہے، میرے پاس اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو تیس سال قبل میں نے قاہرہ سے خریدا تھا افسوس کہ کتاب میں تاریخ اشاعت مذکورہ نہیں میرے نزدیک اب تک اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں یہ سب سے بہتر کتاب تھی اور میں اس سے اکثر استفادہ کرتا رہا۔

لیکن جب سے میں نے اپنے محترم دوست سید فیروز شاہ گیلانی صاحب کی عنایت سے ڈاکٹر نور باقی کی کتاب "قرآنی آیات اور سائنسی حقائق" دیکھی ہے تب سے گویا میرے سامنے ایک نئی دنیا کھل گئی ہے۔ ڈاکٹر نور باقی نے جو ایک Oncologist ہیں جس گہرائی اور جامعیت کے ساتھ قرآن کی ان پچاس آیات کی سائنٹیفک تفسیر کی ہے جو تخلیق ارض و سما، تخلیق انسان، زمین، پہاڑوں اور تہ در تہ سات آسمانوں، ہواؤں کے پوشیدہ اسرار، رحم مادر، پانی اور قوت حیات، دل کی حقیقت وغیرہ وغیرہ پچاس موضوعات سے متعلق ہیں ویسی تحقیق آج تک کسی سائنس دان نے نہیں کی ہے۔ مصری مصنف احمد حنفی کی کتاب اگرچہ ڈاکٹر نور باقی کی کتاب کے مقابلے میں کافی بڑی ہے، لیکن احمد حنفی کی معلومات ڈاکٹر نور باقی کی معلومات و تحقیقات کے مقابلے میں کافی پرانی Outdated ہو چکی ہیں، پھر یہ کہ جن موضوعات سے ڈاکٹر نور باقی نے بحث کی ہے اور قرآن کی جن آیات کو اپنی جستجو و بحث کا محور بنایا ہے، ان پر مذکورہ بالا مصری مصنف نے کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔

دوسری بات یہ کہ گزشتہ چالیس پینتالیس برسوں میں ڈاکٹر نور باقی کے بقول Astrophysics کے نام سے ایک نیا علم وجود میں آیا ہے، اسی طرح Radiology اور Radiotherapy جیسے نئے علم اور علاج کے نئے طریقے وجود میں آئے ہیں۔ ڈاکٹر نور باقی نے ان نئے علوم سے اپنی انتخاب کردہ آیات قرآنی کی سائنسی تفسیر میں بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

مصنف نے جو بے مثال اولین تحقیقات پیش کی ہیں،ان میں سورۃ الاعلیٰ کی آیت نمبر ۵ (فجعله غثاء احوی) سے قرآن کی تیل کی پیشن گوئی ہے، اسی طرح سورۃ یٰسین کی آیت نمبر ۳۶ (من الشجر الاخضر نارا") سے آکسیجن کی قرآنی پیشن گوئی ہے اور اسی طرح سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۱۹ (وانبتنافیها من کل شئی موزون) سے زمین کے ناقابل کمپیوٹری نظام کا استنباط اور دوسرے انتہائی اہم موضوعات ہیں۔

یہی نہیں ڈاکٹر نورباقی نے خالص مذہبی یا اسلامی عقائد کو بھی سائنسی انداز میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے، جس میں وہ بڑے کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان میں وضو، روزہ، دوزخ، جنت، سحر کے اسرار، اللہ کے رب العالمین ہونے کے اسرار اور سورۂ والعصر کی تفسیر اور حضرت عیسیٰؑ و آدمؑ کی تخلیق وغیرہ جیسے موضوعات ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ترکی میں کمال اتاترک کے زمانے سے قرآن کی عربی میں طباعت ممنوع تھی اور قرآن لاطینی حروف میں چھپتا تھا۔ سن ۱۹۵۰ء میں جب کمال اتاترک کی انتخابات میں شکست کے بعد، صدر جلال بایار اور وزیر اعظم عدنان مندریس کی حکومت قائم ہوئی اور برسوں کے بعد پہلی بار عربی میں اذان کی آواز بلند ہوئی تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ خوشی سے ایک بوڑھے ترک مسلمان کی موت واقع ہوگئی تھی، میں اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا اور ساتھ ہی عربی زبان سرکاری اسکولوں میں پڑھنے کی اجازت ملی۔ اس کے تقریباً تیس پینتیس سال بعد ایک معمر ترکی خطاط حامد الآمدی نے عربی میں انتہائی خوبصورت خط میں قرآن لکھا اور یہ ۱۹۷۴ء سے ترکی میں چھپ رہا ہے، اور اب ترکی میں ایک نئی نسل پیدا ہوگئی ہے جو اصل عربی میں قرآن پڑھ سکتی ہے اور ہزاروں حفاظ قرآن بھی دوبارہ ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر نورباقی غالباً" اس نئی نسل سے ہیں۔ بنیادی طور پر جیسا میں نے پہلے عرض کیا کہ وہ ایک سائنس دان بلکہ میڈیکل سائنس کے ایک نئے سبجیکٹ Oncology کے ماہر ہیں، لیکن بحمد اللہ قرآن پر ان کی گہری نظر ہے اور وہ ایک صاحب ایمان شخص ہیں۔

لیکن اس سب کے باوجود اصل کتاب میں موضوع نمبر ۳۳ میں مصنف سے ایک سہو ہوا ہے وہ یہ کہ انہوں نے قوم ہود اور قوم عاد کو دو الگ قومیں شمار کیا ہے حالانکہ ہود نبی کا نام ہے اور عاد ان کی قوم کا نام۔ اس سلسلے میں قرآن کی جو آیت اختیار کی گئی ہے۔

مصنف کو قوم لوطؑ اور قوم ہودؑ کے بارے میں کنفیوژن ہوا ہے یہ دونوں قومیں ایک ہی عذاب بارش سے ہلاک نہیں ہوئی تھیں، بلکہ قوم لوط پتھروں کی بارش سے ہلاک ہوئی تھی جبکہ ہود علیہ السلام جس کو قوم عاد کے نام سے قرآن میں ذکر کیا گیا ہے، وہ انتہائی تیز رفتار سرد یا بقول بعض گرم آندھی سے ہلاک ہوئی۔

قوم لوط پر جو پتھروں کی یا کنکروں کی بارش اس طرح ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سطح زمین کو اوپر بلند کر کے ان پر الٹا کر دیا تھا' اس کا ذکر سورۃ ہود کی آیت نمبر ۸۲ میں انہی الفاظ میں ہے' یہ شہر سدوم میں ہوا تھا جو اردن کے مغرب میں بحیرۂ مردار کے قریب ہے اور سطح سمندر سے ۵۰۰ میٹر نیچے ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بحیرۂ مردار (Dead Sea) اسی واقعہ عذاب کے نتیجہ میں وجود میں آیا تھا۔

زیر بحث کتاب کے سابقہ ایڈیشنوں (صفحہ ۱۸۴) اور اصل انگریزی کتاب میں اس موقع پر جو لکھا ہے کہ قوم لوط کے بت پرست بادل دیکھ کر خوش ہوئے تھے' وہ بات درست نہیں ہے' بلکہ اس موقع پر قرآن (سورۃ الاحقاف آیت ۲۴) میں قوم عاد مذکورہ ہے' موجودہ ایڈیشن (چہارم) میں یہاں اصلاح کر دی گئی ہے' کتاب کے اس صفحہ پر بہت سی قوموں کی تباہی کا سبب قرآن کے حوالے سے ایک شدید آواز کے دھماکے کو بتایا گیا ہے۔ یہ بات بھی درست نہیں ہے' قرآن کے بموجب (سورۂ ھود آیت ۶۷ و دیگر آیات) قوم ثمود کو شدید آواز کے دھماکے سے برباد کیا گیا تھا' جبکہ قوم نوح' قوم لوط وغیرہ دوسرے انواع کے عذاب سے تباہ کی گئی تھیں۔

صفحہ ۱۸۵ پر (سورۂ الحاقہ آیت ۶) کے حوالے سے قوم عاد کی یخ بستہ شدید آندھی کے ذریعہ تباہی کے لئے مصنف کو شرق اوسط میں یخ بستہ انتہائی ٹھنڈی ہوا کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے سائنسی تحقیق کا ایک تکلف آمیز سہارا لینا پڑا ہے' کوئی شک نہیں کہ بہت سے قدیم و جدید مفسرین نے یہاں قرآن کے لفظ (ریح صرصر) سے یخ بستہ ہوا یا آندھی مراد لی ہے' لیکن ساتھ ہی دیگر مفسرین جیسے زمخشری وغیرہ نے اس کے دونوں معانی بھی بیان کئے ہیں' اسی سورت کی آیت نمبر ۷ میں ہے کہ اس انتہائی شدید آندھی کے نتیجہ میں جو سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی سب لوگ کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح زمین پر گرے مرے پڑے تھے' بعض مفسرین نے اس کے معنی سموم یعنی گرم ہوا کے بھی لکھے ہیں اور اس کی تائید اس صحیح حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے نصرت بالصبا واھلکت عاد بالدبور یعنی اللہ کی طرف سے باد صبا (پروا) کے ذریعہ میری تائید کی گئی اور قوم عاد کو پچھوا (یعنی مغرب کی طرف سے چلنے والی ہوا) کے ذریعہ ہلاک و برباد کر دیا گیا اور یہ پچھوا بہت گرم ہوتی ہے' اس طرح مسئلہ ہوا کی ٹھنڈ کا نہیں بلکہ انتہائی تیز رفتار آندھی کا تھا جس نے پوری بستی کو زمین بوس کر دیا تھا اور ایسی گرم آندھیاں شرق اوسط میں چلتی ہیں۔ عذاب الٰہی سے ان میں اس قدر تندی اور ایک ہفتہ کا تسلسل پیدا کر دیا گیا تھا۔

ڈاکٹر نور باقی کی یہ کتاب پہلی بار سن ۱۹۸۵ء میں ترکی میں شائع ہوئی تھی' اصل کتاب ترکی زبان میں تھی' اس کا انگریزی ترجمہ ترکی کے ایک مذہبی ادارے کی طرف سے شائع ہوا تھا' پاکستان میں سید فیروز شاہ گیلانی

صاحب نے اس کا انگریزی ترکی ترجمہ شائع کیا اور پھر اس سے اردو ترجمہ موصوف ہی نے کیا اور اس طرح کتاب کو پاکستان میں روشناس کرایا، وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس بے نظیر اور مفید کتاب سے اہل پاکستان کو متعارف کرایا۔ انہوں نے اردو ترجمہ میں ایک اہم اضافہ کیا ہے کہ کتاب میں اصل قرآنی آیات ذکر کردی ہیں۔

کتاب کے پڑھنے سے ایک اہم احساس یہ ابھرتا ہے کہ اس کے مصنف کا دل ایک زندہ و تابندہ ایمان سے معمور ہے اور اسی ایمان نے مصنف کے لئے کائنات کے اسرار کا سمجھنا آسان کردیا ہے۔ سن ۱۹۵۰ء کی دہائی میں امریکہ کی اکادمی آف سائنس کے چیئرمین اے سی موریسن (Morison) کی کتاب Man doest not Stand Alone شائع ہوئی تھی جس کا عربی ترجمہ "العلم یدعو الی الایمان" (سائنس ایمان کی دعوت دیتا ہے) کے نام سے شائع ہوا تھا، اس میں مصنف نے سینکڑوں مظاہر کائنات و حیوانات کی اعجوبہ کاریاں پیش کر کے ثابت کیا کہ یہ سب کچھ مافوق الادراک قوت رکھنے والے خالق کی تخلیق کے بغیر ممکن نہیں۔ پیش نظر کتاب میں یہ تمام باتیں قرآنی حقائق کے طور پر ثابت کی گئی ہیں اور یہی اس کی منفرد امتیازی شان ہے۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

رضوان علی ندوی

۲۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مترجم

مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اس دین کو سمجھنے کی کوشش کریں جو ہماری شخصی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے۔ ہم دنیا میں ہزاروں قسم کی کتابیں پڑھتے ہیں بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرتے ہیں لیکن ایک انتہائی اہم کتاب قرآن کی طرف ہماری توجہ نہیں ہے یہ میرا تجربہ اور مطالعہ ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ تعلیم یافتہ ہے اس کو قرآن اسی قدر زیادہ بہتر طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ ڈاکٹر نور باقی کی یہ پاکٹ ایڈیشن کتابیں جو انگریزی میں ہیں میں نے انقرہ میں خریدیں اور ترکی میں بسوں کے ذریعے طویل سفر سیاحت کے دوران پڑھتا رہا۔ اسی سفر میں میرے ساتھی بہت سے جرمن اور امریکی سیاحوں نے بھی یہ کتابیں ہم سے مستعار لے کر تھوڑی دیر کے لئے پڑھیں اور ان کو پہلی دفعہ حیرت کے ساتھ قرآن کی عظمت کا احساس ہوا۔ میں اس کو ایک دینی اور علمی فرض سمجھتا ہوں کہ میرے ہم وطن اور اردو داں اس عظیم کتاب یعنی قرآن کے متعلق ایک مومن انسان کی ریسرچ سے فائدہ اٹھائیں۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد یہ یقین ہو جاتا ہے کہ کائنات کا سائنسی علم ایک مومن مسلمان کی میراث ہے جسے وہ بد قسمتی سے کئی صدیوں قبل گم کر چکا ہے قرآن میں 750 دفعہ مسلمانوں کی توجہ سائنسی حقائق اور مشاہدات کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔ آیئے اس گمشدہ میراث کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا پوری کرنے کی طرف توجہ کریں۔

اس ضمن میں علامہ اقبالؒ کا موقف بھی یہ تھا کہ ''موجودہ دور میں اسلام کے علم الکلام کی بنیاد بھی جدید تجرباتی علوم کی دریافتوں پر استوار ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ ان کے نتائج قرآنی افشائے حقیقت سے ہم آہنگ ہیں۔ چنانچہ دین کا سائنٹفک علم موجودہ دور کے مسلمانوں کے اعتقاد کو پختہ اور راسخ بنا دے گا۔'' انہوں نے مزید فرمایا۔

''کلاسیکی فزکس نے خود اپنے اساسی مفروضوں پر تنقید کرنا سیکھ لیا ہے اس کے نتیجے میں مادیت کی وہ قسم جس پر شروع میں اس کی بنیاد کو استوار کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، تیزی سے غائب ہوتی جا رہی ہے اور وہ دن

دور نہیں جب مذہب اور سائنس اپنی اس باہمی مطابقت کو دریافت کرلیں گے جس کا اب تک تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔" (دیباچہ ری کنسٹرکشن لیکچرز)

اس کتاب میں ڈاکٹر نور باقی کی تحقیق حضرت علامہؒ کی پیش گوئی کو حیرت انگیز طور پر صحیح ثابت کرتی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر علی شریعتی نے اپنے مشہور مقالہ "مستقبل کی تاریخ پر ایک نظر" میں کیا خوب کہا ہے کہ "جو مذہب سائنسی معیار سے پست ہے، تعلیم یافتہ شہبازوں کے لئے وہ ایک مردہ شکار ہے اور وہ مذہب جو سائنس سے برتر اور بالاتر ہے کہ جسے سائنس کی بلندیاں نہیں پا سکیں وہ آج کی دنیا کے بڑے بڑے مفکروں کا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ "بہت عجیب اور فکر انگیز اتفاق ہے کہ میکس پلینک، کیرل، آئن اسٹائن کی تحریروں میں جا بجا قرآنی الفاظ یا قرآن فہمی سے حاصل شدہ تعبیریں ملتی ہیں۔ بحرانوں کے ذریعے انہوں نے لاالاہیت کا دور دیکھا ہے۔ پھر وہ بازگشت ریاضیت کی منزل پہنچے۔"

"دنیا میں نئے دور کی آمد آمد ہے اس میں ایسے مذہب کی حکمرانی ہوگی جو سائنس سے بہتر و برتر ہوگا اور سائنس جس کی برتری کو تسلیم کرے گی وہ مذہب اسلام اور قرآن ہوگا۔"

مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہے۔ اگر ترجمے میں کوئی خامی رہ گئی ہو تو اس کے لئے میں اللہ سے معافی اور قارئین سے معذرت کا خواہاں ہوں۔

سید محمد فیروز شاہ گیلانی

تعارف

اگر دنیا کے تمام انسان مل کر بھی قرآن کی عظمت پوری طرح بیان کرنا چاہیں تو بھی ان کے لئے ممکن نہیں ہوگا۔ قرآن اللہ کا دیا ہوا شاہکار، جو لوح پر درج ہے جب ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا "اللہ کے رسول! ہر پیغمبر کا معجزہ تھا آپ کا کیا معجزہ ہے۔" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کا لفظ یعنی قرآن کریم۔" قرآن کریم کوئی عامیانہ بات یا معمولی احکامات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ آخری اور سب سے بڑے زندہ سچ کا منبع ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کے زندہ سچ ہونے کا راز ہر عامیانہ ذہن کے لئے مخفی ہے اس کا مکمل ادراک کوئی آسان کام نہیں ہے۔

قرآن کے علاوہ باقی تمام تحریروں کا بتدریج بے اثر ہونا ان کی قسمت ہے۔ ہر چیز کی ایک انتہا ہے مگر یہ بار بار ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک گزرنے والا دن قرآن کی حقیقت کا بار بار زندہ اور قائم ودائم ہونے کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی آیات ہمیشہ زندہ اور موجود ہیں لیکن ہماری سمجھ کو اس راز کا ادراک مخصوص وقت کی حد نظری میں محسوس ہوتا ہے۔ ہر نسل اپنے آدرش کو نئے طور پر پاتی ہے۔ بلاشبہ یہ حقیقت آئندہ آنے والی تمام نسلوں کے متعلق بھی صحیح ثابت ہوتی رہے گی۔

ایک آیت کے معانی کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دی جاسکتی ہے یہ تہہ در تہہ پتیوں سے ڈھکے رہتے ہیں۔ ہر پتی کے الگ ہونے سے ایک نیا معنی نظر آتا ہے۔ اسی لئے آیت کی مختلف توجیہیں اور معانی ہوتے ہیں۔ یہ یقیناً غلط بات ہوگی اگر کسی آیت کا صرف ایک مفہوم نکال کر کہا جائے کہ یہ آخری معنی ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ قرآنی آیات کے معنی کھلے ذہن سے نکالے جائیں مثلاً اس طرح کہنا چاہئے کہ یہ اور یہ بھی اس آیت کے معنی ہوسکتے ہیں۔

آیات کی تشریح سے قبل میں قارئین کی توجہ آیات کے معنی اور آیات کی تشریح کے درمیان لطیف فرق ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ معنی کے مطلب کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے ہیں۔ جب کہ تشریح کا مطلب اسی زبان میں وضاحت کرنا ہے۔ اس سلسلے میں چند اصول یہ ہیں :-

1- ترجمہ دونوں زبانوں کے مسلمہ اصولوں کے مطابق ہونا چاہئے۔ تشریح کو متن میں شامل نہیں کرنا چاہئے۔

2- جس لفظ کے اصل اور عین مطابق معنی نہ ملتے ہوں اس کے لئے ثانوی بہترین معنی تلاش نہ کئے جائیں

بلکہ اصل لفظ کو اپنی جگہ قائم رکھتے ہوئے تشریحی حصہ میں اس کی وضاحت کرنا چاہئے۔

3- اگر ایک لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہوں تو دوسرے معانی کو بھی تشریح میں بیان کرنا چاہئے۔ اس امر کے لئے انتہائی احتیاط کرنا چاہئے کہ مترجم کی اپنی پسند کی تشریح کو ہی نہ تھوپا جائے اس سلسلے میں نیت چاہے کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو۔ اللہ کا لفظ ذرا سی بے احتیاطی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

سب سے اچھی تشریح وہ ہے جو دوسری قرآنی آیات کو، نبی کریمؐ کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے الفاظ کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہو۔ اس سلسلے میں عربی زبان کی اپنی بناوٹ، اس کی گرامر کے اصول اس کی فصاحت اور بلاغت کو بھی اہمیت دینا چاہئے۔ اوپر دیئے گے ذرائع پھر بھی کسی آیت کی تشریح میں ناکافی ہو سکتے ہیں اس موقع پر سائنسی ترقی اور تکنیکی ایجادات بے حد مفید رہنمائی مہیا کر سکتی ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی ایسی آیات جو فزکس PHYSICS اور کائنات سے متعلق ہیں کبھی ایک جگہ اکٹھی نہیں کی گئی ہیں اور نہ ہی ان کی تسلی بخش تشریحات پیش کی گئی ہیں۔ اس مشکل کام کو جزوی طور پر پورا کرنے کے لئے میں نے 50 آیات کی تشریح اور تدوین کی کوشش کی ہے جس کام کے لئے کئی سالوں سے تیاری کرتا رہا ہوں۔ یہ آیات پانچ کتابچوں سے دس دس آیات کے حساب سے ترتیب دی جا رہی ہیں۔

موجودہ دور میں فزکس اور اسٹروفزکس ASTROPHYSICS پر شائع شدہ مواد کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے سائنس کے تسلیم شدہ حقائق کو قرآن کے سائنسی معجزات کے ساتھ ساتھ قارئین کے لئے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ فزکس اور اسٹروفزکس (کائناتی فزکس) کے موجودہ دور کے پیچیدہ مسائل اور نظریات کے پیش نظر بعض جگہوں پر میرے لئے مزید سادہ تشریح ناممکن سی ہو گئی ہے۔ اس کے لئے میں قارئین سے معذرت خواہ ہوں جو کہ حالت مجبوری ہے۔

میرا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ میں اپنے علم میں اپنے بھائیوں کو شریک کروں۔ تشریحات میں غلطیوں کی میں اپنے قارئین سے معافی کا خواستگار ہوں۔ ہماری آسمانی کتاب ہر قسم کی غلطی یا کمزوری سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔ اگر کہیں سہو یا غلطی ہے تو وہ صرف میری ہے۔ میں یہ کام شروع کرتے ہوئے اللہ، تمام کائناتوں کے مالک کی رحمت اور معافی میں پناہ چاہتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ اپنے اکرام کے مطابق ہمیں اپنے اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔

موضوع نمبر 1

قران کا لطیف انداز

آسمانی فضا ATMOSPHERE کے راز

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ ﴿۱۱﴾ ـــــ

"پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا آؤ (ایک مقام پر) تو چاہو یا نہ چاہو۔ دونوں نے کہا ہم آگئے فرمانبرداروں کی طرح۔" 11 (حم السجدة 41)

"THEN, TURNING TO THE NEBULOUS HEAVEN, HE SAID TO IT AND THE GLOBE (EARTH) COME, WHETHER WILLINGLY OR UNWILLINGLY. THEY BOTH SAID" WE CAME WILLINGLY___(CHAPTER 41 (II)

اس سے پہلے کہ میں قرآن کی ان آیات کی تشریح کروں میں مختصراً "سورۃ حم السجدة یا فصلت کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے یہ سورۃ قرآن میں دوسری سورۃ ہے جو "ح" اور "م" سے شروع ہوتی ہے۔ یہ انتہائی اہم سورۃ ہے جسے ہمارے نبی کریمؐ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

اسلام کے عظیم مفکروں اور دانشمندوں نے اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ قرآن میں جو سات مرتبہ "ح۔م" آتے ہیں ان میں کائنات (UNIVERSE) کے متعلق بہت سے راز ہیں۔ یہ بتایا گیا ہے کہ سات "ح۔م" سورۃ حم السجدة کی تشریح کے سلسلے میں تو خاص راز رکھتے ہیں۔

آیت نمبر 10 دنیا کی پیدائش کے متعلق تشریح کرتی ہے اور کائنات کی مادی اصلیت پر لطیف پیرائے میں روشنی ڈالتی ہے۔ بے شک اس آیت کے بھی کئی معنی اور تشریحات ہو سکتے ہیں۔ میں اس آیت کے معنی زمینی طبیعیات (GEOPHYSICS) کے نقطہ نظر سے بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

1- ہمیں اس آیت کو بار بار پڑھ کر اس کے اہم نکات کو اکٹھا کرنا چاہئے۔ اس معاملہ میں بالکل عام معانی سے آگے اور انتہائی احتیاط سے دیکھنا چاہئے۔ میں قاری کی توجہ مندرجہ ذیل نکات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(الف)"پھر وہ دھواں دار آسماں کی طرف متوجہ ہوا۔"

یہ طرز بیان ایک خاص راز کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ کچھ چاہتا ہے تو وہ محض یہ فرماتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتا ہے۔ یہ آیت پھر کیوں بطور خاص بیان کرتی ہے کہ وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔" یہ حقیقت ہماری توجہ اس طرف مبذول کرا رہی ہے کہ یہاں ایک اہم سائنسی نکتہ بیان کیا جا رہا ہے۔

(ب) وہ یعنی اللہ حکم دے رہا ہے زمین اور آسمان آپس میں اتفاق عمل اور ہم آہنگی پیدا کریں۔ وہ ان کو حکم دیتا ہے کہ وہ آئیں اور آپس میں باہمی اتفاق عمل کریں چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں۔ اللہ کی کسی مخلوق میں حکم عدولی کی طاقت نہیں ہے۔ زمین اور آسمان کے طوعا" وکرہا" آنے کا مطلب یہ ہے کہ اس اتفاق عمل میں عام طور پر کوئی مشکل حائل ہے۔ مزید براں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آسمان جسے زمین سے ہم آہنگ ہونا ہے وہ زمین سے نزدیک ترین بھی ہے۔

آیئے! اب زمین اور اس کے نزدیک ترین آسمان کے تعلق کے متعلق تفتیش کریں جو موجودہ دور کے علم ریاضی، طبیعیات جیوفزکس کے تناظر میں ہو۔ ابھی کچھ عرصہ قبل تک یہ مفروضہ تھا کہ زندگی کی نمو کسی بھی کرہ پر ایک خاص درجہ حرارت پر ہو سکتی ہے مگر موجودہ چند سالوں میں فضا کی تسخیر نے ظاہر کر دیا ہے کہ کسی کرہ PLANET کے لئے ATMOSPHERE فضا کا حصول اور اس کی موجودگی کو برقرار رکھنا بے حد مشکل امر ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی کرہ اور اس کے نزدیک ترین آسمان کے درمیان انتہا کی مخالفت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فضا میں نزدیکی فضا گیسی ایٹموں پر مشتمل ہوتی ہے تمام بڑے کروں میں یہ ایٹمی ذرات کرے کی سطح میں جذب ہو جاتے ہیں جبکہ چھوٹے کرے میں کشش ثقل کی طاقت GRAVITATIONAL FORCE ایٹم کو اپنے ساتھ باندھ رکھنے کے لئے ناکافی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ ایٹمی گیسیں فضا میں تحلیل ہو جاتی ہیں اور کرہ بنجر یا خالی رہ جاتا ہے۔ اب آیئے اس مقدس آیت کو ان مختصر معلومات کی روشنی میں دوبارہ پڑھیں۔ بطور خاص دوسرے فقرہ کو :

"آؤ تم دونوں، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔"

ایٹمی ذرات اور دیگر کثیف گیسیں فضا میں تحلیل ہونے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ جبکہ ہماری زمین انہیں گرفتار یا اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں زمین اور آسمان (فضا) کی یہ حصہ داری ان کی مرضی کے خلاف ہے بلکہ بہ حالت مجبوری یعنی طوعا" وکرہا" ہے۔ اس آیت کریمہ کی سائنسی عظمت اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کائناتی راز آج سے چودہ صدیاں قبل انسانیت کو بتایا گیا تھا جبکہ آج سے پچاس سال قبل تک بھی اس حقیقت کو کوئی نہیں جانتا تھا۔

اس مقدس آیت کے اندرونی گہرے معانی تک پہنچنے کے لئے آیئے ہم اپنے ارضیاتی طبیعیات (جیوفزکس) کے علم کو تھوڑا اور پھیلائیں۔ ایک کرہ پر فضا کے پھیلاؤ کے لئے کس چیز کی ضرورت ہے؟ مثلاً زمین پر؟

کرہ ہوا یا فضا کی بناوٹ کے لئے ضروری ہے کہ اس حرکت (MOTION) جو ذرات یا سالموں کو تحلیل کرتی ہے، کو زمین کی کشش ثقل سے متوازن رکھا جائے تاکہ تحلیل ہونے کے عمل کو روکا جا سکے۔ یہ تقریباً ناممکن بات نظر آتی ہے۔ بادی النظر میں اس کا واقع ہونا تمام کائنات کے کروں میں ایک ارب کے مقابل ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اسی حقیقت کو اس صورت میں بیان کیا گیا ہے کہ :

"اور پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔"

یہ بیان اس راز کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ کس طرح اللہ ایک ناممکن چیز کو ممکن بناتا ہے۔ ارضی طبیعیات (جیوفزکس) کے نقطۂ نظر سے یہ انتہائی توازنوں والی شکل بے حد اہم خصوصیات کی متقاضی ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل خصوصیات کا موجود ہونا ضروری ہے۔

1- فضائی درجہ حرارت ATMOSPHERIC TEMPERATURE

2- زمین کی متوازن کشش ثقل۔

3- فضا کی اشعاعی توانائی (RADIANT ENERGIES) کی ایسی سکت موجود نہ ہونا جو اس نازک توازن کو بگاڑ سکے۔ یہ توانائی مادے کی غیر موجودگی میں بھی قائم رہتی ہے۔

1- فضائی حرارت ATMOSPHERIC HEAT

سالموں یعنی انتہائی باریک ذروں کے گم ہو جانے کا انحصار تپش یعنی HEAT پر ہوتا ہے اور ارد گرد کی تپش کو مندرجہ ذیل خصوصیات کی پیروی کرنا پڑتی ہے۔

(الف) زمین کا سورج کی نسبت فاصلہ : اگر زمین سورج کے نزدیک تر ہوتی تو فضا میں حدت کی زیادتی سے تمام چھوٹے ذرات (سالمے) ابل کر غائب ہو جاتے۔ اس کے برعکس اگر زمین سورج سے اور زیادہ دوری پر ہوتی تو چھوٹے ذرات یا سالموں کی حرکت بہت سست ہو جاتی اور یہ جم جاتے اور جلد ہی زمین میں مل کر اپنا وجود ختم کر دیتے۔

(ب) زمین جو حدت سورج سے لیتی ہے۔ اس کو زمین کی فضا میں برابر طور پر تقسیم ہونا چاہیے۔ اس مقصد کے لئے زمین کو اپنے محور پر ایک خاص رفتار سے گھومنا ہوتا ہے۔ اگر اس کے گھومنے کی یہ رفتار بہت

زیادہ کم ہو تو جس طرف اندھیرا ہو گا وہاں اچانک یخ ہو جانے کی وجہ سے فضا (ATMOSPHERE) زمین کے اس تاریک حصہ میں ضم ہو کر ختم ہو جائے گی۔ اگر زمین کا محور پر گھومنا زیادہ تیز ہو تو زمین کے بہت سے حصوں کو مناسب گرمی نہ مل سکے گی۔

اس لئے یہ ضروری ہے کہ زمین اپنی موجودہ رفتار سے ہی گردش کرتی رہے۔ اگرچہ یہ متناسب گردش حدت کے سوال کا خاطر خواہ جواب نہیں ہے۔ ارضی خط استوا جو کہ سورج سے زیادہ سے زیادہ حرارت وصول کرتا ہے۔ گرم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جبکہ زمین کے قطبین (POLES) مزید ٹھنڈا ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہاں تکثیف یعنی وہ کیمیائی تبدیلی پیدا ہوتی ہے جس سے دو یا زیادہ ذرات سالموں کے جم جانے اور انجذابی عمل (ABSORPTION) کی وجہ سے کرہ باد یعنی فضا خود بھی جذب ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ زمین کے محور AXIS ہمیشہ جھکے رہیں اور زمین کے حرارت شدہ علاقوں کو متواتر متناسب طریقے سے باہمی تبدیلی کے عمل میں ادل بدل (INTERCHANGE) کرتے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ارضی محور 23.5 ڈگری پر جھکا ہوا ہے۔

آیت کریمہ کے آخر میں یہ اعلان کہ "ہم آگئے فرمانبرداروں کی طرح" اوپر دیئے گئے معانی کی ترجمانی کرتا ہے۔ اللہ کا حکم کہ "آؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو" زمین کے خود بخود جھکاؤ اور اس کے متناسب گھومنے ROTATION کے عمل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی زمین ایک خاص حالت میں اپنی مادی حیثیت کے لئے اللہ ہی کے حکم کی پابند ہے۔

(ج) زمین جو حرارت حاصل کرتی ہے۔ اسے ایک خاص عرصہ تک برقرار رکھنا پڑتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں زمین کو ایک قسم کے کمبل کی ضرورت ہے۔ یہ کمبل ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس (GASEOUS CARBON DIOXIDE) نے مہیا کر رکھا ہے۔ مگر فضا کے پیدا ہونے سے پہلے ارضی حرارت کے عمل کو متناسب رکھنے کے لئے کاربن ڈائی آکسائیڈ کہاں تھی؟ ہم نے ارضی طبیعیات کے مطالعے سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ زمین کی ابتدائی فضا بنیادی طور پر کاربن ڈائی آکسائیڈ پر مشتمل تھی۔ آیت مقدسہ اس راز کو اس طرح آشکار کرتی ہے کہ "پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دخان (دھواں) تھا۔" یہ ایک تسلیم شدہ سائنسی حقیقت ہے کہ ابتداء میں زمین کی فضا زیادہ تر دھوئیں (کاربن ڈائی آکسائیڈ) پر مشتمل تھی۔ زمین کا حرارت کو قائم رکھنا اسی ابتدائی گیس (دھوئیں) پر منحصر ہے اور اس کی وجہ سے ہی زمین کی موجودہ فضا قائم ہے۔

2- زمین کی متناسب کشش ثقل THE PROPERLY PROPORTIONED GRAVITATION OF EARTH

جدید فزکس زمینی کشش ثقل کو اس طرح بیان کرتی ہے کہ یہ ایٹم ATOM کی ان مستعد کشش کی قوتوں کا مجموعہ ہے جو زمین کے وجود میں موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر فضا کے تحلیل ہوجانے کو بذریعہ کشش ثقل اور دوسری طرف فضا کے مکمل طور پر جذب ہوجانے کے عمل کو روکنا ہو تو زمین کو ایک مخصوص حجم اور کثافت (VOLUME AND DENSITY) کا حامل ہونا چاہئے۔ یہ با آسانی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر زمین ایک مخصوص حجم اور کثافت رکھے تو بغیر کسی مشکل کے فضا یا کرہ باد مہیا ہوسکتا ہے مگر اس پورے عمل میں ناقابل یقین نزاکتیں اور موشگافیاں نظر آتی ہیں ان کو درج ذیل میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(الف) زمین میں مختلف مادے ایک خاص تناسب سے ہوتے ہیں یہ ضروری ہے کہ زمین میں مناسب مقدار میں دھاتوں کو ذخیرہ شدہ ہونا چاہئے تاکہ زمین پر زندگی اور تہذیب و تمدن قائم رہ سکے۔ اس کے ساتھ غیر دھاتی اشیاء کا ذخیرہ بھی بے حد ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ زمین کا حجم کوئی سادہ حساب نہیں ہے بلکہ یہ ایک انتہائی پیچیدہ حساب کتاب ہے جس میں بیک وقت کئی اہم چیزوں کا حساب رکھنا پڑتا ہے۔

(ب) زمین کی کشش کا توازن اس طرح بنا ہونا چاہئے کہ جبکہ مالیکیولز (فضائی سالمے) یعنی کرہ باد کے ذرات جسمانی طور پر متوازن صورت میں ہوں تو عین اسی وقت وہ زمین کی سطح پر کیمیاوی طور پر ساکت بھی ہوں۔ یعنی زمین کا خول CRUST، مٹی، پہاڑ، سمندر ایک ایسے وجود میں ہوں جو کرہ باد کی گیسوں سے مناسب رد عمل کا باعث بنیں دوسرے لفظوں میں وہ کرہ باد کو اپنے اندر جذب نہ کرلیں۔ مثال کے طور پر اگر زمین کا خول کاربن کا بنا ہوا ہوتا تو ایک طرف تو وہ آکسیجن کو کیمیائی رد عمل سے ختم کردیتا، دوسری طرف وہ نائٹروجن کو جذب کرلیتا۔ لیکن زمین کا خول سیلکان کے مرکبات نے اس طرح بنا ہوا ہے کہ وہ انہیں کرہ باد کے اندرونی خول میں ساکت و جامد رکھتا ہے۔ اس طرح زمین اور کرہ باد کا توازن قائم رہتا ہے۔

(ج) مزید دو اہم نکتے زمین کی کشش ثقل کی نسبت سے مادے کی ساخت اور بناوٹ سے متعلق ہیں۔ اولاً "زمین کی مادی کثافت کے اندر مقناطیسی مادے از قسم لوہے" کی متناسب تقسیم کی موجودگی کا ہونا ضروری ہے۔ دوسرے زمین کے بالکل اندر قالب میں پگھلے ہوئے مقناطیسی مادہ اور نیم پگھلی ہوئی دھاتوں کا زمین کے خول کے ساتھ تناسب قائم رکھنا بھی اشد ضروری ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کی کشش ثقل بے حد صحیح اندازوں اور بے پناہ حسابات کی متقاضی ہے۔ یہ حساب کتاب (CALCULATIONS) اس قدر وسیع اور نازک ہیں کہ صرف اندازے لگانے کے لئے بھی ایک انتہائی دیو ہیکل کمپیوٹر درکار ہوگا۔

3- کرہ باد کا استحکام اور فضائے بسیط میں اشعاعی توانائیوں کا توازن INVIOLABILITY OF ATMOSPHERE

قطع نظر اس کے کہ فضائے بسیط کس قدر ہم آہنگ نظر آتی ہے، فضائے بسیط میں مختلف قسم کے ٹکڑوں اور ذروں کی اس قدر شدید بارش ہوتی رہتی ہے کہ یہ تو فضا کا توازن ہی بگاڑ کر رکھ دے اور یہ انتہائی باریک ذروں (مالیکیولز) کو شدید قسم کی تیز گھومتی ہوئی رفتار VELOCITY بھی عطا کرتی ہے۔

(الف) ایک مقناطیسی کرہ MAGNETOSPHERE زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا قطر ایک سو زمینوں کے قطر کے برابر ہے۔ یہ زمین کی طرف کرہ باد سے آنے والے تمام قسم کے ذروں اور توانائیوں ENERGIES کے لئے ایک ڈھال کا کام دیتا ہے اس کی تفصیل ایک اور آیت کریمہ کی تشریح کے سلسلے میں بھی پیش ہوگی۔

(ب) خیال کیا جاتا ہے کہ سیاہ شگاف BLACK HOLES زمین سے ایک خاص فاصلہ پر موجود ہیں۔ سیاہ شگاف جو انتہائی کشش ثقل کے حامل ہوتے ہیں، ان تمام زائد توانائیوں، جو ستاروں کے جھرمٹوں اور ثریا سے نکلتی ہیں، کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ جس کی واحد وجہ ان سیاہ شگافوں کی انتہائی زیادہ قوت ثقل ہوتی ہے۔

(ج) مزید براں کرہ باد اپنے وجود کے اندر اونچے علاقوں سے نیچے علاقوں کی طرف اپنی ساخت کے لحاظ سے اپنے آپ کو محفوظ بنا دیتا ہے۔ اس سلسلے میں کرہ کی تہہ (OZONE LAYER) ایک چھلنی کا کام دیتی ہے جس میں سے ذرات چھن چھن کر آتے ہیں۔ اسی طرح نائٹروجن کے قطرے (ISOTOPES) بھی اس کی حفاظت کے موجب بنتے ہیں۔

اس حقیقت کو با آسانی تسلیم کیا جاتا ہے کہ کرہ باد یا فضا کے متعلق بہت سے حقائق ابھی تک پوری طرح انسان کے علم میں نہیں آسکے مگر اصل بات یہ ہے کہ سائنس اپنے ہر دن میں اللہ کے معجزات کا علم حاصل کرتی ہے اور اس طرح ان کی گواہ بنتی رہتی ہے۔

ایسے ہی حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جب ہم آیت نمبر ۱۱ میں آسمان کی تشریح کرتے ہیں اور آیت نمبر 12 میں زمین کے آسمان کی تشریح کرتے ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آسمان کی توجیح عام فہم معنوں میں کی جائے اور اس کی تشریح مختلف زاویوں سے کی جائے۔ قرآن حکیم سات آسمانوں کے وجود کا ذکر کرتا ہے۔ انسانیت اس وقت تک ان کی مخصوص مادی

ساخت کا علم نہیں رکھتی۔ اس معاملے میں ہم ان کی پیائش، جسامت، طول و عرض اور ان کے درمیانی فاصلوں کے متعلق کچھ علم نہیں رکھتے۔ میں اس حقیقت کی تشریح آئندہ اس آیت کریمہ کے سلسلے میں کروں گا جس میں سات آسمانوں کا ذکر ہے۔

اب آپ اس موضوع کی آیت کریمہ کو دوبارہ سہ بارہ ان تمام سائنسی حقائق کی روشنی میں پڑھیں۔ ہم اب لطف اٹھا سکتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں کس قدر حیران کن اور عظیم الشان سائنسی حقائق کا اظہار کیا گیا ہے!

جہاں تک کرہ باد کے سب سے زیادہ خصائص کا تعلق ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کسی چیز یا ذرے کے غائب ہونے کے لئے اخراجی رفتار (ESCAPE VILOCITY) کا 11.3 کلومیٹر فی سیکنڈ ہے، کرہ باد کی عام کیفیت کو ایک توازن کے ساتھ قائم کیا گیا ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے چنانچہ کرہ باد کے ذرے (مالیکیولز) اس رفتار کو نہیں پہنچ سکتے۔

پروفیسر ڈی لیماک سپٹسر (PROFESSOR DE LYMAK SPITSER) کے بقول زمین اپنی ضرورت کے مطابق کرہ باد کے ایک حصہ کو بطور خاص نائٹروجن کو جذب کر لیتی ہے مگر آکسیجن کی چست اور تند و تیز خاصیت کو کرہ باد میں نائٹروجن کے ذریعے تناسب میں رکھا گیا ہے۔ مزید براں دیگر فائدہ مند گیسیں (NOBLE GASES) جو کہ ہیلیم HELIUM، ارگون ARGON، نیون NEON، کرپٹون CRYPTON، ژنون XENON، ریڈون RADON ہیں۔ وہ بھی کرہ باد میں معمولی مگر مناسب مقدار میں موجود ہیں۔ یہ نائٹروجن اور آکسیجن گیسوں کو یکجان ہونے سے روکتی ہیں۔ بطور خاص اس وقت جب کہ بجلی گرتی ہے۔ کرہ باد ہمیشہ نائٹروجن اور آکسیجن کے توازن کو جو کہ 5:1 کی نسبت سے ہوتا ہے، برقرار رکھتا ہے۔

اس عظیم الشان جیو فزیکل نظام کی ابتداء ہی ان رازوں میں ہے جو ہم پر یہ آیت کریمہ ظاہر کرتی ہے۔

موضوع نمبر 2
کائنات کے نامعلوم مقامات
LOCI OF UNIVERSE

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾ — الواقعۃ ۵۶

ترجمہ : پس نہیں، قسم ہے ستاروں کے مواقع کی، اور اگر تم سمجھ لو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔

75-76 الواقعہ 56

NO, I SWEAR BY THE POSITIONS (LOCATIONS) OF THE STARS AND THAT IS INDEED A MIGHTY OATH. DID YOU BUT KNOW IT.
(CHAPTER 56 75-76)

سب سے پہلے میں سورۃ واقعہ کی مختصر تعریف یا شرح کرنا چاہوں گا۔ واقعہ کا مطلب ہے 'ڈرانے والا۔ واقعہ وقوع کا مطلب ہے ماجرا یا سانحہ۔ کسی چیز کا اچانک نکل آنا۔ اکثر تفاسیر میں واقعہ کا مطلب یوم آخرت مراد لیا گیا ہے۔ بہرحال موت کا لمحہ یا کوئی اور وحشت انگیز لمحہ "واقعہ" کی تعریف میں آتا ہے۔

اس آیت میں جس طریقہ سے الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ حیران کن حد تک دلچسپ ہیں۔ اس کی ابتدا لفظ "فا" سے ہونا صرف و نحو کے رو سے پوری آیت کا احاطہ کرتی ہے "لا" کے یہاں معنی ہیں :

(الف) لفظ کا حسن ترتیب اور ہم آہنگی۔

(ب) طاقت یا کمک پہنچانا۔

(ج) لاوجودیت کا حقیقی ذرہ۔

اس طرح حتمی لحاظ سے ان الفاظ کے معنی کہ "مزید الفاظ کی ضرورت نہیں ہے۔" سمجھ میں آتے ہیں۔ "مزید الفاظ کی ضرورت نہیں ہے" "قسم ہے ستاروں کے ٹھیک جگہ پر ہونے کی۔ "ہاں اگر تم جانتے تو ایک بہت بڑی قسم ہے۔"

اس آیت میں ہم جس چیز پر توجہ مرکوز کرانا چاہتے ہیں وہ ہے' "ستاروں کے ٹھیک جگہ ہونے کی خصوصیات سماوی طبیعیات (آسٹروفزکس) میں ایسی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) وہ جگہیں جہاں وہ طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔

(ب) ان کے مشرقین اور مغربین۔ ان کی حدود اور موجودگی کی جگہیں۔

(ج) وہ مقام جہاں شہاب ثاقب METEORS ظاہر ہوتے ہیں۔

(د) وہ مقام جہاں ایک ستارہ غائب ہو جاتا ہے۔

آیئے اب دوبارہ اس آیت کریمہ کی باریکیوں کا خلاصہ دیکھیں۔

(الف) قسم کی ابتداء نفی کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس قسم کی ابتداء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انتہائی اہم راز افشاء کیا جا رہا ہے۔ خاص طور پر جب یہ لفظ "فا" کے ساتھ واقع ہو۔

(ب) ستاروں کے مقامات کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ اس قسم کی قسمیں دوسری آیات میں بھی ہیں۔ البتہ ستاروں کے مقامات یا جگہوں کی قسم اسی آیت مبارکہ میں ہی ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے اپنی عظیم دانائی میں یہ قسم جو کھائی ہے وہ ضروری نہیں کہ کسی غیر معمولی چیز کے متعلق ہو لیکن دوسری آیت اس خیال کی نفی کرتی ہے۔

(ج) "اگر تم جانتے کہ یہ کتنی عظیم قسم ہے۔" یہ بیان ہمیں بتاتا ہے کہ ہم ستاروں کی جگہوں کے نظریہ کو با آسانی نہیں سمجھ سکتے اس کے عظیم اور مخفی معنی ہیں۔

یہ ان آیات میں سے ہے جو بہترین طریق سے ظاہر کرتی ہیں کہ سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ کس طرح قرآن کی نئی توجیہات اور تفاسیر کی جا سکتی ہیں۔

آیئے اب ہم ان حقائق کو یکجا کر کے دیکھیں کہ کس طرح آسمانی طبیعیات (آسٹروفزکس) کے علم نے پچھلے پندرہ سالوں میں ستاروں کی جگہوں اور مقامات کے بارے میں کیا کیا دریافتیں کی ہیں؟

کائنات میں ایسی جگہیں ہیں جنہیں روسی سائینسداں "ستاروں کے مقام" کہتے ہیں۔ اور مغربی سائینسداں انہیں سفید شگاف یا غار (WHITE HOLES) یا سیاہ شگاف (BLACK HOLES) کہتے ہیں۔ آسمانی طبیعیات کے علم میں ترقی کی وجہ سے پچھلے پندرہ سالوں میں سائنس نے ہمیں ستاروں، سیاروں یا انجم کی کائنات کی خاصی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اس سلسلے میں دو قسم کے مواقع یا جگہیں کائنات میں پائی جاتی ہیں جو ستاروں کی خصوصیات نہیں رکھتیں۔

1- سفید شگاف یا غار WHITE HOLES یا کوثرز QUASARS

2- کالے شگاف یا غار BLACK HOLES

سفید شگاف WHITE HOLES

یہ انجم کی جگہ یا موقع ایک ناقابل یقین مقدار میں توانائی کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے بے پناہ توانائیاں کائنات میں ایک مقام سے چھوڑی جاتی ہیں جو لاکھوں نوری سالوں کے فاصلوں تک پہنچتی ہیں۔ یہ کوثریں اتنی قوت کی مالک ہوتی ہیں کہ یہ کہکشاؤں یا اربوں ستاروں کا گچھا بناتی ہیں۔ کچھ سائینسدان ان کوثروں QUASARS کو کہکشاں کے بیج تصور کرتے ہیں۔ جن سے مزید اجرام فلکی نکلتے ہیں۔

سیاہ شگاف BLACK HOLES

ان دونوں میں سے زیادہ دلچسپ سیاہ شگاف ہیں۔ یہ شگاف اس جگہ کی نشان دہی کرتے ہیں جو اس ستارے کے فنا ہونے کی وجہ سے خالی رہ جاتی ہے مگر جب ایک ستارہ فنا ہوتا ہے یا مرتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب جانے بغیر ان شگافوں کو سمجھنا ناممکن ہے۔ یعنی نجوم کائنات کے ان مواقع کو جس کو اس آیت کریمہ نے بیان کیا ہے۔

یہ علم تو موجود ہے کہ ستارے لاتعداد ایٹموں یا جواہر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ الیکٹران یا منفی برقی پارے ایٹم کے نواۃ یا مرکز کے گرد گھومتے ہیں۔ اس وجہ سے ایک ستارہ ایک مخصوص حجم رکھتا ہے۔ ستارے کا فنا ہونا یا مرجانے کا مطلب ہے کہ وہ توانائی جو اس کے حجم کو قائم رکھے ہوئے تھی ختم یا خرچ ہو چکی ہے۔ جیسے ہی ایک ستارہ مرتا ہے وہ اپنی ہی کشش ثقل سے اس قدر بھنچ کر یا دب کر اتنا چھوٹا ہو جاتا ہے کہ صرف ایٹموں کے نواۃ (NUCLEI) ہی رہ جاتے ہیں اور جب نواۃ ایک دوسرے کے اوپر جمتے ہیں تو ستارہ سکڑ کر رہ جاتا ہے ایک مرتا ہوا ستارہ اپنی اصل جسامت سے کئی لاکھ گنا چھوٹا ہو جاتا ہے مگر اپنی کمیت یا MASS میں کسی خاص تبدیلی کئے بغیر۔ اگر مرنے والا ستارہ چھوٹی جسامت، یعنی جیسے ہمارا سورج، کے برابر ہے تو یہ ایک پلسر PULSAR (یعنی وہ ستارہ جو انتہائی باقاعدہ وقفوں سے ریڈیو تعدد برق مقناطیسی شعاع خارج کرتا ہے) بن جاتا ہے۔ یہ پلسر ایک اکائی ہے جو ہر 0.03 سیکنڈ کے وقفہ سے ایکسریز X-RAYS خارج کرتا ہے۔ یہ ستارہ اپنے ہی گرد کروڑں کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتا ہے۔ اس کے باوجود یہ اتنا سکڑ چکا ہوتا ہے کہ یہ نظر تک نہیں آتا۔ اس کا وجود محض اس کی برقی مقناطیسی لہروں کے ارتعاش سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ مکمل نجی موقع یا قرار دادہ مقام بن جاتا ہے۔

اگر مرتا ہوا ستارہ بڑا ہے تو ثقلی انہدام اتنا شدید ہوتا ہے کہ یہ نکلائی NUCLEI سطح پر نہیں رکتا بلکہ یہ انہدام اس حد تک جاری رہتا ہے جہاں تمام مادہ اور توانائی اس نقطہ تک سکڑ جاتے ہیں جسے ایک اکائی

(SINGULARITY) کہتے ہیں۔ اسے کائناتی سیاہ شگاف BLACK HOLE کہتے ہیں۔ یہ شگاف کسی طور بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ صرف درج ذیل خصوصیات سے پہچانا جا سکتا ہے۔

1- یہ اس تابکاری RADIATION اور ستاروں کو ہڑپ کر جاتا ہے جو اس کے نزدیک سے گزرتے ہیں۔

2- یہ گاماریز GAMARAYS اور ایکس ریز کا بالواسطہ اخراج کرتا ہے۔

3- اس کے قرب میں وقت اچانک تحلیل ہو جاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ سیاہ شگاف ایک ستارے کا پراسرار مقبرہ ہے۔ یہ تمام مادی اشیاء اور وقت کو کھینچ کر اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔

اولاً پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر ریمو روفینی REMO RUFFINI نے سیاہ شگافوں کی موجودگی کے متعلق نظریہ قائم کیا۔ اس سائینسداں نے ان نکتوں کو ستارہ کا موقع (جگہ) STAR LOCATION قرار دیا بعد میں جان وہیلر JOHN A.WHEELER نے ان مواقع کو سیاہ شگاف کا نام دیا۔

مادہ کے نقطۂ نظر سے یہ نکتے ثقلی جھٹکے یا انہدام کے علاقے ہیں۔ ہر شے ان کی نزدیکی میں فنا ہو کر غائب ہو جاتی ہے۔ آئن اسٹائن کے پیروکاروں میں سے اوپن ہائمر OPPENHEIMER سنائڈر SNYDER نے ان کی سائنسی توجیہات کی ہیں اور ان نکتوں کو کائنات میں توازن کے علاقے کہا ہے۔

ایک ستارے کا توازن ایک طرف تو نیوکلائی رد عمل کی وجہ سے پھیلاؤ اور دوسری طرف شدید ثقل کی موجودگی سے قائم ہوتا ہے۔ کائنات میں اربوں کھربوں کی تعداد میں ستاروں کا توازن ایک ناقابل یقین کمپیوٹری نظام پر قائم ہے۔ ایک نظریہ کے مطابق نیوکلائی رد عمل بھی کئی ثریاؤں یعنی ستاروں کے جھرمٹوں کے لئے بیج SEED کا کام دیتا ہے۔

آیئے اب ہم دوبارہ سورۃ واقعہ کی آیت نمبر 75 کی طرف آئیں۔

"بس نہیں۔ قسم ہے ستاروں کے مواقع کی اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اپنے پیارے نبی کریمؐ کے اس ارشاد کی طرف بھی توجہ کرنا چاہئے جو آپ نے اس سورۃ کے متعلق کہا۔

"اپنے بچوں کو سورۃ واقعہ پڑھاؤ اور وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں۔"

کیا خدا کا یہ معجزہ اب صاف نظر نہیں آتا؟ اس سورۃ کو پڑھیں اور نتیجتاً اس آیت کو ایک نسل سے دوسری نسل کو پڑھائیں۔ آخر میں یہ انتہائی اہم کائناتی راز بے نقاب ہو جائے گا۔

اس سورۃ مبارکہ کا نام ہی اس آیت کی تشریح میں خدائی طور پر اثر انداز ہے ہم نے اوپر اس آیت کو کائناتی طبیعیات کے نقطہ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

کائنات میں مخلوقات کے ہجوم کھربوں ستاروں کے راز انسانی ذہن کے لئے بعید از قیاس نہیں۔ مگر قرآن کریم میں ان کے حجم اور ساخت کو بعض اوقات تفصیلاً" اور بعض اوقات سرسری طور سے بیان کیا گیا ہے صرف ایک ہی سوال ہے اور ایک ہی راز کہ قرآن کی طرف دل کی آنکھ کھلی رکھی جائے۔ مثال کے طور پر ہو سکتا ہے ہم دیکھیں تو ایک بیدار دل مومن اس آیت مبارکہ کے پڑھے جانے پر آنسو بہا رہا ہے اگرچہ وہ عربی بھی نہیں جانتا۔ اور نہ ہی اس نے طبیعیات پڑھی ہے۔ وہ اپنی حالت سے خود بھی غافل ہو سکتا ہے۔ مگر دل کی آنکھ کو ایک راز بتا دیا گیا ہے جو اس کے خالص اور پاکباز ہونے کی وجہ سے ہے۔

موضوع نمبر 3

قرآن میں نوبل انعام یافتہ نظریہ کا مقام

NOBLE PRIZE WINNING THEORY'S PLACE IN QURAN.

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ــــ یٰسٓ ۳۶

ترجمہ : پاک (عظیم) ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔ یٰسین (36)

GLORY TO GOD EXALTED BEYOND ALL, WHO CREATED IN PAIRS ALL THINGS THAT EARTH PRODUCES, AS WELL AS THEIR OWN SELVES, AND MANY OTHER THINGS OF WHICH YOU KNOW NOTHING (CHAPTER 36 V.36)

اس آیت کریمہ میں پنہاں پیغام کو سمجھنے کے لئے ہمیں اس کے متن کو بار بار پڑھنا چاہئے۔

(الف) اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کے راز بیان کرنے کے بعد اعلان کیا کہ مخلوق جوڑوں میں موجود ہے۔ اللہ خود کسی جوڑے یا برابری سے بالاتر ہے یہ پاک آیت جو اس طرح سے شروع کی گئی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ مخلوق کی جوڑوں میں موجودگی کے اندرونی معانی آشکار کئے جائیں۔

جوڑوں کی موجودگی بیک وقت مخالف اور ساتھ ہی مشابہت ظاہر کرتی ہے۔ اس کی سب سے عیاں مثال مذکر اور مونث کی موجودگی ہے۔ سائنسی تعریف کے نقطہ نظر سے جوڑوں کی تخلیق مشابہاتی مخالف SIMILAR OPPOSITES کے معنی رکھتی ہے گرمی اور سردی کا بھی ایک جوڑا ہے دو چیزیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہونے کے باوجود بھی اپنی خاصیت اور اثر کے لحاظ سے ایک دوسرے کی مخالف ہو سکتی ہیں۔

(ب) اس آیت کریمہ کا سب سے دلچسپ پہلو وہ ہے جہاں یہ جوڑوں کی مثال پیش کرتی ہے، یہ کہتے ہوئے کہ "ہم نے مخلوق کو جوڑں میں پیدا کیا۔" اللہ تعالیٰ نے تین مثالیں دی ہیں۔

1- جوڑے۔ زوجین جو زمین نے پیدا کئے۔

2- مخلوق کے خود اپنے جوڑے۔

3- بہت سے دوسرے خلق کردہ جوڑے جن کا ہمیں علم نہیں ہے۔

آیئے اب اس آیت کے راز کو جاننے کے لئے یہ دیکھیں کہ سائنس نے اس سلسلے میں کیا کیا نئی دریافتیں کی ہیں۔

ماہر طبیعیات اینڈرسن ANDERSON کی مثبتہ یا مثبت الیکٹرون POSITRON کی دریافت اس سلسلے میں ایک نشان راہ اور اہم موڑ ہے۔ ساتھ ہی یہ مورلیس ڈیراک MAURICE DIRAC تھا جس نے تخلیق کے جوڑوں میں ہونے کا پہلے پہل تصور باندھا تھا۔ یہ تصور طبیعیات (فزکس) میں بنیادی اصول ہے۔ کائنات میں ہر ذرے کا ایک برق بار CHARGE اور چکر SPIN ہوتا ہے جب ایک جوہر بنتا ہے تو اس کا مخالف جڑواں OPPOSITE TWIN بھی بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ چیز جوڑوں میں بنتی ہے ان میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں۔

The Positron, antiparticle of electron.

The Antiproton, antiparticle of proton.

The Antineutron, antiparticle of neutron.

The Antineutrino, antiparticle of neutrino.

نیوکلائی طبیعیات کے بنیادی اصولوں میں سے چنانچہ یہ بھی ایک اصول ہے کہ ہر جوہر یا ذرے کا ایک مخالف جڑواں بھی موجود ہوتا ہے۔ اس موضوع پر کچھ دیر بعد تفصیلاً گفتگو ہوگی۔

چنانچہ آیت نمبر 36 کے ذریعے چودہ صدیاں قبل تخلیق کے بنیادی قانون کی تعلیم دی گئی ہے جب یہ کہا گیا کہ "ہم نے بہت سے نامعلوم جوڑے پیدا کئے ہیں۔"

اب آیت کریمہ کی مجموعی تشریح کرتے ہیں آیت کی ابتداء میں یہ کہنا کہ پاک (عظیم) ہے اللہ کی ذات اس امر کی اہمیت کو ظاہر کرنا ہے کہ صرف اللہ ہی بغیر کسی جوڑے یا مثل کے ہے۔ ہماری مشکل اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم اللہ کا بغیر کسی مثل کے تصور کرتے ہیں۔ ہماری ہر چیز کو اس کی مشابہت یا تمثیل سے یا اس کے مخالف کے توسط سے جاننے کی عادت راسخ ہو چکی ہے مگر ہر چیز جس کا کوئی مخالف یا مثل ہے، اس کی ایک حد ہے۔ اور وہ فنا پذیر ہے جبکہ دوسری طرف اللہ اس سے پاک (عظیم) ہے۔ وہ کسی مثال کے بغیر ہے۔ جب کہ اس نے ہی تمام چیزوں کو جوڑوں میں پیدا کیا ہے۔

1- وہ جو زمین پیدا کرتی ہے

بعض علماء نے آیت کے اس حصہ کو صرف نباتات کے سلسلے میں ہی سمجھا ہے مگر یہ تشریح ناکافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو یہ نہ کہتا کہ "تمام چیزیں جو زمین پیدا کرتی ہے۔" بلکہ صرف نباتات ہی ذکر ہوتا۔ اس طرح یہ آیت دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ نباتات کے جوڑوں کی موجودگی کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ بلکہ آیت کا پہلا حصہ اس کے تیسرے حصہ کی تعریف بھی مہیا کرتا ہے۔ اگر کوئی اس فقرے کی تشریح کہ "ہم نے اور بہت سے جوڑے پیدا کیئے جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔" اس طرح کرے کہ یہ صرف برق یا زمینی مقناطیسیت کے متعلق ہے تو وہ غلطی پر ہوگا کیونکہ اس کا جوڑا زمین نے پیدا کیا ہے۔ زمین کے پیدا کردہ جوڑے ذیل میں دیئے جاسکتے ہیں۔

(الف) ایک جیسے SIMILAR جوڑے جو اپنی مادی اور کیمیائی خصوصیات میں مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً دھاتیں اور غیر دھاتیں۔

(ب) حیاتیاتی BIOLOGICALLY طور پر مخالف جوڑے مثلاً پودوں اور جانوروں کے نر اور مادہ۔

(ج) مادی طور پر مخالف جوڑے مثلاً مثبت اور منفی برق پاروں یا جواہر کا گروہ (IONS) اور اس طرح برقی چارج کا الٹ ہونا (POLARITY) وغیرہ۔

(د) زمین میں زندگی کے تانے بانے پر اثر انداز ہونے والا تجزیہ ANALYSIS اور عناصر کا اکٹھے ہونا SYNTHESIS جیسے پودوں میں جراثیم (BECTERIA) کی مدد سے روح پھونکنا جو نائٹروجن کو بھی ترتیب دیتا ہے۔ جراثیم کی وہ خاصیت جس سے نامیاتی (ORGANIC) چیزوں کو توڑنا اور تباہ کرنا ہے جس سے سڑنے اور زائل ہونے کا عمل پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح کی دوسری مثالیں جیسے مقناطیسی مخالف جوڑے۔ جیسے مقناطیسی قطبین یعنی شمالی اور جنوبی قطبین وغیرہ۔

2- اپنے ہی جوڑے PAIRS OF THEIRSELVES

"ہم نے ان کے اپنے جوڑے پیدا کیئے۔" یعنی مخالف جڑواں جوڑے۔

آیت کے اس حصہ کے مختلف معانی کیئے جاسکتے ہیں۔ جیسے :

(الف) مرد اور عورت کے مخالف جوڑے

(ب) امدادی شخصی خصوصیات، مثلاً ظالم / ہمدرد، بہادر / بزدل، سخی / کنجوس وغیرہ۔

(ج) خصوصیات جو مشابہت رکھتی ہیں لیکن مخالف اخلاقی فیصلہ VALUE JUDGEMENT کی حامل ہوتی ہیں۔ جیسے وحشی پنا/ بہادری' منافقت/ لحاظ' حلم یا نرمی/ سادہ لوحی وغیرہ۔ ان میں سے چند الفاظ کا ترجمہ اور تشریح بے حد مشکل ہے۔ بہرطور کسی حد تک معانی اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

جوڑے جو ہم نہیں جانتے

قانون مماثلت LAW OF PARITY مادہ اور توانائی کے نظریات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس طرح سے کہ قدریہ یا کوانٹا QUANTA اور وہ نظام جو اس سے بنتے ہیں اپنے آپ کو مخالف جوڑوں میں ظاہر کرتے ہیں۔ نظریہ کوانٹم کے مطابق توانائی واضح اکائیوں میں ہوتی ہے جو مکمل عددوں میں ہو سکتی ہیں۔

(الف) توانائی کے اخراج اور تحلیل یا جذب ہونے کے عمل کو علم طبیعیات اور کائناتی طبیعیات نے جدید دور میں تسلیم کر لیا ہے پھر بھی ہمیں اس عمل کے رازوں کو ابھی مزید سمجھنے کی ضرورت ہے۔ البتہ اب ہم ان سیاہ شگافوں کو جاننے لگ گئے ہیں' جہاں توانائی خرچ ہو کر فنا ہو جاتی ہے اور تاروں کے ان جھرمٹوں کو بھی سمجھنا شروع کر دیا گیا ہے' جو ناقابل یقین حد تک توانائی کو مرکوز کرتے ہیں۔ یہ دو خطے ایسے ہیں جو خود جڑواں صورت میں ہیں۔ مگر ایک دوسرے کے سلسلے میں مکمل طور پر مخالف اثر اندازی کی خصوصیت رکھتے ہیں۔

(ب) کشش اور دور ہٹانے والی قوتیں۔ خاص طور پر کشش ثقل کی قوتیں' مرکز گزیدہ قوتوں کی وجہ سے متوازن ہو جاتی ہیں۔ اگر ان دو قوتوں میں یہ مخالفت موجود نہ ہوتی تو یا تو تمام ستارے اپنے اپنے سورجوں میں گر جاتے یا اور بیرونی کرے میں گم ہو جاتے۔

کائنات میں کشش ثقل اور گردشی حرکت نے ناقابل یقین توازن قائم رکھا ہے یہ اعجوبہ مزید حیران کن بن جاتا ہے جب ہم اسے اپنی زمین اور کائنات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ زمین کے ساتھ شمسی نظام بنانے کے علاوہ ہمارے ہمسائے سیارے بھی اس قسم کا گردشی توازن اپنے اپنے سیٹلائیٹ (اقمار) کے ساتھ قائم رکھتے ہیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے نظام سورج کے گرد چکر کا ایک اور نظام ترتیب دیتے ہیں۔ اس طرح نو عدد سیٹلائیٹ (اقمار) اور پھر ان کے متعدد اقمار سورج کے گرد مختلف محوروں میں گردش کرتے ہیں۔ اس طرح یہ کائناتی اجسام سورج میں گر کر فنا ہونے سے بچے رہتے ہیں۔ دوسری طرف سورج ان اجسام کو ان کے محور میں توازن مہیا کرتا ہے تاکہ وہ فضائے بسیط SPACE میں گم نہ ہو جائیں۔ اسی پر ہی بات ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ ایک مزید گردش کا نظام بھی ہے جس میں ستاروں کی کہکشاں

MILKY WAY GALAXY جس میں ہماری زمین بھی شامل ہے' ہمارے سورج سمیت ایک اور محور پر گردش کررہی ہے۔ ہر گردش کا سفر پچیس کروڑ سالوں میں پورا ہوتا ہے۔

اس طرح ہم نے قرآنی معجزات کے رازوں سے جوڑوں کی ایسی مثالیں ڈھونڈ نکالی ہیں جو ابھی کل تک ہم نہیں جانتے تھے۔

ہماری کہکشاں خود مزید کہکشاؤں کے مرکز کے گرد ایک عظیم سفر پر رواں دواں ہے۔ چنانچہ ہماری زمین کشش اور دور ہٹانے والی جڑواں قوتوں کے درمیان توازن قائم رکھنے کی کوشش میں چار مختلف محوروں پر گھومتے ہوئے چار مختلف سفروں پر رواں دواں ہے جس کا شمار اربوں سالوں پر محیط ہے۔

موضوع نمبر 4

قرآن تیل کے متعلق پیش گوئی کرتا ہے

وَالَّذِیٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ﴿۵﴾

الاعلیٰ''

ترجمہ : جس (اللہ) نے نباتات اگائیں اور پھر ان کو سیاہ کوڑا (سیلاب) میں تبدیل کر دیا۔

"(YOUR LORD) WHO BROUGHT FORTH THE PASTURAGE THEN TURNED IT INTO A BLACK "GUSSA" (FLOOD WATER)"

ان آیات کو پڑھنے پر ایک شخص جو علم ارضیات GEOLOGY کا علم رکھتا ہے سمجھ جائے گا کہ یہ فقرہ تیل کو بیان کر رہا ہے۔ یقیناً "اہم بات یہ ہے کہ یہ علم قرآن میں چودہ صدیاں قبل بیان کر دیا گیا تھا۔

ان آیات کو بار بار پڑھنا چاہئے اور علم ارضیات کو جو چاہے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو ذہن میں لے آئیں۔ جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ کرہ ارض ابتدا میں نباتات' دیو ہیکل درختوں اونچے گھاس کے میدانوں اور جنگلوں پر مشتمل تھی۔ یہ عظیم جنگلات کرہ ارض پر زندگی کی نشانیوں میں سے تھے۔ بعد میں عظیم ارضیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے یہ عظیم جنگلات زیر زمین چلے گئے اور ایک مخصوص کیمیائی عمل کی وجہ سے تیل کی صورت اختیار کر گئے۔ اس کی تفصیل ابھی بیان کی جائے گی۔

سورۃ الاعلیٰ ہمارے پیارے نبی کریمؐ کی انتہائی پسندیدہ سورتوں میں سے ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے آخری نماز میں اسی سورۃ کی تلاوت فرمائی تھی۔ سورۃ الاعلیٰ کائنات کی ابتدا کی صاف انداز میں تشریح پہلی پانچ آیات میں کرتی ہے جو اس طرح سے ہے۔

"تمہارا رب جس نے پیدا کیا (اور) جس نے تناسب قائم کیا اور جس نے راستہ دکھایا۔" (آیات 2-3)

یہ آیات کائنات کی تخلیق کے لئے بنیادی قوانین ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ہمارے موضوع کے متعلق آیات ان آیات کے فوراً بعد آتی ہیں۔ اس طرح زمین پر زندگی کے پہلے دور کو بیان کیا جا رہا ہے۔

عظیم نباتات اور عظیم جنگلات اس قدر تھے کہ اگر یہ کرہ ارض پر موجود رہتے تو فضا میں آکسیجن اس قدر بے قابو ہو کر بڑھ جاتی کہ کسی موقع پر سب کچھ جل اٹھتا۔

آیت نمبر 3 میں پہلے سے مقرر کردہ مقدار اور تناسب کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے تحت یہ عظیم جنگلات

اور دیوہیکل نباتات زیر زمین اس وقت دفن کر دیئے گئے جب ان کا کام مکمل ہو گیا۔ یہ ایک غثا یعنی تیل میں تبدیل ہو گئے۔ جو عظیم ارضیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے ممکن ہوا۔ اس طرح جن مضامین پر کتب کی کتب لکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے عمل کو ان مختصر آیات میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اب میں مختصراً" ان چند تفصیلات کا ذکر کروں گا جو زمین کے ارضیاتی زمانوں GEOLOGICAL PERIODS کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اس دوران میں' میں ان ملحد' دہریے لوگوں کی بدحواسی اور تاریکی کا بھی ذکر کروں گا جو پراگندگی پھیلاتے ہیں۔

علم ارضیات کے نقطہ سے اس وقت تک پانچ ارب سال گزر چکے ہیں جب زمین کی اصل حالت ایک آگ کے گولے کی طرح تھی۔ یہ وقت چار مستند حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان کی مزید تقسیم بہت سے مدتوں یا وقفوں میں کی جاتی ہے۔ زمین کی اوپری سطح کے جم جانے کا زمانہ ان چار حصوں سے الگ ہے۔ یہ دور ساڑھے چار ارب سال تک قائم رہا۔

پہلا دور تقریباً نصف ارب سال پر مشتمل ہے عمومی طور پر یہ دور عظیم الجثہ جھاڑیوں اور جنگلات کا زمانہ تھا۔ پٹرولیم بھی اس دور میں تشکیل پذیر ہوا۔ اس پر عمومی اتفاق ہے کہ دوسرا دور سترہ (17) کروڑ سالوں پر محیط ہے۔ تیسرا دور ساڑھے چھ کروڑ سالوں پر مشتمل ہے چوتھا دور زمین کی موجودہ شکل ہے پچیس (25) لاکھ سالوں پر مشتمل ہے اس سلسلے میں بہت سے طریقے استعمال کئے گئے ہیں جن میں درج ذیل میں بیان کروں گا۔

تیل عام طور پر پانی یا سمندر کے کناروں پر پیدا ہونے والے عظیم نباتات کے گلنے سڑنے کے عمل سے بنا جو چٹانوں کے سلسلوں میں پھنس کر رہ گئے اور جو مختلف قسم کے جراثیم BACTERIA کے عمل سے ہوا' تیل کی تشکیل اور جمع ہونے سے متعلق بہت سے نظریات ہیں اگرچہ ان میں سے حتمی طور پر کوئی ایک نظریہ ثابت نہیں ہو سکا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ سمندر کے اندر کی نباتات بھی اس سلسلے میں اہم ثابت ہوئیں۔ یہ نظریہ بھی اس آیت کریمہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ مگر بعد کے نظریات زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے مطابق تیل کی تشکیل سمندری نباتات اور ساحلی جنگلوں کے گلنے سڑنے سے ہوئی پھر یہ ارضیاتی تہوں میں اکٹھا ہو کر دریاؤں کی طرح بہنے لگا۔ اسی طرح تیل کی زیر زمین جھیلیں بھی بن گئیں۔ ان کی تہوں میں بعض اوقات چھوٹے سمندری جانوروں کے ڈھانچے یا حصے بھی ملے ہیں۔

آیئے اب دوبارہ آیت کریمہ کو پڑھیں۔

"اور ان کو سیاہ (کوڑے والے) سیلاب میں تبدیل کر دیا۔"

ہاں! عزیز دوستو! یہ صرف ہمارے ہی دور میں حتمی طور پر ثابت ہوا کہ تیل جو کہ سیاہ سیال ہے' زیر زمین سیاہ دریاؤں کی صورت میں بہتا ہے۔ آیت کریمہ میں سیلاب کھلے طور پر تیل کے بہاؤ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس بہاؤ کو پیٹرولیم کی صنعت میں تیل کی ہجرت OIL MIGRATION کہا جاتا ہے جس کی طرف قرآن نے چودہ صدیاں قبل اشارہ کردیا تھا۔

اگرچہ اس موقع پر ہم پوری سورۃ الاعلیٰ پر مزید بات نہیں کر رہے لیکن میں اپنے قاری سے درخواست کروں گا کہ وہ اس پوری سورۃ کو بار بار انتہائی دھیان سے پڑھیں۔ اس طرح قاری کو خود بھی تیل کے متعلق اپنا نظریہ قائم کرنے میں مدد ملے گی۔ اگر دنیا میں اور خاص طور پر مسلمان ممالک میں تیل نہ ہوتا تو مسلمانوں کی کیا حالت ہوتی؟

میں اب زمین کی تشکیل کے متعلق چند نزاعی تاویلوں پر بات کروں گا۔

ہماری زمین کی عمر کے متعلق بہت سے نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔ درحقیقت اوپر میں نے خود بھی ارضیاتی زمانوں کا ذکر کیا ہے ان زمانوں کی تاریخ ابھی تک بنیادی طور پر قیاسات پر مبنی ہے۔ اگرچہ ان میں سے چند پر سنجیدہ سائنسی تحقیقات بھی کی گئی ہیں۔ مگر دوسری قیاس آرائیاں محض غیر سنجیدہ ہیں۔ جن کی بنیاد ہی پکے ملحدوں کی شرارت ہے۔

زمینی عمر معلوم کرنے کے لئے کئی طریقے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو اس وقت کی نشاندہی کرتا ہے جو چٹانوں کی کیمیائی تشکیل میں لگتا ہے۔ یہ خاصے قرین قیاس طریقے ہیں۔

دوسرا طریقہ RADIO CARBON DATING یعنی کاربن کے ریڈیو آئیسوٹوپ کی مقدار کی پیمائش سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر دونوں طریقوں کو سامنے رکھیں تو علم طبیعیات PHYSICS کی رو سے دوسرا طریقہ زیادہ صحیح نشاندہی کرتا ہے۔ اگرچہ اس طریقے کے استعمال میں بہت سی مشکلات بھی ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات نتائج غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر جب وقت کا تعین پچاس ہزار سالوں سے زیادہ ہو۔ اس سلسلے میں علم طبیعیات سے زیادہ تعصب کارفرما ہو جاتا ہے۔

اس طریقہ کی بنیاد مادہ کی تابکاری سے سڑاند ہے۔ اس کو نصف زندگی HALF LIFE بھی کہا جاتا ہے۔ کسی زیر زمین واقع کی عمر یا وقت معلوم کرنے کے لئے اس کی نسبت ایسے معلوم ہوتی ہے جو تابکاری کی اس سطح سے معلوم ہوتی ہے جو اس مقام پر بچ رہتی ہے۔

تابکاری کاربن کی نصف عمر 5570 سال ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کاربن منفی چودہ (14-) جو بائیس ہزار سالوں میں بچ رہتا ہے اس کی مقدار اپنی اصل مقدار کا چھ فیصد رہ جاتی ہے جبکہ حسابی نسبت' RATIO

تریسٹھ ہزار سالوں میں ایک ہزار میں چار کی نسبت سے باقی رہ جاتی ہے۔ جب کوئی کروڑوں سالوں کا حساب لگا رہا ہو تو نمونہ میں ایک چھوٹی سی غلطی یا فرق لاکھوں سالوں کا فرق ڈال دیتی ہے۔ یہ اسی کی وجہ سے ہے کہ پرانا کیمیائی طریقہ ابھی تک پسندیدہ سمجھا جاتا ہے جہاں ارضی زمانوں کا شمار کرنا ہو۔

ارضیاتی زمانوں کو ناپنے کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن میں ان من گھڑت کہانیوں کا ذکر کرنا چاہوں گا جو انسانی ارتقاء سے متعلق پھیلائی گئی ہیں۔ مادہ پرست لوگوں نے یہ کہانیاں اوپر بیان کردہ سائنسی طریق کے برعکس گھڑی ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ان تمام من گھڑت نظریوں کو بے نقاب کریں جو سائنس کے نام پر پھیلائے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر زمین پر انسان کے ظہور کو دس لاکھ سے پہلے بتایا جارہا ہے جس کی کوئی سند نہیں ہے۔ جبکہ سمجھ دار سائنس دان انسان کا زمین پر ظہور دس ہزار سے پچاس ہزار سال بتاتے ہیں۔ مگر ملحد لوگ اس ظہور کو اس سے بہت قبل بتاتے ہیں اس کی مثال وہ سائنسی جھوٹ ہے جسے پلٹ ڈاون مین PILT DOWN MAN کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

1912ء میں انگلینڈ کے مشہور زمانہ برٹش میوزیم میں ایک انسانی کھوپڑی کی نمائش کی گئی تھی۔ جس کے نیچے لکھا تھا PILT DOWN MAN اس تختی پر یہ بھی لکھا گیا تھا کہ یہ انسان سے ملتی جلتی مخلوق کی کھوپڑی ہے جو پانچ لاکھ سال قبل زندہ تھا اور یہ مخلوق موجودہ انسان کی جد امجد تھی۔ پورے چالیس سال اس کھوپڑی پر بحث ہوتی رہی۔ اور کانفرنسیں منعقد کی گئیں اور اس پر کتابیں لکھی گئیں۔ یہ ملحد لوگوں کے لئے ایک قیمتی سرمایہ بن گیا۔ لیکن جب ناپنے کا ریڈیو کاربن طریقہ ایجاد ہوا تو یہ انکشاف ہوا کہ یہ کھوپڑی دراصل ایک انسان کی تھی جبکہ اس کا جبڑا ایک بندر APE کا تھا۔ انسان کا کاسہ سر ایک سو پچاس سال پرانا تھا جبکہ بندر کے جبڑے کی عمر محض ساٹھ سال تھی۔ یہ دراصل ایک اعلیٰ درجے کا سائنسی اسکینڈل تھا۔ چنانچہ کھوپڑی کو فوراً اس دریچے سے ہٹالیا گیا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس بنیاد پر جو ڈپلومے دیئے گئے یا کتابیں لکھی گئیں تھیں ان کو جھوٹا نہ کہا گیا۔ ان میں سے بہت سے لوگ یا ان کے پیروکار آج بھی افریقہ میں کھوپڑیوں پر من گھڑت کہانیاں بنانے میں مصروف ہیں۔

آخر میں، میں وقت کے متعلق اس موقع پر چند حقائق پر بحث کرنا چاہوں گا۔ ماضی میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وقت صرف گھڑیوں اور کیلنڈروں سے عیاں ہوتا ہے۔ مگر اب دو عظیم سائینسدانوں نے اس سلسلے میں صاف صاف طبیعیاتی نظریئے دیئے ہیں، پروفیسر نکولائی کو زیرو وقت کو منجمد توانائی FROZEN ENERGY کہتا ہے۔ کائنات میں وقت کے گزرنے کی رفتار مختلف جگہوں پر مختلف ہے۔ یہ حرکت کرتے ہوئے چیزوں کی نسبت سے مختلف ہے یہ حقیقت کائناتی شعاؤں کے تحلیل (DECAY) ہونے کے عمل سے ثابت ہوئی یعنی

یہ معلوم کرکے کہ انہوں نے کتنا فاصلہ طے کیا ہے۔ اس طرح اگرچہ ارضیاتی تخمینے صحیح بھی ہوں تو ایک اہم سوال بغیر جواب کے رہ جاتا ہے کہ کیا وقت پرانے زمانوں میں بھی اسی رفتار سے گزر رہا تھا۔ جن کی میعاد یا قیام کا بیان لاکھوں، اربوں سالوں میں کیا جاتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس میں بے حد شکوک ہیں۔ یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وقت کی رفتار اس وقت ان زمانوں میں بہت زیادہ تھی۔ اگر اس سلسلے میں وقت کی رفتار پر نظر رکھی جائے تو شاید جس کو ہم پانچ ارب سال کہتے ہیں وہ درحقیقت بیس لاکھ سال ہی ہوں یا اس سے بھی کم۔ میں قرآن کی معجزاتی آیات کی تشریح کے وقت کسی اور مقام پر تفصیلی بحث کروں گا۔

جب سائنسی چیزوں کا مطالعہ کیا جارہا ہو تو سوچ اور تجربے کو فضا اور وقت کے مخصوص پس منظر میں پرکھنا چاہئے۔ ملحد ریسرچ کرنے والے عام طور پر ایک قائم شدہ سائنسی نتیجہ کو لے کر ماضی میں اربوں سالوں پر پھیلا دیتے ہیں اور اس طرح بے ہودہ اور غلط نتائج پیش کرتے ہیں۔ یہ غلطی اکثر فضا اور کائنات کے متعلق دہرائی جاتی ہے مثال کے طور پر ایک ستارے کی روشنی کے متعلق بہت سی کہانیاں گھڑی جاتی ہیں جو اربوں اور کھربوں کلومیٹر سے آرہی ہیں۔ جبکہ حقیقتاً کائنات میں دیگر بہت سے واقعات اور حالات بھی ہو سکتے ہیں۔ درحقیقت یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ایک ستارہ جو لاکھوں سال قبل تباہ چکا ہے اس کی روشنی اب ہم تک پہنچ رہی ہوتی ہے۔

اس طرح دنیا کی پیدائش کے متعلق تخمینے کبھی بھی اٹکل پچو یا خیال سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ نتیجتاً ان کو نظریات یا دعویٰ نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں وقت کے بڑے بڑے زمانے ملوث ہوں لیکن ہم کسی مخصوص نظریہ کی بنیاد پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان زمانوں میں وقت کس رفتار سے گزرا۔ میں قاری کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ وقت کے نقطہ نظر سے جو زمین اور کائنات کی تشکیل میں لگا قرآن کو کسی صورت بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ وہ وقت جو زمین کی ابتدائی تخلیق اور وہ وقت جس میں زمین اپنی موجودہ صورت کو پہنچی دو مختلف چیزیں ہیں۔ ان کا تقابلی جائزہ آئندہ آیات میں کیا جائے گا۔

موضوع نمبر 5

بارش کے رموز

MYSTERIES OF RAIN

وَالَّذِی نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ ــــ الزخرف ۴۳

ترجمہ :- جس (اللہ) نے ایک خاص مقدار میں آسمان سے پانی اتارا۔ اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو جلا اٹھایا۔ اسی طرح تم بھی بر آمد کئے جاؤ گے۔ 11 الزخرف 43

(HE) SENDS DOWN FROM THE SKY WATER IN DUE MEASURES. WE REVIVE THEREWITH A LAND THAT WAS DEAD; EVEN SO SHALL YOU BE BROUGHT FORTH. (CHAPTER 43 V.11)

یہ آیت کرہ باد کی طبیعیات کے نکتہ نظر سے بے حد اہم ہے۔ پچاس سال قبل رہنے والا شخص اس آیت میں کوئی غیر معمولی بات نہ دیکھ سکتا۔

انیسویں صدی کے مادہ پرستوں کے لئے بارش تو پانی کے قطروں کا اچانک گرنا تھا وہ بارش کے لئے دعا مانگنے والوں کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ وہ بارش بغیر تاخیر کے پیدا کر سکتے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ بارش کا لانا آسان کام نہیں ہے چونکہ ملحد لوگوں کے خیالات پر جرح نہیں ہوتی تھی مندرجہ ذیل سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا جاتا تھا۔

(1) پانی کے قطرے جن کو گیس والا پانی تصور کیا جاتا تھا کس طرح اپنی اصلی حالت میں ایسی جگہوں پر جیسے سائبیریا کی فضا میں جہاں درجہ حرارت نقطہ انجماد سے چالیس ڈگری نیچے تک قائم رہ سکتا تھا؟ یہ ایک برف کی سل بن کر ان لوگوں کے سر پر کیوں نہ گر گیا جو اس قسم کے جھوٹے دعوے کرتے تھے۔

(2) بارش کے قطرے نے ایک خاص سائز کا روپ دھار لیا۔ یہ قطرہ کس توازن سے زمین پر اترا؟ ایسی کون سی بنیادی وجہ تھی جس سے یہ آرام دہ اور دل خوش کن بارش کے قطرے میں تبدیل ہو گیا؟

(3) ایک بادل کس طرح اڑ جاتا ہے؟ کس طرح اور کہاں بادلوں میں نمک بھی شامل ہو جاتا ہے جبکہ پانی کے ابال کے نکتہ پر بھی یہ نمک پانی میں شامل ہو کر اڑ نہیں سکتا۔

صرف گذشتہ بیس سالوں میں عقلی طور، اگرچہ صرف کسی حد تک، ان حیران کن سوالات کے جواب حاصل کئے جاسکے ہیں۔ آیئے اب پھر اس آیت کریمہ کو پڑھ کر متعلقہ باتوں کے اظہار کی طرف دیکھیں۔

(الف) اللہ نے بارش کو اس مادی حقیقت سے تشبیہ دی ہے کہ جیسا مردے کو دوبارہ زندہ کرنا۔ اسی وجہ سے اس کا ارشاد ہے کہ "انسانوں کو بھی اسی طرح زمین سے نکالا جائے گا جیسا کہ آسمان سے پانی ایک خاص مقدار میں اتارا جاتا ہے۔"

(ب) بارش کے ضمن میں قرآن نے احتیاط سے متناسب مقدار میں پانی کے اترنے کا ذکر کیا ہے اور لفظ "بقدر" استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ ایک مخصوص سوچی سمجھی پیائش کو علم حساب کے نظم سے تعبیر کرتا ہے۔

(ج) قرآن کے مطابق "بارش مردہ زمین میں زندگی ڈالتی ہے۔" یہ بیان جو کہ آیت کا مرکزی نقطہ ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اسی لئے یہ فرمایا کہ ہم مردہ زمین کو زندگی دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ اس سے پودے اگاتے ہیں۔ اس فرمان کے اندرونی معانی ہم تھوڑی دیر میں بیان کریں گے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ اجتماعی طور پر ایسے رازوں کی حامل ہے جو کہ سائنس کی دنیا میں عظیم پیمانے پر عجوبے کا درجہ رکھتی ہے۔

آیئے اب بارش کے معجزہ کو سائنسی نظر سے دیکھیں سب سے جدید سائنسی تحقیقات نے پانی، بادل اور بارش کے متعلق ان بہت سے حقائق پر روشنی ڈالی ہے، جو اس سے قبل نامعلوم تھے۔ یہ نتائج ایک طرح سے اس آیت کی معجزاتی تعبیر ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(1) ایک تحقیق میں امریکہ کے ونسٹن جے شیفر (SCHAFER) نے بتایا ہے کہ پانی کے قطرے جب وہ بہت چھوٹے اور خالص ہوں تو منفی چالیس ڈگری تک نہیں جمتے۔ اگر پانی ناخالص اور بڑی مقدار میں ہو تو وہ صفر ڈگری سینٹی گریڈ پر جم جاتا ہے۔

بادل ایک خاص مادی ساخت ہے جو بھاپ سے بنتا ہے لیکن جو فوراً ہی پانی کے باریک قطروں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لئے عام پانی سے مختلف ہوتا ہے۔ فضائی بادل جمتے نہیں اور نہ ہی منفی سینٹی گریڈ (نقطہ انجماد سے نیچے) زمین پر گرتے ہیں۔

(2) پانی کے باریک قطرے نمک یا کائناتی دھول کے گرد اکٹھا ہو کر بادل بنتے ہیں یہ اکٹھے ہو کر بارش بناتے ہیں نہ صرف یہ کہ ابھی تک کائناتی دھول (COSMIC DUST) کی اصل بنیاد کا علم حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ دھول کے ذرے کس طرح بادل میں قیام پذیر ہو جاتے ہیں۔ بہرحال یہ معلوم ہے کہ سمندر میں نمکین پانی، بخارات کے عمل میں شامل ہو کر نمک کے قطرے بھاپ میں بھی شامل کر دیتا ہے۔

(3) بادل کی تشکیل میں اندازاً ایک مکعب سینٹی میٹر میں پانی کے باریک قطرے ایک ارب کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ بارش کے قطرے بادل میں 50 سے 500 فی مکعب سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔ یہ بے حد غور و فکر کی بات ہے 1950ء تک برگرین فنڈیسن (FINDEISEN) کا بارش کے قطروں پر نظریہ ہی اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مطابق پانی کے باریک قطرے پہلے ایک تکثیفی مرکز CONDENSATION NUCLEI بناتے ہیں۔ پھر بارش کے قطرے اس سے مربوط ہو جاتے ہیں۔

(4) موجودہ دور کی تحقیقات کے مطابق وقت کے تناسب میں بادل کے قطرے مختلف حالات کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پانی کا ایک قطرہ نودی حالت NUCLEAR STATE بن کر صفر سے چالیس ڈگری کم کی حالت کو سہار سکتا ہے اور بارش کو ایک انتہائی پیچیدہ مساوات سے پیدا کرتا ہے جو یہ ہے :

$$r\,\frac{dr}{dt} : \frac{(S^{-1})\ \dfrac{2\,\gamma M}{P_{2L}RT_{r}}\ \dfrac{8.6\,M}{M_{1}R_{3}}}{\dfrac{L_{3}M_{P}L}{PRT_{2}}\ \dfrac{PLRT}{DMP\infty}}$$

(5) بارش کی پیدائش میں یہ چھوٹے ذرے پہلے تکثیفی مرکز کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ پھر پانی کے قطرے بڑا ہونا شروع ہوتے ہیں اور ان کی سطح اس وقت بڑھنا شروع ہو جاتی ہے جب وہ زمین کے نزدیک پہنچتے ہیں۔ اس بڑھنے کے عمل سے بارش کے قطرے پر ہوا کی رگڑ کے نتیجے میں اس رفتار پر رکاوٹ پڑ جاتی ہے۔ نتیجہ کے طور پر بارش ایک حلیم طریقے سے زمین پر پہنچتی ہے۔ یہ متوازن طریقہ اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔ زمین تک پہنچتے پہنچتے بارش کے قطرے کی رفتار اتنی کم ہو جاتی ہے جیسے پیراشوٹ PARACHUTE کا عمل ہوتا ہے۔ اس نزول اور توازن کی ریاضیاتی مساوات اس طرح ہے۔

$$\frac{dr}{dt} : \frac{EW}{4P_{4}}\,(V - v)$$

آیئے ان سائنسی حقائق کی روشنی میں اس آیت کریمہ کا پہلا حصہ دوبارہ پڑھیں۔

"وہ آسمان سے پانی ایک خاص مقدار میں اتارتا ہے۔"

یہ سب ظاہر کرتا ہے کہ بارش کا نزول ایک انتہائی نازک معاملہ ہے جس میں بہت سے حساب محلط

ہیں۔اگر اس کو آیت کریمہ کے آخری حصہ سے ملائیں تو یہ سائنسی معجزہ مردہ کو زندہ کرنے کی طرح اہمیت رکھتا ہے۔

آج کل کی فضائی طبیعیات ATMOSPHERIC PHYSICS نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے کہ بارش کا راز حیران کن معجزہ ہے۔اور بہت سی کتابیں صرف اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔جن کو ذوق ہو وہ اس سلسلے میں رابرٹ بائیرز کی کتاب ELEMENT OF CLOUD PHYSICS کا مطالعہ کریں۔

اب ہم آیت کے دوسرے فقرے "اس سے ہم مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔" کی طرف آتے ہیں۔

(الف) جب زمین خشک ہوتی ہے اس کے نیچے ایک مردہ سلطنت پوشیدہ ہوتی ہے۔دراصل زمین زندہ ہوتی ہے لیکن اس کی زندگی بارش کی وجہ سے جلا پاتی ہے۔اس معاملہ میں سائنس کیا کہتی ہے؟ زمینی مٹی کے ایک گرام میں کھربوں کی تعداد میں جراثیم ہوتے ہیں۔جب ایک لمبے عرصے تک بارش نہیں ہوتی تو جراثیم BACTERIA خوابیدہ یا بے حرکت ہوجاتے ہیں۔ یعنی وہ ایک غیر حیاتیاتی جینی کوڈ (GENETIC CODES) رکھتے ہیں یعنی یہ تمام بے انتہا چھوٹے (MICROBES) بارش پڑھنے پر زندہ ہوکر نائٹروجنی عمل NITROGEN FIXATION نائٹروجن فکسیشن کے عمل کی مدد سے ایک بڑی پیداواری مہم شروع کردیتے ہیں۔یہ عمل ہزاروں چھوٹے جسمیہ یعنی جاندار اشیاء جانور یا پودوں کی پیداوار کا موجب بنتے ہیں۔یہ ایسا ہے جیسے ایک زیر زمین مردہ شہر میں زندگی آجائے۔اس سے کھاد بنتی ہے اور بے شمار چھوٹے پودوں کے بیج زندہ ہوکر اٹھتے ہیں اور زمین میں اپنی جڑوں سے ایسے راستے کھولتے ہیں جیسے ایک شہر کی سڑکیں۔اس کے بعد چھوٹے کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں گھونسلوں کے لئے زمین کے اندر ایسی کھدائی کرتی ہیں جیسے ایک بڑے شہر میں ہو۔اس طرح "مردہ زمین" کے زندہ ہونے کا یہ عمل واقع ہوتا ہے۔

(ب) بارش۔کے زندگی دینے کا کیا راز ہے "بارش اس حیاتیاتی سلسلے کو کس طرح جلا بخشتی ہے؟ آیت کریمہ کا یہ حصہ بارش اور پانی کے زندگی کے ساتھ رشتے کو ظاہر کرتا ہے۔

زندہ چیزوں کے بنیادی کیمیائی اجزاء ہائیڈروجن کا ایک پل سا ہوتا ہے جس سے ایک عضوی زندگی قائم رہتی ہے جسے ہائیڈروجن بندھن (HYDROGEN BOND) بھی کہتے ہیں۔یہ ہائیڈروجن اکثر تبدیل ہوکر نئے بندھن بناتا ہے اور اس طرح قوت VITALITY کو بدلتا رہتا ہے یہ ہائیڈروجن کے متبادل صرف پانی کے بہاؤ یا روانیت سے پیدا شدہ ہائیڈروجن سے ممکن ہوسکتا ہے اس لئے پانی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔

یہ کلیہ تمام زندہ چیزوں کے لئے صحیح ہے۔ایک پانی سے عاری عضو، ایک سوکھے ہوئے ڈھانچے کی مانند

ہے اگرچہ وہ DNA اور جینیاتی فارمولے GENETIC CODE کو محفوظ کئے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ نہ تو مزید تخلیق کر سکتا ہے نہ اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے۔ جب پانی آتا ہے اور اسے اپنے H اور OH آئن سے ہائیڈروجن مہیا کرتا ہے تو حیاتیاتی فارمولا CODE اچانک کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ خوردبین سے دیکھے جانے والے جانداروں میں بطور خاص نظر آتا ہے۔ زیادہ ترقی یافتہ یا بڑے جاندار جانوروں یا پودوں میں یہ قوت واپس نہیں لائی جاسکتی اگرچہ پانی بھی پہنچ جائے۔ اس لئے کہ بافتوں (یکساں خلیوں کا ایسا گروہ جن کا فعل بھی یکساں ہو) کی تہیں پانی کے نہ ہونے سے تباہ ہو جاتی ہیں۔ "مردہ زمین کا زندہ ہو جانا۔" ان ہی عظیم حیاتیاتی قوانین کا بیان ہے۔ اگر پچھلی تین صدیوں میں ہم قرآن کو صحیح طور پر سمجھتے تو لاتعداد سائنسی حقائق کی دریافت کی دوڑ میں ہم بآسانی سب سے آگے ہوتے۔

اب ہم آیت کریمہ کے آخری حصہ پر آتے ہیں۔ "اسی طرح تم بھی اٹھائے جاؤ گے۔" ہمارا دوبارہ زندہ ہونا اللہ کے حکم کے مطابق ہمارے زندگی کے قوانین CODE کی مثل ہے، جو زمین میں باقی رہتے ہیں۔ یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ جس طرح بارش ایک مردہ زمین سے نامیاتی کوڈ کو بروئے کار لاتی ہے اور فوراً جلا پاتی ہے اسی طرح اللہ کے اس حکم یا مرضی سے انسانی کوڈ بھی ایک کمپیوٹر کی رفتار سے دوبارہ زندہ ہو جائے گا کہ "زندہ ہو جاؤ اٹھو۔" جس طرح اللہ بارش کے واسطے سے زیر زمین زندگی کو جلا دیتا ہے اسی طرح وہ جب چاہے گا ہمیں دوبارہ زندگی دے دے گا۔

حضرت آدمؑ کے وقت سے تقریباً دس ارب انسان دنیا میں رہ چکے ہیں ہر انسان کا کوڈ ایک مائیکرون (سائز میں ایک میٹر کا دس لاکھواں حصہ) کے برابر ہے۔ اگر ان تمام کو اکٹھا کیا جائے تو یہ ایک گلاس کو بھی نہ بھر سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے تولیدی کوڈ GENETIC-CODE زمین میں بکھیر کر حکم دے "بن جاؤ" تو تمام انسان آنکھ جھپکتے ہی پیدا ہو جائیں گے۔

یہ ہیں تشبیہات جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو کھلا ذہن رکھتے ہیں اور تعلیم یافتہ ہیں دراصل یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ جس طرح میں نے بارش کے ایک قطرے سے مردہ اور بے جان زمین کو زندگی عطا کی ہے۔ اسی طرح ہمارے لئے تمہاری حیاتیاتی تولیدی کوڈ BIOLOGICAL GENETIC CODE کو دوبارہ جلا دینا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

موضوع نمبر 6

جوہری نوات (مرکزہ)

ATOMIC NUCLEUS

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ﴿۱۶﴾

التکویر ۸۱

ترجمہ :- میں قسم کھاتا ہوں پلٹنے والے اور چھپ جانے والے تاروں کی۔(التکویر-81

NO. I SWEAR BY THE KHUNNAS (THE DESCENDERS), THOSE WHICH SWEEP ALONG IN THEIR KUNNAS (ORBITS). CHAPTER 81 VS.15 & 16). NO. I SWEAR BY (THOSE WHICH RECEED AND DISAPPEAR), THOSE WHICH SWEEP ALONG IN THEIR (ORBITS).

یہ آیات قرآن کی انتہائی مشکل آیات میں سے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ یہ آیات عظیم الشان طبیعیاتی حقائق ظاہر کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ سورت دوبارہ پیدا ہونے کو عام طریقے سے پیش کرتی ہے جس کا سمجھنا آسان بھی نہیں ہے آیات نمبر۱ تا14 دوبارہ زندگی کی تفصیل سے متعلق ہیں جب کہ آیات نمبر15٬14 کائنات اور آسمانی فزکس ASTROPHYSICS کے بنیادی اصولوں کو بیان کرتی ہیں۔ اس طرح یہ سورۃ اس پر زور دیتی ہے کہ فزکس (طبیعیات) کے متعلق عمیق مطالعہ کریں تاکہ دوبارہ زندہ ہونے کا نظریہ کسی حد تک سمجھ آسکے۔

جیسا کہ ظاہر ہے کہ ان دو آیات کے معنی سمجھنے سے قبل "خنس" اور "کنس" کے معنی سمجھنے پڑیں گے۔ صدیوں سے اس طرف کوششیں کی گئی ہیں۔ ان کی پہلی تشریح خلیفہ الرسول حضرت عمرؓ نے کی۔ ان کے بقول یہ ستاروں کا ان کے محوروں کے گرد گھومنے کی تشریح کرتی ہیں۔ یہ ایک اور عجوبہ ہے کہ چودہ صدیاں قبل ان آیات میں فزکس کے بنیادی اصول بتائے گئے۔

"خنس" یعنی بہاؤ کا مخالف 'اترنا' چھپنے والے تارے۔

"کنس" ایک مخصوص راستہ کا محور۔ کسی چلتی ہوئی چیز میں دبک جانے والے۔

ان دونوں الفاظ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس اہم اعلان کو کہ "نہیں، قسم ہے "فلاں قسم" جو دونوں آیات

کے ایک جیسے معنی ظاہر کرتا ہے کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔ یہ حقیقت ہے کہ آیات کا ایک سلسلہ بنایا گیا اور دوبارہ زندگی کے متعلق نظریہ دیا گیا یہاں تک کہ آیت نمبر 15 میں اللہ قسم کی بات کرتا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک بے حد اہم بیان دیا جا رہا ہے۔ آیئے اب فزکس کے بنیادی نکات پر توجہ دیں۔ ان میں کون سی خنس اور کنس کی خاصیتیں رکھتی ہے۔

(الف) ایک جوہر یا ایٹم کی بناوٹ کیا ہوتی ہے؟ ایک ایسا نوات یا مرکزہ، جس کے اندر بے پناہ توانائی لپٹی ہوئی ہوتی ہے یا مرکوز ہوتی ہے (خنس) اور وہ برقیے (الیکٹرون) جو اپنے محور (یا خولوں کے گھونسلوں) میں اس کے گرد چلتے ہیں کنس ہیں۔ یہ ایک ایسا دورخ والا نظام ہے جو اپنے اندر خنس اور کنس کے راز کا حامل ہے۔ کون صاحب عدل شخص اس تشریح کو غیر مستند کہہ سکتا ہے؟ اور اس موقع کو آیات 15 اور 16 کے علاوہ کس طرح سمجھا جا سکتا ہے؟

یقیناً اللہ مادے کی چھوٹی سے چھوٹی مثال، ایٹم کی مثال دیتا ہے کہ کس طرح دوبارہ جی اٹھنے سے پہلے عظیم تباہی آئے گی۔ دیکھئے کس طرح خنس اور کنس کے راز ایک دوسرے کو متوازن کر رہے ہیں۔ جب اس کا مطلب ہے کہ "اگر ہم کہیں کہ الگ ہو کر بکھر جاؤ تو کیا اس خوفناک تباہی کا اندازہ لگا سکتے ہو جو اس طرح پیدا ہوگی؟

(ب) آیئے اب فزکس کے ایک اور ٹکڑے کی طرف توجہ کریں۔ مقداریں (QUANTITIES) اور ان کی سمت کے طول و عرض کو دیکھیں۔ موجودہ زمانے کی فزکس کی رو سے نظریہ قدریہ یعنی زندگی کا بنیادی عنصر، طول و عرض کا راستہ اپنی توانائی کے حساب سے اختیار کرتا ہے۔

طول و عرض (DIRECTIONS) بغیر حرکت کے پر اسرار۔ پیچھے رہ جانے والی سمتیں ہیں۔ یعنی "کنس" جبکہ قدرے کوانٹا QUANTA توانائی اور زور دار حرکت کو ظاہر کرتے ہیں۔ مگر ایک خاص چینل (ٹیلی مواصلات میں برقی اشارات کی ترسیل کے لئے راہ) "خنس" اس مقدار کو ظاہر کرتا ہے جو اس چینل (گھونسلے) سے گزرتی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں ان آیات کریمہ سے یہ راز ظاہر ہوتا ہے "قسم سے پلٹنے والے خنس (پیچھے ہٹنے والے RECEDING اکائیوں کے قویٰ کی) اور ان کنس (قدرے QUANTA جو اپنے محور میں) کی جو چلتے ہوئے چھپ جاتے ہیں۔

(ج) اجرام فلکی کے مطالعہ کے نکتہ نظر سے، جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے، مردہ ستاروں کی بھی جگہیں (مواقع) ہیں۔ یعنی سیاہ شگاف جو اتنے سکڑ گئے ہوں کہ خلا سے گم ہو جاتے ہیں۔ یعنی "خنس" مگر ساتھ ساتھ ہی ستاروں کے جھرمٹوں کے گروہ بھی جو عظیم توانائی کے حامل ہوتے ہیں۔ یعنی عظیم نو ستارے "کنس" پہلے

یعنی "خنس" اصل معنی میں وہ مقام تا نکتے ہیں جو عظیم توانائیوں کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں لیکن وہ خود ساکن ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ زمان و مکان سے مکمل طور پر آزاد ہوجاتے ہیں۔ دوسری طرف نجمی چیزیں (ستارے) ہیں جو اربوں ثقلی خط مرئی کنس (یعنی پروجیکٹائل کا راستہ) کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔ سورۃ تکویر میں بتائے گئے دوبارہ زندہ ہونے کے اصل معنی سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہمیں اس طرف مائل کرتا ہے کہ ہم "خنس" اور "کنس" کے راز کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ستاروں کی ثریاؤں اور جمگھٹوں کا مطالعہ کریں۔

اللہ قرآن میں سورۃ التکویر کی آیات نمبر ا تا 14 کے ذریعے حیات بعد موت کا راز سمجھاتا ہے اور ہماری توجہ شدت سے مبذول کرانے کے لئے قسم کے طور پر بیان کرتا ہے اور یہ نقطہ "خنس" اور "کنس" کے ذریعے بیان ہوا۔ یہ ضروری نہیں کہ اوپر دی ہوئی تین مثالیں ایک مکمل نظام کے سلسلے کو بیان کرتی ہیں۔ یہ آیات صرف انہی تین مثالوں ہی میں نہیں بلکہ اور بھی بہت سے مادی حقائق کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ دراصل یہ آیات طبیعیاتی پیدائش کے سمجھنے کے لئے بنیاد مہیا کرتی ہیں۔

جس طرح قوت ثقل ایک توانائی کی حیثیت میں ستاروں اور ایٹموں میں موجود ہے اسی طرح "خنس" اور "کنس" کے راز بھی تمام مادی نظاموں میں موجود ہیں۔ یہ ایک پل کا کام دے گا جس کی مدد سے دوسرے مادی قوانین سمجھ میں آئیں گے۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

مقدار کی سطح پر بہت سے ثانوی جوہری ذرے (SUBATOMIC PARTICLES) یعنی جوہر سے چھوٹے ذرات جیسے الیکٹرون (ELECTRONS) پروٹون (PROTONS) نیوٹرون (NEUTRONS) وغیرہ چکر (SPIN) کے حامل ہوتے ہیں ایک خاص پیمائش والی جسامتیں ان کے یہ چکریا حرکت ایک مقناطیسی اثر سے پیدا کرتی ہیں۔ مخصوص بیان میں فضا میں یہ پیمائشی جسامتیں تھرتھراتی ہیں جس سے مقناطیسی نفاذ (MAGNETIC FIELD) جسے مقناطیسی فلکس بھی کہتے ہیں پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ سب عام فہم زبان میں بیان نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ آیات یقیناً اس کی سچائی بیان کرتی ہیں۔ پیمائشی جسامت کا راز پیچھے ہٹتی ہوئی خفیہ توانائی ہے۔ قدر یہ QUANTUM کی حرکت خنس کے راز کو بیان کرتی ہے جبکہ فضا خود کنس کے راز کی حامل ہے۔ اسی وجہ سے اللہ قسم کھاتا ہے ان تمام طبیعیاتی قوانین کی جو ساری کائنات کی وسعتوں میں کارفرما ہیں۔ جس کی طرف اشارہ ان دو آیات مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

آیات نمبر 15 اور نمبر 16 روحانیت کے علم کی رو سے بھی بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ اگرچہ اس موضوع کو ہم اس کتاب میں زیر بحث نہیں لا رہے۔

ہر مخلوق ایک خنس اور ایک کنس کی حالت میں ہے۔ ایک خوش اسلوب اور ہم آہنگ روانی یا بہنا ہے جبکہ دوسرا ہٹتے ہوئے پردہ کرنے کی طرح ہے جیسے موت کی وادی میں چلے جانا۔ طبیعیات کی رو سے ہم انہیں رفتار یا حرکت اور مخفی ٹھہراؤ یا وقفہ کہہ سکتے ہیں اور درحقیقت اجرام فلکی کی سائنسی (COSMOGENESIS) کے بالکل نئے نظریات اس بنیادی نظریہ کو ظاہر کرتے ہیں۔

(الف) مارٹن رائل (RYLE) اور ایلن سینڈیج (SANDAGE) کے مطابق کائنات کی تشکیل 20 ارب سال قبل تندوتیز حرکات یا جھٹکوں سے ہوئی۔ اس کو بگ بینگ کا نظریہ BIG BANG THEORY بھی کہتے ہیں۔ جو توانائیاں اس مقام پر مقید تھیں وہ، اور عظیم بکھیر دینے والی طاقتور حرکتیں آپس میں برابر تھیں۔

(ب) آندرے سخاروف (SAKHAROV) کے نظریہ کے مطابق موجودہ کائنات اس کائنات کا ردیعنی ANTIUNIVERSE ہے جو پیچھے کھسکتے کھسکتے غائب ہو چکی ہے۔ وہ اب جامد ہو کر موجودہ حرکت کرتی ہوئی کائنات کو توازن فراہم کر رہی ہے۔

ہاں عزیز قاری! آیات 15 اور 16 کی عظمت اس حقیقت سے عیاں ہے کہ اللہ نے درحقیقت یہ اعلان کیا ہے "انسانو! حیات بعد الموت کو سمجھنے کے لئے اشد ضروری ہے کہ تم پیچھے ہٹ کر غائب ہونے والی اور رواں دواں ظاہری اور حرکت پذیر کائناتوں کا مطالعہ کرو۔" یہ اعلان کرتے ہوئے اللہ شروع ہی قسم سے کرتا ہے تاکہ پیدائش کائنات کے عظیم راز کا انسان کو احساس ہو جائے۔

اس طرح چودہ سو برس قبل آغاز کائنات کا علم اور فزکس کا حیران کن راز ہمارے ہاتھوں میں دے دیا گیا ہے۔ جس کی طرف ہماری پوری توجہ ہونا چاہئے تب یہ سمجھ میں آئے گا۔

"نہیں! قسم ہے ان کی جو چھپ جانے والے ہیں اور ان کی جو اپنے محوروں پر چل رہے ہیں۔"

موضوع نمبر 7

پیمائش (ارض) کے راز

SECRETS OF DIMENSIONS

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝٥ ــــ الصّٰفّٰت ٣٧

ترجمہ :- وہ زمین اور آسمانوں کا اور تمام ان چیزوں کا مالک ہے۔ جو زمین و آسمان میں ہیں اور سارے مشرقوں کا مالک ہے۔ الصفت (37)

"HE IS THE LORD OF HEAVENS AND EARTH, AND ALL THAT LIES BETWEEN THEM AND HE IS THE LORD OF THE EASTS." 37(5)

سورۃ الصفت کی شروع کی آیات میں کائنات' انسان' فضا (کرہ باد) اور ملائکہ کے بارے میں قرآنی نظریات بیان کیے گئے ہیں۔ آیت زیر مطالعہ کو سمجھنے کے لئے پہلے اس کے سیاق وسباق پر غور کرنا چاہیے۔ آیت کے شروع میں اعلان کیا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی معبود ہے آسمانوں کا' زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے۔ ہمارے محدود علم کے اندر اللہ کی ربوبیت کا اظہار کیا گیا ہے چونکہ زمین' آسمان اور جو کچھ انکے درمیان ہے کا ذکر کیا گیا ہے تو ایک مخصوص حقیقت اور فضا کے متعلق علم کے تسلسل کا ہی بیان مقصود ہے۔ لیکن آیت یہیں ختم نہیں ہوجاتی بلکہ یہاں ایک نئے نظریئے کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ جب کہا گیا کہ "وہ (اللہ) سارے مشرقوں کا مالک ہے۔" چنانچہ زمین آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کے علاوہ اب ہمارے پاس مشرقین کا نظریہ بھی ہے عربی میں جمع کا صیغہ تین یا اس سے زیادہ چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ کم از کم تین مشرقین یا ان سے زیادہ کا مالک ہے۔ یہ آیت کس قسم کا سائنسی نظریہ پیش کررہی ہے؟ یہ دیکھنے سے قبل ہمیں سائنس کے بنیادی حقائق کو ذہن میں لانا چاہیئے۔

عام طور پر ہم فضا کا تصور تین جہتوں THREE DIMENSIONS میں لیتے ہیں۔ کسی چیز کا وجود اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتنی جگہ گھیرتی ہے اور اس کی نسبت لمبائی چوڑائی اور اونچائی سے کیا ہے اور اس کا موقع یا جگہ کیا ہے۔

مگر کیا کائنات صرف ان تین جہتوں کے مخصوص مقام پر ہی مشتمل ہے؟ آئن اسٹائن EINSTEIN

کے نظریہ اضافیت THEORY OF RELATIVITY (جس کے مطابق مطلق حرکت کا تعین ناممکن ہے اور وقت کی قدر بھی مطلق نہیں ہے) سے قبل سائینسدانوں کا خیال تھا کہ کائنات تین جہتوں یا پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ لیکن مشہور زمانہ ماہرین طبیعیات نے ثابت کیا کہ حساب کے علم کی بنیاد پر شمار کرنے سے فضا میں تین سے زیادہ پہلو یا جہتیں DIMENSIONS ملتی ہیں۔ چوتھی، پانچویں یا زیادہ تعداد میں جہتیں ہو سکتی ہیں۔ جو فضا کے نظریات میں نئے اضافے کر سکتی ہیں۔ آئن اسٹائن کے کہنے کے مطابق چوتھی جہت وقت TIME ہے۔ جیسی کہ اونچائی، چوڑائی اور لمبائی کی جہتیں ہیں۔ یہ دوسری جہتوں DIMENSIONS کے ساتھ ساتھ موجود ہے۔ ہمارا بصری ادراک اگرچہ صرف تین جہتوں کو ہی دیکھ سکتا ہے۔ دراصل کچھ جاندار تو گہرائی کی جہت کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مثلاً چھپکلیاں اور سانپ اپنے اردگرد کو صرف دو جہتوں TWO DIMENSIONS میں ہی دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ ایک فوٹو یا فلمی کارٹون نظر آتا ہے۔

علم فزکس کے اس اہم مقام سے ہمیں فضاؤں کا مشاہدہ ان نظریات سے الگ طریقوں سے کرنا پڑے گا نہ کہ جس طرح کہ ہم اپنے اردگرد کو، فضا کو اور کائنات کو دیکھتے ہیں۔ ان فضاؤں میں ایک خاص سمت میں حرکت کی رفتار مختلف ہوتی ہے وقت مختلف ہوتا ہے، عمل مختلف ہوتا ہے اور اسی طرح مفہوم میں ایک نقطہ پر مرکوز ہونے کے طریقے CONVERGENCE اور واپسی یا بازگشت REGRESSION بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن میں دیا گیا دنیاؤں کا نظریہ ان متضاد فضاؤں کی تشریح کرتا ہے۔ آسمانی زندگی، جنت، دوزخ اور روحوں کی زندگی یہ سب ان کائناتی دوامی اور جاری حقائق کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کو تصور میں لانے کے لئے ہمارے لئے حقیقی مشکل اس دنیا میں موجود تین جہتی THREE DIMENSIONS والے نظام کی وجہ سے ہے۔

اس سائنسی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اب ہم دوبارہ اس آیت کریمہ کے آخری حصہ کی طرف آتے ہیں۔ "وہ (اللہ) سارے مشرقوں کا مالک ہے۔" یہ حقیقت ہے کہ مشرق ایک سمت کا بیان ہے یہ ایک پیمائش ہے۔ یہ تعریف اس وقت سامنے آئی جب پہلی دفعہ سورج کے متعلق حقائق ڈھونڈے جا رہے تھے جیسا کہ لفظ محل وقوع یا سمت ORIENTATION بھی مشرق کی نسبت سے اسی سمت کو ظاہر کرتا ہے، جو کہ پہلی پیمائش DIMENSION ہے۔ اگرچہ قرآن میں دوسری جگہوں پر رب المشرقین ورب المغربین کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں مگر اس آیت کریمہ میں صرف رب المشرقین کا ذکر ہے، اس لئے اس پر تفصیلی غور و فکر کی ضرورت ہے۔

اصل نقطہ یہ ہے کہ مشرقین کا ذکر کچھ سمتوں کے سلسلوں کے بارے میں ہے جو یہاں کی موجودات سے

جنہیں ہم زمین اور آسمان کہتے ہیں، مختلف ہیں۔ اس آیت کے توسط سے اللہ تعالیٰ ہماری توجہ ان دنیاؤں کی طرف دلا رہا ہے جن کی سمتیں اور پیمائشیں ان سے مختلف اور جدا ہیں جو ہم اس دنیا میں جانتے ہیں۔ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ "میں مشرقین کا رب ہوں۔" تاکہ وہ لامحدود پیمائشوں اور فاصلوں کو بیان کرے جن کے متعلق موجودہ دور کی فزکس نے ابھی حال ہی میں کچھ دریافتیں کی ہیں۔ مگر صرف مشرقین ہی کیوں؟ اس لئے کہ پیمائش کی تعریف یا تشریح میں مشرق پہلے آتا ہے جبکہ مغرب تو مشرقی پیمائشوں کی مخالف سمت میں ایک وسعت یا بڑھاؤ ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت غیر محدود قالب یا سانچے میں ہزاروں فضاؤں اور دنیاؤں کی کھلی نشاندہی کرتی ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ اوپر کے معنوں کے علاوہ بھی اور بہت سے معانی ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے میں ایسے مزید دو معنوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

"مشارق" کے لفظ کے بالواسطہ معنی سے "پیدائش" کا مفہوم بھی ظاہر ہوتا ہے جو ایک مختلف سائنسی حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے۔ مشرق جو کہ سورج کے طلوع کی سمت ہے اس طرف اشارہ کرتی ہے جس طرف زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ تو اس طرح تو ہم ایک مشرق دیکھتے ہیں یا یہ کائنات کی ایک ہی حرکت ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔

جبکہ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے تو اسی وقت سورج بھی اپنے دوسرے ستاروں کے ساتھ ستاروں کی ثریا کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ ستاروں کی یہ ثریا پھر مزید عظیم تر ثریا کے مرکزی محور کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ اس مفہوم میں ہم تین مختلف مشرقین کی بات کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔

رب المشرقین میں یہ معنی پنہاں ہیں جو کائنات کے متعلق ان انتہائی دلچسپ حقائق کو پوری طرح ثابت کرتے ہیں جہاں رب العالمین کہتا ہے "ہم بہت سارے مشرقوں کے مالک ہیں۔" یہ حقیقت کہ اس آیت سے مغرب مشرق کا جانشین نہیں بنتا اس کی تصدیق ہے۔ ہم آئندہ آیات کی تشریح کے سلسلے میں دیکھیں گے کہ ایسے بہت سے بیانات ہیں جن میں زمین کے گھومنے کا ذکر ہے اسی وجہ سے مشرق زمین کے گھومنے سے متعلق ہے۔ جس کو جمع کے صیغے میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کے یہ چکر بہت سی مختلف سطحوں پر ہیں۔

اگر ہم آیت کو زمین پر سمت کے لحاظ سے دیکھیں تو کرہ پر مشرق ہر مقام کی نسبت سے مختلف ہو گا۔ ترکی کا مشرق، مغربی علاقوں کی نسبت سے ان کے مشرق میں ہے۔ جبکہ ترکی کا مشرق در حقیقت ایران کا مغرب ہے اس لئے مشرق کا نظریہ کرہ ارض کے ہر مقام پر مختلف ہے اور یہ نظریات مشرقین کا مجموعی تاثر پیدا کرتے

ہیں۔یہ حقیقت ایک کرے کی سطح کو جیومیٹری کے حساب سے پیش کرتی ہے۔

آیئے' اب اس آیت کریمہ کو دوبارہ پڑھیں تاکہ سائنس کے مشاہدات زیادہ صحیح طور پر ثابت ہو سکیں "وہ زمین اور آسمانوں اور تمام ان چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمانوں کے درمیان ہیں۔وہ سارے مشرقوں کا مالک ہے---" متعدد آسمان جو ہم آئندہ آیات میں دیکھیں گے' بہت متضاد علاقے ہیں۔ مگر یہ ارشاد "جو زمین اور آسمانوں کے درمیان ہے۔" کیا معنی بیان فرماتا ہے؟ یہ تو حقیقت ہے کہ شہاب ثاقب' ستارے' فرشتے اور بہت سی نامعلوم مخلوق آسمان کی مختلف سطحوں پر موجود ہیں مگر یہ ہیں کیا؟ جہاں تک ہم بتا سکتے ہیں یہ وہ غیر مرئی شعاعیں ہیں جو مادہ اور توانائی کی تشکیل میں بنیاد بنتی ہیں۔یہ شعاعیں کچھ عرصہ قبل ایک ہی نام یعنی آسمانی شعاعیں COSMIC RAYS کے نام سے جانی جاتی تھیں مگر آج کل کی نئی فزکس کے علم کی رو سے ان کے مختلف نام اور قسمیں ہیں جن کا تعلق نکلیان NUCLEONS' بریان BARYONS' لیپٹان LEPTONS اور فرمیانز FERMEONS کی تقسیم کی بناء پر ہے یہ سب مادہ اور توانائی کے درجوہروں SUBATOMS کے مرکب ہیں۔

اس ارشاد "وہ مالک ہے ان تمام چیزوں کا جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں" کی مدد سے اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ یہ تمام توانائی کے ٹکڑے اور شعاعیں ایک وسیع مادی نظام کی تشکیل صرف اس نقطہ نظر سے کرتی ہیں کہ یہ تمام اللہ کی ملکیت ہیں۔

جدید فزکس کے علم کی رو سے یہ نہ سمجھ آنے والی توانائیاں اور شعاعیں کائنات کی تباہی کا باعث نظر آتی ہیں۔ لیکن اس نظریہ کے خلاف یہ آیت مبارکہ ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں یہ چیزیں ایک عظیم الشان مادی توازن کا باعث ہیں۔

موضوع نمبر 8

قرآن زمین کی گردش کو ظاہر کرتا ہے

THE QURAN REVEALS THE ROTATION OF THE EARTH.

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿٨٨﴾ ــــ النمل ۲۷

ترجمہ :- تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ جامد ہیں۔ لیکن یہ بھی بادلوں کی طرح بڑھتے ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے ہر چیز کو حکمت سے استوار کیا ہے وہ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔" النحل (88-27)

YOU SEE THE MOUNTAINS AND THINK THEM JAMID (LIFELESS, MOTIONLESS) YET THEY PROGRESS, JUST AS CLOUDS PROGRESS. SUCH IS THE HANDWORK OF GOD, WHO HAS DISPOSED OF EVERYTHING IN FIRMNESS. HE IS COMPLETELY AWARE OF WHAT YOU DO.

(CHAPTER 27 V.88)

جیسا کہ دوسری آیات کے بارے میں ہے آیئے پہلے ان نکات کی نشاندہی کریں جو اس آیت مبارکہ کی سائنسی توجیح کے سلسلے میں مدد کریں گے۔

1- پہاڑ اگرچہ جامد نظر آتے ہیں لیکن وہ حرکت میں ہیں۔

2- پہاڑوں کی یہ حرکات اسی طرح ہیں جس طرح بادلوں کی ہوتی ہیں۔

3- پہاڑوں کی حرکت کوئی تصوراتی یا کوئی نسبت رکھنے کا واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے آرٹ کا ظہور ہے۔

میں اس آیت مبارکہ کی سائنسی تشریحات کے سلسلے میں دو اہم نکات کی نشاندہی کر سکا ہوں۔

در حقیقت یہ وہ معجزات ہیں جو ہر کھلا ذہن رکھنے والے سائینسدان کو حیرت زدہ کر دیں گے۔ میں ان کو درج

ذیل میں بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔
(الف) اگر ہم زمین کے ارضیاتی ڈھانچے کو بغور دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ وہ مٹی اور پتھر کی اس باریک تہہ کی طرح ہے جیسے کہ سنگترہ کے گرد کا چھلکا ہوتا ہے۔ زمین کے قطر کا اکثر حصہ پگھلی ہوئی دھاتوں اور چٹانوں جسے میگما (MAGMA) کہتے ہیں سے بنا ہوا ہے۔ اسی طرح زمین کے اندر ایک مائع قالب ہے جس کے اردگرد مختلف اقسام کی ٹھوس تہیں ہیں اور آخر میں مٹی اور چٹانیں ہیں۔ دوسرے لفظوں میں باہر کی طرف پہاڑ ہیں۔
جیسا کہ یہ آیت کریمہ ظاہر کرتی ہے یہ مکمل طور پر قدرت کا شاہکار ہے۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بات فوراً سمجھ آجاتی ہے کہ زمین کا خول اپنی مضبوطی کے باوجود ایک بہت سست حرکت کے راز کا حامل ہے۔ یہ حرکات جو تہہ کے کنارے کے نزدیک زیادہ واضح ہوتی ہیں انہیں طبقہ زمین میں رخنہ (FAULT) کہتے ہیں۔ جو آتش فشانوں اور زلزلوں کے لئے زمین کا دروازہ کھلا رکھتے ہیں۔
اگرچہ آیت کے مطابق زمین اللہ کے حکم سے ایک مضبوط ڈھانچہ رکھتی ہے۔ لیکن اس کا قالب (CORE) ایک بہت کم رفتار حرکت کا حامل ہوتا ہے جو سیال اجسام STATIC FLUID کے تحت ہوتا ہے۔ ہماری زمین کا استحکام اور مضبوطی، جو اپنے قالب تک مختلف اجسام کی تہوں پر مشتمل ہے خود اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔
(ب) "ہاں پہاڑ بھی اسی طرح بڑھتے ہیں جیسے بادل بڑھتے (چلتے ہیں)" چونکہ بادل آسمان پر چلتے ہیں۔ پہاڑ بھی فضائی اطراف میں بڑھتے ہیں۔ اگر آیت کریمہ کو پھر دیکھیں تو اس کے مطابق کہا گیا "تم سمجھتے ہو یہ جامد ہیں" جامد کا مطلب مادی یا جسمانی طور پر ایک ہی جگہ بغیر زندگی اور بغیر حرکت کے رہنا ہوتا ہے۔ پہاڑ کس طرح بادلوں کی طرح فضا میں حرکت کرنے کے قابل ہوتے ہیں؟
صرف ایک ہی صورت ہے جس میں یہ حرکت ممکن ہو سکتی ہے۔ اور وہ ہے زمین کی حرکت کے ساتھ۔ درحقیقت یہ آیت کریمہ کا اہم معجزہ ہے کہ بادل جو ہوا کے ساتھ تیزی سے حرکت کرتے ہیں ان کی رفتار تقریباً اتنی ہی ہوتی ہے۔ جتنی کہ زمین کے اپنے چکر کی ہوتی ہے پہاڑ بادلوں کی طرح سے تین جہتوں (THREE DIMENSIONS) میں آگے بڑھتے ہیں اور یہ حرکت مضبوط توازن کے خدائی شاہکار کا نتیجہ ہے۔

اس آیت کی دانائیوں کی باریکیوں کو ایک بار پھر دیکھئے۔ جن میں پہاڑوں کے فضائی بڑھاؤ کی بات کی گئی ہے۔ یعنی اس کی رو سے زمین کی حرکت بیان کرتی ہے کہ یہ مظہر قدرت آسمانی نظم کے مضبوط قانون کا ایک حصہ ہے۔ یہ قانون قدرت کا کون سا فن ہے؟ اس سوال کے متعلق آسمانی فزکس ASTRO PHYSICS یہ کہتی ہے۔

کائنات میں تمام ستارے اور سیارے اپنی موجودگی کو دو متوازن قوتوں کی ہم آہنگی سے قائم رکھتے ہیں۔ ان میں سے ایک قوت ثقلی کشش GRAVITATION ہے جو اکائی کے قانون سے نتھر کر آتی ہے۔ تمام کمیت یا ڈھیر ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ کر ایک بڑے ڈھیر میں تبدیل ہونے کے اصول کی پیروی کرتے ہیں۔ دوسری قوت جو ان کے قیام کی ضامن ہوتی ہے وہ گھومتی ہوئی حرکت سے پیدا ہونے والی مرکز گریز قوت CENTRIFUGAL FORCE ہے۔ آیت کریمہ اس قانون کی طرف توجہ دلاتی ہے اور یہ اشارہ بھی کرتی ہے کہ پہاڑوں کی بادلوں کی طرح فضائی حرکت مضبوطی کا اصول ہے۔ اللہ کا قرآن میں کہنا کہ "اس آیت کی مانند کوئی آیت لاکر دکھاؤ بلکہ لفظ ہی لاکر دکھاؤ" اس (اللہ) کے اسی قسم کے کمالات کے رازوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

آیت کریمہ کے دوسرے حصے کی تشریح کا خلاصہ اس طرح ہے۔

نمبر1- تم سمجھتے ہو کہ پہاڑ جامد ہیں۔

نمبر2- یہ بادلوں کی طرح فضا میں گزرتے رہتے ہیں۔

نمبر3- گھومتی ہوئی حرکت' ثقلی قوتوں کو نازک توازن میں رکھتے ہوئے اس عمل با طریق (PROCESS) میں مضبوطی پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

نمبر4- گھومتی ہوئی حرکت جو کائنات کے بنیادی قوانین میں سے ہے' اللہ کے پاک قوانین کا شاہکار ہے۔

کتنی خوب صورتی سے اے عزیز قاری آیت کا ہر لفظ سائنس کی ایک نئی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے۔ یہ سب صدیوں قبل اس وقت بتایا گیا جب انسانوں کے ذہنوں میں عجیب و غریب خیالات ہوا کرتے تھے۔ مزید براں یہ سب حقائق لوگوں کو اس بہترین انداز میں بتائے گئے کہ ان سے سادہ ذہنوں میں پیچیدگی یا کھچاؤ نہ پیدا ہو ورنہ اس کی وجہ سے ان کے لئے ذہنی طور پر تباہی بھی آسکتی تھی۔ یہی قرآن کا فن اور قرآن کا معجزہ ہے۔

جہاں تک اس آیت کے آخری حصہ کا تعلق ہے یہ ایک اور عظیم آسمانی سچائی کا اظہار ہے یعنی "وہ ہر

چیز کو جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔" اللہ جس نے تمام کائناتوں کو ایک مادی فن کے ذریعے پیدا کیا ہر چیز پر کائنات کے ہر مقام پر حکومت کرتا ہے۔ اس طرح کہ جیسے کمپیوٹروں کے ایک عظیم نظام کو بروئے کار لایا گیا ہو۔ یہ نظام ظاہر کرتا ہے کہ کائنات کا ہر واقعہ حسابی لحاظ سے خود بخود درج ہو جاتا ہے۔

ہر لمحے اس طرح سے ترتیب دیا ہوا پروگرام اللہ کی قدرت کا مظہر ہے ابھی کچھ ہی عرصہ قبل ہمیں یہ چیزیں سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی۔ مگر آج موجودہ نئی دریافتوں کی وجہ سے خاص طور پر الیکٹرانی ذہن اور کمپیوٹروں کے سلسلوں کی وجہ سے ہماری سمجھ کا دائرہ وسیع تر ہو گیا ہے درحقیقت ہم تشبیہات کی دنیا میں رہتے ہیں۔ جب ہم جنت کی بات کرتے ہیں تو ہمیں پھولوں' باغات اور بہتے ہوئے دریاؤں کا خیال آتا ہے۔ ہم جنت کو اس دنیا کی خوب صورت چیزوں کی مثال یا تشبیہ سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔
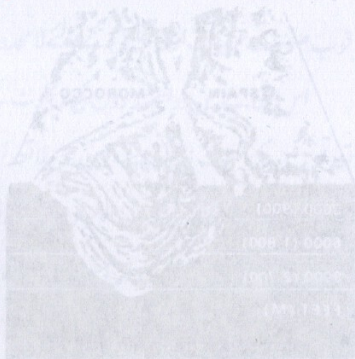
موضوع نمبر 9

قرآنی آیت جس نے کوسٹو کو صحیح راہ دکھائی

THE VERSE THAT SHOWED COUSTEAU THE RIGHT WAY.

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾

الرّحمٰن ۵۵

ترجمہ :- "دو سمندروں کو اس (اللہ) نے چھوڑ رکھا ہے کہ باہم مل جائیں۔ پھر بھی ان کے درمیان پردہ حائل ہے۔ جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔" الرحمٰن (55)

"HE HAS LET FORTH TWO SEAS, THAT THEY SHOULD MEET TOGETHER. THERE IS A BARRIER BETWEEN THEM WHICH THEY DO NOT OVERPASS."

GIBRALTAR'S SHALLOW SILL
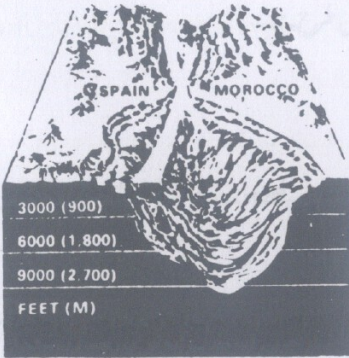
Like the spillway of a giant dam, the shallow Strait of Gibraltar keeps Atlantic waters from mixing freely with those of the Mediterranean basin on the other side. Warm surface water can ride in from the ocean over the cold outflow from the Mediterranean deeps (see arrows), but the stone sill between Spain and Morocco blocks the deeper ocean waters.

Life Nature Library
'EURASIA' 1988 edition

1- آیت میں دو اہم نکات کو بیان کیا گیا ہے۔

2- دو سمندروں کا تنگ آبنائے STRAIT کے ذریعے آپس میں ملنا ایک معمول کی حالت ہے۔

3- یہ حقیقت کہ دو سمندر ان کے درمیان ایک خاص قسم کی رکاوٹ کی وجہ سے مکمل طور پر آپس میں نہیں مل جاتے۔

آیئے اس سلسلے میں سب سے پہلے سائنسی خصوصیات کا مطالعہ کریں۔ فرانسیسی سائینسدان جیک دی

کوسٹو COUSTEAU نے جو سمندر کے اندر پانی میں تحقیقات کے لئے مشہور ہے۔ یہ دریافت کیا کہ بحرہ روم MEDITERRANEAN اور بحرہ اوقیانوس ATLANTIC کیمیاوی اور حیاتیاتی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ موصوف نے اس حقیقت کو بیان کرنے کے لئے آبنائے جبل طارق کے نزدیک زیر سمندر تحقیقات کرکے یہ بتایا کہ جبل طارق کے جنوبی ساحلوں (مراکش) اور شمالی ساحلوں (اسپین) پر بالکل غیر متوقع طور پر میٹھے تازہ پانی کے چشمے ابلتے ہیں۔ یہ سمندری پانیوں میں ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑے چشمے ایک دوسرے کی طرف 45 ڈگری کے زاویہ پر تیزی سے بڑھتے ہوئے ایک ڈیم کی طرح کنگھی کے دندانوں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ اس عمل کی وجہ سے بحیرہ روم اور بحرہ اوقیانوس اندر سے ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔

درحقیقت، اس تشخیص کے بعد جب کوسٹو کو یہ آیات دکھائی گئیں تو بے حد حیران ہوا اور قران کی عظمت کی تعریف کرتے ہوئے مسلمان ہوگیا۔

اس حیران کن آیت کریمہ میں جبل طارق (جبرالٹر) کی باڑ کو بالکل واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ آیئے اب دوبارہ ان آیات کو سورۃ الرحمان کے عمومی تناظر میں دیکھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس سورۃ کا موضوع اللہ کی خوب صورت عنایات اور تخلیق کے لئے لامحدود دانائی، حکمت اور فن ہے۔

اس ابنائے میں دو سمندروں کی رکاوٹ کے اندرونی معانی بھی ہیں وہ کیا ہیں؟ سمندر میں زندہ مخلوق کی تعداد زمین کی نسبت زیادہ ہے۔ اس میں لاتعداد جسمیہ (ORGANISMS) ہیں۔ اس میں بے تحاشا اقسام کے پودے اور جھاڑیاں ہیں۔ الغرض اللہ کی قدرت کے عظیم شاہکار اس میں موجود ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مختلف قسم کے جسمیئے (جاندار اشیاء) مختلف ماحول میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اللہ کی قدرت سمندروں کو گڈمڈ نہیں ہونے دیتی۔

یہ معنی ہمیں آیت نمبر 22 کی طرف بھی متوجہ کرتی ہیں۔ خاص طور پر سمندروں کی ساخت کی طرف اور سمندری نباتات اور مچھلیوں کی تقسیم کی طرف جو درجہ حرارت میں تبدیلیوں کی وجہ سے تغیر پذیر ہوتی ہے۔ یہ آیت دونوں سمندروں میں موتی اور خوب صورت سمندری پتھروں کی موجودگی کا اعلان کرتی ہے۔ اس طرح علیحدگی صرف کیمیائی اجزا کے نقطۂ نظر کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ موتی اور مونگے بھی کیمیائی اجزاء کی وجہ سے کہیں پر ہوتے ہیں اور کہیں پر نہیں ہوتے۔ اس صورت میں دو سمندروں کے خلط ملط نہ ہونے کی وجہ

سے سمندر کے اندر اس قدر ناقابل حد تک باغات ہیں اور اتنی اقسام وانواع کی مچھلیاں ہیں کہ ان کو اپنے قدرتی ماحول میں دیکھ کر لامحدود خوشی اور حیرت کا احساس ہوتا ہے۔

سمندر میں مخصوص قسم کے پھول پائے جاتے ہیں جو کئی مختلف پودوں سے ڈھکے ہوتے ہیں جن کی مثال خشکی پر نہیں ملتی۔ اسی قسم کے بہت سے مخصوص پھول ہوتے ہیں جن کا زمین پر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ سمندر کی تہہ میں ہی ایسے پھول بھی ہیں۔ جیسے کہ گل لالہ (LEPAS FASICALARIS) جو زمینی لالہ سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ سمندر کی تہہ ہی میں ایسے مزین اور آراستہ حشرات اور مکوڑے جن کی خوبصورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، خود اپنے وجود کو ہزاروں میٹر نیچے راڈار RADAR جیسی صلاحیت کی بدولت قائم رکھے ہوئے ہیں۔

ACAN THURUS TRIOSTEGUS ایک ایسی مچھلی ہے جس کے سرخ جسم پر فلوریت کے گول نشان ہوتے ہیں جن سے خوبصورت روشنی نکلتی ہے اور اپنے اردگرد کے ماحول کو چمکا دیتی ہے۔ سمندر کی اتھاہ گہرائیوں کے اندھیروں میں تقریباً تیس مختلف رنگوں کی روشنی دیتی ہوئی لاتعداد مچھلیاں پائی گئی ہیں۔

یہ مخلوقات اللہ کی خوبصورت اور عظیم صناعی کا خاص نمونہ ہیں اور سمندروں کے خلط ملط نہ ہونے کے اندرونی معنوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ آبنائے جبل طارق کے دونوں طرف اس قدر کثیر تعداد میں سمندری چٹانوں اور تہہ میں ایسی خوبصورت اور مختلف مخلوقات اور حشرات موجود ہیں کہ آج کے دور میں بھی ان کا شمار ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح ہر رنگ اور شیڈ کے پھول دونوں سمندروں میں ہیں مثلاً ایسے جیسے ناگ پھنی تھوہر اور دوسرے جن کے رنگ نیلے، پیلاہٹ والے سرخ وغیرہ ہیں مگر دونوں سمندروں میں الگ الگ اقسام ہیں۔ اسی طرح سمندر کی اتھاہ میں روشنی دیتی ہوئی نیلے رنگ کی مکڑیوں نے طلسماتی سماں پیدا کیا ہوا ہے۔

ان سمندری مخلوقات کے بیان کرنے سے ہمارا ایک مقصد حل ہوتا ہے۔ سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں جہاں آنکھ کچھ نہیں دیکھ سکتی ان خوب صورت حشرات اور مناظر کے وجوہ کی کیا وجہ ہے؟ سورۃ الرحمٰن کی آیات نمبر19 تا 25 ہمارے معبود حقیقی کی لامحدود خوبصورت مخلوق کا بیان ہے۔ پھر چودہ صدیوں کے بعد ان سمندری مخلوقات کے متعلق اٹلس اور کتابیں چھپی ہیں۔ اس طرح جب ہم ان میں دی گئی ہزاروں خوب صورت مخلوقات کو دیکھتے ہیں تو ان آیات مبارکہ کے راز عیاں ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان دو سمندروں کے

خلط ملط نہ ہونے کی مصلحت میں ہم دونوں طرف مختلف مخلوقات کا مشاہدہ کرتے ہیں جن میں سے ایک وہ مچھلی بھی ہے جس کے دہانے کے کناروں پر روشنی اس طرح چمکتی ہے جیسے اس طلسماتی دنیا میں ایک راہ دکھانے والا گائیڈ ہو۔

آج کے نئے علم کی روشنی میں ہم کچھ اور ایسی تفصیلات بھی دیکھیں گے کہ کرہ ارض پر زندگی کا ظہور کیسے ہوا اور مختلف آیات میں خود زندگی کا وجود کس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔ انیسویں صدی کے شروع سے زمین پر زندگی کا سوال سائنسدانوں کے لئے سب سے بڑی دلچسپی بن گیا ہے۔ ابتداء میں نامیاتی ڈھانچوں (ORGANIC CHEMISTRY) پر تحقیقات کی گئیں تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ جاندار اور غیر جاندار چیزوں میں کیا کیمیاوی فرق ہے۔ اس علم کیمیا کی ایک شاخ کے طور پر عضویاتی ڈھانچے (ORGANIC STRUCTURES) کے علم کا احیاء ہوا۔

ابتدائی نتائج میں یہ پتہ چلا کہ نامیاتی ڈھانچوں ORGANIC STRUCTURERS میں خاص بات یہ تھی کہ ان میں جوہری کاربن CARBON ATOMS منفی برقی بار یعنی NEGATIVE CHARGE کے حامل تھے۔ اگرچہ قدرت کے نظام میں کاربن چار کے حساب سے پایا جاتا ہے لیکن نامیاتی یا زندہ چیزوں میں یہ منفی چارج کا روپ دھار لیتا ہے۔ اور اس طرح ہائیڈروجن کے ساتھ مل کر مرکبات کی ایک زنجیر جیسی بن جاتی ہے بعد میں جاندار خلیوں میں نائیٹروجن کی اہمیت بھی دریافت ہوئی۔ اس کے علاوہ ایسی چیزیں جیسے (ACID AMINO) امینو ایسڈ (نامیاتی مرکب) کی دریافت ہوئی جو یقیناً غیر جاندار اشیاء میں موجود نہ تھیں۔

یہ تمام معلومات آخر جیمز واٹسن (WATSON D.JAMES) کی زندہ چیزوں میں بہت بڑے DNA کی موجودگی کی دریافت پر منتج ہوئیں۔ یہ معلوم ہوا کہ زندہ چیزوں میں نسلیاتی خواص کے حامل جرثومے اس عظیم DNA کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ بہرحال زندگی کے بنیادی ڈھانچے کی دریافت ہوگئی۔ 1950ء سے نامیاتی ڈھانچوں کے مطالعہ پر توجہ بڑھ گئی جس سے یہ دریافت سامنے آئی کہ DNA میں ہائیڈروجن برق پارے (IONS) آپس میں غیر مستقل پلوں کی صورت میں جڑے ہوتے ہیں۔ اب صرف ایک سوال رہ جاتا ہے۔ اگر تمام جسمے (ORGANISMS) یعنی گھاس سے لے کر دماغی عصبیانیہ (NEURONS) اور ہزاروں دوسرے جرثومے ایک ہی سالمہ سے تشکیل پاتے ہیں تو پھر زندگی میں اتنا

گوناگوں تنوع کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے پہلے پہل سالمہ اور ان جوڑوں کے درمیان تعلق کی طرف توجہ دی گئی۔ مگر یہ تمام کوششیں یہ تک معلوم کرنے میں ناکام ہوگئیں کہ اس فرق کی کیا وجہ ہو سکتی ہے جس کی رو سے ایک خلیہ (CELL) ایک طرف تو صفرا BILE بناتا ہے اور وہی خلیہ آنکھ کی پشت پر روشنی کو برق میں تبدیل کرتا ہے۔

آخر میں سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ خلیہ دوسرے لفظوں میں زندگی ایک پیچیدہ ریاضیاتی پروگرام کا معاملہ ہے۔ یعنی ہر قسم کے اعضاء کو، ایک طرح کے کمپیوٹر والے نظام کے تحت بنایا گیا ہے۔ جیسے ایک چھوٹے جیبی کیلکولیٹر۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ "ہم نے تخلیق کیا اور پہلے ہی سے ترتیب دیا۔"

ان سائنسی نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے اب ہم کسی حد تک اس قابل ہو سکتے ہیں کہ تخلیق کے سلسلے میں جوہڑ کے کنارے والی مٹی (QUICKENING OF SOIL) کو سمجھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو مادی شکل میں پیدا کرنے کے بعد مٹی اور پانی میں زندگی پیدا کرنے کے لئے حکم دیا اور زندگی کے سالمہ کو ایک پروگرام (نظم) عطا کیا۔

موضوع نمبر 10

زمین میں قوت کا راز

THE SECRET OF VITALITY IN THE SOIL

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۖۚ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ ـــ یٰسٓ

ترجمہ :- ان لوگوں کے لئے بے جان زمین ایک نشانی ہے۔ ہم نے اس کو زندگی بخشی اور اس سے غلہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں۔" یٰسین (36)

AND A SIGN FOR THEM THE WAY IN WHICH WE GIVE LIFE TO THE EARTH THAT IS DEAD; WE QUICKENED IT AND BROUGHT FORTH FROM IT GRAIN OF WHICH THEY EAT. (CAHPTER-36 V.33)

جیسا کہ ہم نے دوسری آیات کے بارے میں کہا پہلے ان نکات کی نشاندہی کرتے ہیں جو اس آیت میں سائنس سے متعلق ہیں۔

1- اس میں لفظ "مردہ زمین استعمال ہوا ہے نہ کہ "مردہ مٹی" یعنی دراصل اشارہ میں زمین کی تمام قسم کی مٹی مراد لی گئی ہے۔

2- آیت میں یہ فرمان کہ "یہ نشانی ہے" اللہ کے حکم کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے۔

3- ہمارے علم کے مطابق ابتدائی قدرتی حالت میں زمین کسی بھی قسم کی جاندار مخلوق سے خالی تھی۔

4- آیت کریمہ کے ذریعے یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ مٹی جو اپنی سطح پر بے جان نظر آتی ہے دراصل زندگی کی حامل ہے۔ صرف اسی ایک زاویہ سے دیکھا جائے تو یہ آیت بذات خود ایک معجزہ ہے اس لئے کہ صرف ایک سو سال قبل ہی یہ دریافت ہوئی کہ مٹی کے اندر زندہ مخلوق (ORGANISM) پائی جاتی ہیں۔ یہ صرف چالیس سال قبل کی بات ہے کہ یہ دریافت ہوئی کہ تقریباً تمام زمینی مٹی اسی فیصد بیکٹریا جراثیم پر مشتمل ہے اور اس طرح زندہ مخلوق کا گروہ ہے۔

5- آیت کے دوسرے حصہ کی رو سے حبا" سے سبزیوں اور خاص طور پر غلے کا بیج مراد ہے اگرچہ حبا" عام طور پر ایک چھوٹے ہم جسم ذرے کو ظاہر کرتا ہے۔ ہم آیت کے اندرونی معانی اس زاویہ سے دیکھیں گے۔

6- آیت کریمہ یہ بھی اعلان کرتی ہے کہ مٹی کے ذریعہ زندگی نباتات تک پہنچتی ہے۔ اور وہاں سے ہم اور ہماری زندگیوں تک منعکس ہوتی ہے جو حیاتی کیمیا BIOCHEMISTRY کے نقطۂ نظر سے انتہائی اہم بات ہے۔

اگرچہ اس آیت میں لفظ "حبا" عام فہم معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن یہ کہ اس کو نہیں کھایا جاتا ہے۔ منہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کھایا جاتا ہے۔ اس کے نباتاتی خوراک ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔

اس آیت مبارکہ کو اس کی باریکیوں سمیت سمجھنے کے لئے ہمیں زندگی اور توانائی کے بنیادی نظریات کو سب سے پہلے سمجھ لینا چاہئے کیونکہ پچھلے چند سالوں میں توانائی کا نظریہ زندگی کافی حد تک تبدیل ہو کر اپنے اندرونی چھپے ہوئے معانی کے بہت قریب آگیا ہے۔ پرانے دنوں کا حیاتیاتی علم اب بہت پیچھے رہ گیا ہے۔

زندگی ایک ریاضیاتی پروگرام ہے جو ایک بہت بڑے کیمیائی سالمہ پر لکھ دیا گیا ہے۔ قرآن نے یہ حقیقت، جواب دریافت ہوئی ہے چودہ سو سال قبل اس ارشاد کے ذریعے ظاہر کردی تھی کہ "ہم نے اسے مائع کے ایک قطرے سے پیدا کیا۔ ہم نے اسے صورت دی۔" (سورۃ عبس۔ آیت نمبر19)

اللہ نے مٹی میں نائٹروجن مہیا کرکے پہلے پہل جرثومہ BACTERIA پیدا کیا۔ کیمیاوی نام میں یہ لیبارٹری کے آمیزے SYNTHESIS ہیں۔ یعنی یہ ہوا سے نائٹروجن لے کر گرفت یعنی جوہر کی ملاپ کی طاقت استعمال کرتے ہوئے مرکبات تیار کرنے کا عمل ہے۔ یہ جرثومے نائٹروجن اس طریقے سے استعمال میں لاتے ہیں جو ہائیڈروجن سے یک جان ہوجاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے انہیں پانی اور بارش کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بارش کے ساتھ ہی مٹی میں سے زندگی پھوٹ پڑتی ہے۔

دوسری قسم کے زمینی جرثومے (BACTERIA) جن کو تجزیاتی گروپ (ANALYTICAL GROUP) کہتے ہیں جو قدرت کے نظام کے مطابق ایک خاص عمل کرتے ہیں۔ یہ ہر اس شے کو جو زمین پر گرتی ہے توڑ پھوڑ کر آمیزے کو جرثوموں کے لئے (SYNTHESIZING) کا راستہ بناتے ہیں۔ نتیجتاً مٹی ایک عظیم کیمیاوی کارخانے سے مماثلت رکھتی ہے۔ اگر پانی کو نکال دیا جائے تو مٹی کے ایک گرام کا بیشتر حصہ جرثوموں (MICROBES) پر مشتمل ہوتا ہے۔

نباتات کے علم میں مٹی کو مکمل طور پر ایک زندہ ڈھانچہ سمجھا جاتا ہے۔ یعنی زمین پر زندگی کی ابتداء سے ہی مٹی کو ایک زندہ حقیقت مانا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ کا ایک معجزہ یہ ہے کہ اس نے ہمیں اس کا علم چودہ سو سال پہلے سے پیشگی طور پر مہیا کردیا تھا۔

چونکہ اب زندگی کا نظریہ اس موقع پر قابل فہم ہوگیا ہے میں ایک اور اہم موضوع کی طرف بحث کو لے جاتا ہوں۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ غیر مسلم ملحد لوگ کس طرح حقائق کو توڑ مروڑ کر مختلف حشرات اور جراثیم کی پیدائش کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرتے ہیں۔ ملحدوں کے کہنے کے مطابق زمین پر مخلوق کی ابتدا ایک خلیہ (CELL) سے ہوئی اور ارتقاء کے ذریعے سے پیدائش کا عمل نباتات اور مختلف اقسام کے جانداروں کی پیدائش کی صورت میں بڑھتا گیا۔ اسے نظریہ ارتقاء (THEORY EVOLUTION) کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے معصوم ذہن حیران ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ زندگی کے امور جو مٹی کو زندگی عطا کرتے ہیں اور اس طرح بیجوں میں سے نباتات کی پیدائش نظریہ ارتقاء کے بالکل مخالف ہے۔ قرآن میں دیئے گئے حقائق بالکل صحیح ہیں جبکہ دیگر نظریات بالکل غلط ہیں۔

پیدائش کا نظریہ ارتقاء انیسویں صدی کے آخر میں پیش کیا گیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' یہ خیال کیا جاتا تھا کہ حیاتی مخلوق مختلف کیمیائی ڈھانچوں پر مشتمل تھی۔ چھوٹی مخلوق چھوٹے کیمیائی مرکبات کی حامل تھی جبکہ زیادہ پیچیدگی کی حامل مخلوق کے لئے یہ مرکبات مختلف تھے۔ خلیہ CELL کے اندر ریاضیاتی پروگرام کا موجود ہونا کسی کے علم میں نہیں تھا۔ اگرچہ حیاتی ڈھانچے کا ارتقاء پہلا قدم تصور کیا جاتا تھا لیکن درحقیقت مخلوقات کے بڑھنے کے سلسلے میں اختلافات ایک ریاضیاتی پروگرام میں موجود تھے۔ ان پروگراموں کے بالکل بے عیب ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ نہ ہی ان سے کسی ارتقاء کا ثبوت ملتا ہے جب ایک خلیہ CELL صفرا (بائل) کی مدد سے اور زمین میں نائٹروجن بنانے والے جراثیم اپنا اپنا عمل کرتے ہیں تو یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان میں سے کون زیادہ اہم عمل کرتا ہے۔ بہرحال کیمسٹری کی رو سے نائٹروجن کو ہائیڈروجن سے باندھنا یا یکجان کرنا زیادہ مشکل عمل ہے۔ اسی طرح بیکٹریا (BACTERIA) کو سادہ ترین مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ان کا کام نہ تو ذہن میں عصبانیہ (NEURON) ہی کر سکتا ہے' اگرچہ یہ جرثومے کی ترقی یافتہ شکل ہے' اور نہ ہی کوئی انسانی دانائی۔ مثلاً جب کیڑے مار دوا DDT کا بے دریغ استعمال ماحولیات میں تباہی مچا رہا تھا' عام گھریلو مکھی جسے سادہ' نچلی سطح کی مخلوق سمجھا جاتا ہے' نے اپنے اعصابی نظام میں ایسے سیال پیدا کر لئے کہ اس دوا سے اس مکھی کو مارنا ناممکن سا ہوگیا۔ اگر انسانی دماغ میں ایک عصبانیہ (NEURON) اپنے طور پر ہزاروں سال بھی محنت کرتا رہتا تو اس قسم کا علاج اور احتیاط نہ پیدا کر سکتا۔

اب بتایئے' کون سا خلیہ (CELL) ارتقائی عمل میں مصروف ہے؟ بلاشک انسان تمام مخلوقات میں سے بہترین مخلوق ہے۔ لیکن جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا ہے وہ بھی اس آسمانی پروگرام سے باہر کچھ نہیں

کرسکتا جو اس کے لئے مخصوص ہے ورنہ وہ کس طرح ایک مکھی سے شکست کھا گیا؟

اس طرح اب اگر بغور دیکھا جائے تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ارتقاء کا نظریہ دراصل انسان کے اپنے ذہن کی اختراع ہے۔ سمندروں کی تہہ میں چمکتے ہوئے اعضاء والی مچھلیاں لاکھوں سالوں سے تیر رہی ہیں۔ جس طرح کہ چمگادڑ، راڈار والی خاصیت کی بدولت ازمنہ قدیم سے اڑ رہے ہیں۔ یہ تو موجودہ دور ہی میں ہے کہ انسان ان خصوصیات کی دریافت کو اپنے فائدہ کے لئے استعمال کرنا سیکھ رہا ہے۔

جدید علم حیاتیات میں زندگی کے متعلق سب سے اہم سوال یہ ہے کہ مخلوقات کے جینی فارمولے (GENETIC CODE) کے وراثتی ہونے کے باوجود کسی میں صلاحیتیں کیسے ودیعت کی جاتی ہیں جب حیاتیاتی نظام اپنے والدین سے تمام خصلت وراثت میں حاصل کرتا ہے۔ یہ کس طرح فہم وادراک سے دور صلاحیت حاصل کر کے اپنی زندگی کے تسلسل کو جاری رکھتا ہے؟ اگر زندہ مخلوق ایک کمپیوٹر جیسے نظام کو ظاہر کرتی ہے تو یہ نظام یا پروگرام کس طرح بغیر کسی نقصان کے ایک نسل سے دوسری نسل کو پہنچتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں جدید علم حیاتیات BIOLOGY نے مان لیا ہے کہ ایک خاص پروگرام جیسا جینی فارمولا GENETIC CODE ہر کروموسوم CHROMOSOME پر کندہ ہوتا ہے اور خود بخود ایک فارمولا نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا ہے۔ یہ جینی نقطہ اگرچہ خلیوں (CELLS) میں بہ نظر غائر یکساں نظر آئے گا مگر درحقیقت ان خلیوں میں جو جنینی (EMBRYONIC) ہوتے ہیں ان میں اور دوسری طرف ہڈی کے گودے والے خلیوں کے باہمی رشتہ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ "وہی ان سارے پھلوں کو جانتا ہے جو اپنے شگوفوں سے نکلتے ہیں وہی جانتا ہے کون سی مادہ حاملہ ہوئی ہے۔" سورۃ حم السجدہ۔41 آیت 24) اس آیت کریمہ کے اس حصے کے معنی ہیں کہ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہر خلیے کو ایک تواتر کے ساتھ ریاضیاتی پروگرام دیا جاتا ہے۔

اوپر کی آیات سے مجموعی طور پر یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ زندگی اور توانائی کے دو مختلف پہلو ہیں۔ مالیکیول یعنی سالمے جو جسمیہ (ORGANISM) بناتے ہیں وہ اس کے مادی حصے کی تشکیل دیتے ہیں جبکہ اس میں ریاضیاتی پروگرام مہیا کرنا ایک طرح سے کمپیوٹر (COMPUTER) کا پروگرام ترتیب دینا ہے۔ ایک طرح سے یہ پروگرام جسمیہ یعنی (مخلوق) کی قسمت ہے۔

قسمت کے نظریہ میں ہم یہ بات دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں کہ ہر واقع کے بعد حتمی طور پر اس کا نتیجہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ یٰسین کی آیت نمبر 12، ایک عظیم راز ہمیں بتاتی ہے کہ تمام مخلوق کے متعلق لوح محفوظ میں ان کی ذاتی صلاحیتوں کا اندراج کر دیا گیا ہے۔ یہ اعلان زندگی کے لئے بھی اٹل قانون ہے۔ ہر چیز

ایک ٹہنی کا خلیہ' ایک پھول یا ایک مثانے کا خلیہ کس طرح عمل کرے گا اس کا ایک فارمولا اور پروگرام بنا کر اللہ کی قدرت سے ایک خلیاتی کمپیوٹر میں درج کر دیا گیا۔

اس آیت کریمہ کے جس کو ہم سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں' دوسرے حصہ میں زندگی کے تسلسل کا اصول بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ مٹی میں زندگی کی ابتداء کر کے اور زمین میں لازمی حیاتیاتی مواد اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ نے نباتات پیدا کئے جو دوسری جاندار مخلوق کے لئے بنیادی ڈھانچہ مہیا کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ آیت کریمہ میں "حبا" یعنی دانے کا ذکر کیا گیا۔ ایک طرف تو وہ پودے کا بیج ہے اور دوسری طرف ایک مکمل خلیے (CELL) کا سازوسامان ہے یعنی وہ تمام مادی لوازمات جو ایک جسمیہ کو بناتے ہیں اس میں موجود ہیں۔ یہ حقیقت ماضی قریب میں بھی انسان کے علم میں نہ تھی۔ اس کا کسی کو یقین نہیں تھا کہ ایک دانے میں ایک ہی وقت کا نشاستہ CARBOHYDRATES لحمیے یعنی پروٹین (PROTEIN) جو تمام جانداروں کے لئے انتہائی اہم ہوتے ہیں اور جسم کی بالیدگی اور امراض سے ہونے والی کمی کی تلافی کرتے ہیں' چکنائی' حیاتین (VITAMINS) اور معدنیات پائی جاتی ہیں یہاں تک کہ کچھ عرصہ پہلے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ گندم اور اسی قسم کے دیگر پودوں سے طاقت بخش خوراک حاصل نہیں کی جا سکتی تھی۔ مگر دانا "حبا" دراصل ان تمام بنیادی اشیاء کا حامل ہوتا ہے جو زندگی کے لئے ضروری ہیں۔

یہ حقیقت بھی پوری طرح ذہن نشین رہنا چاہئے کہ نباتات کے خلیے اور حیواناتی خلیے ایک طرح سے مشترکہ عمارتی اینٹیں (بلڈنگ میٹریل) ہیں ان میں فرق ان کے پہلے سے ترتیب دیئے ہوئے پروگراموں میں ہوتا ہے۔

اس آیت کے سب سے اندرونی معانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ کے حکم سے طاقت یافتہ مٹی ایک محضن INCUBATOR کا کام دیتی ہے۔ جس میں جسمیے بنتے ہیں یہ راز آیت کے دوسرے حصہ میں عیاں ہے۔

تاب پذیر FERTILIZED انڈا تین بنیادی طریقوں سے ترقی پذیر ہوتا ہے۔

نمبر1- زمین کے اندر۔ جیسے پودے۔

نمبر2- ایک انڈے کے خول کے اندر۔ جیسے عام طور پر جانوروں کے بارے میں ہے۔

نمبر3- رحم مادر میں۔ جیسے کہ دودھ والے جانور (MAMMALS)۔

درحقیقت سائنسی نقطہ نظر سے ایک ہی مقصد یعنی جسمیہ میں زندگی کو بتدریج مستحکم کرنا ہے۔ ایک تاب پذیر انڈے کو نشوونما کے لئے ایک مخصوص عرصہ درکار ہوتا ہے۔ تاکہ اس سے ایک نیا جسمیہ بن سکے۔ علم حیاتیات کی رو سے یہ ایسا عمل ہے جس میں بیج کے جرثومے (CELLS) آپس میں افزائش نسل کے عمل میں اس طرح مصروف رہتے ہیں کہ ایک نیا جسمیہ وجود میں آجاتا ہے۔ اس دوران میں بیج کو حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اسے اپنے اردگرد کے ماحول سے مخصوص کیمیکل اور برقی پارے (IONS) اپنی طرف مبذول کرنے پڑتے ہیں جن کے متعلق ہم ابھی تک یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس طرح سے وہ مخصوص پروگرام کے مطابق زندگی کی جلا پاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اس نے زمین کو یہ خاصیت دی۔ زمین کی صرف ایک خاصیت کی وجہ سے دانے کی افزائش ظاہر کی گئی ہے۔

دراصل زمین کی یہ خاصیت یوم آخرت کی طرف بھی توجہ دلاتی ہے اور وہ بھی ریاضاتی انداز میں کہ اس آیت کریمہ کے رموز دوبارہ ظاہر ہوں گے اور مردے اچانک زندگی پائیں گے۔

اس آیت کے ذریعے آدم کی مٹی سے پیدائش بھی دو طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ حضرت آدم کو مٹی کی کیچڑ والی صورت سے پیدا کیا گیا۔ اس آیت کا مطالعہ بعد میں آئے گا۔ فی الحال اہم بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنی قدرت سے مٹی کو زندگی کی خصوصیات عطا فرمائی۔ آیت کے دو فقروں سے بالکل عیاں ہوجاتا ہے کہ اللہ نے مٹی کو زندگی کے ساتھ ساتھ وہ توانائی بھی عطا کی جس کی مدد سے مزید زندگیاں وجود میں آتی ہیں اور نشوونما پاتی ہیں جس کی مثال غلے کے نکلنے کا راز ہے۔

سورہ یٰسین کی آیت 32 میں جس طرح سب لوگوں کا یوم آخرت میں دوبارہ پیدا ہونا بتایا گیا ہے یہ آیت کریمہ ایک طرح سے یوم آخرت پر دوبارہ پیدا ہونے کے راز کا سلسلہ مٹی سے زندگی کی جلا کے راز سے ملاتی ہے۔

دور جدید میں ہم نے زمینی حیات BIOLOGY کے متعلق بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں اس علم کا ایک خلاصہ یوم حساب کی نسبت پیش کرتا ہوں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ مٹی میں وہ تمام خصائل موجود ہیں جو ایک بیج کے ذریعہ سے ایک جسمیہ بنانے کے لئے ضروری ہیں یعنی مٹی ایک زرخیز شدہ جسمیہ کو اس طرح زندگی دیتی ہے جیسے رحم مادر۔ ایک زرخیز شدہ انڈہ FERTILIZED EGG اور بیج ایک دوسرے سے اس طرح مشابہت رکھتے ہیں کہ یہ دونوں جینی کوڈ GENE TIC CODE کے حامل ہوتے ہیں اور از سرنو پیدائش کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ جینی کوڈ، زندگی اور خصوصیت کا وہ راز ہوتا ہے جو پیدا ہونے والے جسمیہ

میں ودیعت ہوتا ہے یہ جینی کوڈ حجم میں ایک سینٹی میٹر کا دس لاکھواں حصہ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر تجسس کی وجہ سے ان انسانوں کے جواب تک زندہ رہ چکے ہیں، جینی کوڈز یکجا کیئے جائیں تو وہ ایک پانی پینے والے گلاس کو بھی پر نہ کر سکیں گے۔

اس امر میں کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہئے کہ اگر اللہ رب العزت چاہتا تو وہ انسانی بیج کو مٹی میں بھی تیار کر سکتا تھا۔ بے شک اللہ نے اس آیت میں ارشاد کیا کہ "ان کے لئے بے جان زمین نشانی ہے ہم نے اس کو زندگی بخشی اور غلہ (دانہ) نکالا۔" جو کہ ایک سائنسی قانون کا بیان ہے۔ یہ آیت صاف ظاہر کرتی ہے کہ کس طرح یوم آخرت میں دوبارہ پیدائش کا عمل علم حیاتیات کے استدلال سے مطابقت رکھتا ہے۔

آیت کریمہ میں بیان کردہ حقائق اور ان کے سائنسی نتائج کا خلاصہ یہ ہے۔

1- بے جان زمین میں زندگی کی افزائش کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ ایک بہت بڑا عالی شان اعجاز ہے۔ واقعات کی وہ ترتیب جسے ہم زندگی کا نام دیتے ہیں مٹی میں زندگی کے راز سے آشکار ہے۔

2- یوم حساب بھی از سر نو زندگی کے راز سے قریبی طور پر وابستہ ہے جو کوئی بھی یوم حساب کے متعلق کسی قسم کا شک رکھتا ہے اگر وہ زمین میں اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ حیات نو اور حیات انسانی کے رموز پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے شکوک بے بنیاد ہیں۔

3- زندگی کا وجود سب سے پہلے اور بنیادی طور پر پہلے سے تربیت دیا ہوا ریاضیاتی پروگرام ہے۔ قدیم اور ترقی یافتہ جسمیہ کا فرق من مانے اور ستمگرانا دعوؤں پر مبنی ہے۔ ہر جسمیہ ایک مکمل پروگرام کی نمائندگی کرتا ہے۔ اسی وجہ سے زندگی کے متعلق نظریہ ارتقاء بنیادی اصولوں کے لحاظ سے محض ایک مغالطہ اور فریب کاری ہے۔ (i)

(i) انسانی زندگی کے ارتقاء کے نظریہ THEORY OF EVOLUTION کے غلط ہونے پر مختلف اوقات میں شہادت ملتی رہی ہے۔ آج کی سائنس کی مدد سے یہ نظریہ بنیادوں تک ہل گیا ہے۔ مثلاً قدیم جرمنی میں نینڈر تھیل NEANDERTHAL جو موجودہ انسان کے نیم انسان آباؤ اجداد تصور کئے جاتے ہیں، کے متعلق 62 ہزار سال قبل کی جو معلومات حاصل ہوئیں ہیں۔ ان کے مطابق ذہنی اور جسمانی طور پر اس وقت اور موجودہ دور کے انسان میں کوئی بنیادی فرق نہیں ملا ہے بلکہ عراق کے شنیدر غار میں پائے گئے ڈھانچوں سے معلوم ہوا ہے کہ زمانہ قدیم کا انسان ہمدردی اور سوشل معاشرے پر مشتمل تھا مثلاً ایک ایسے انسان کا ڈھانچہ ملا ہے جو جسمانی طور پر مفلوج تھا۔ اس کا ایک پاؤں نہیں تھا اور بازو سوکھا ہوا تھا۔ پھر بھی وہ

تیس سال کی عمر تک پہنچا۔ یعنی معاشرے نے اس کی دیکھ بھال کی تھی۔ اس زمانے کے انسان کا دماغ بھی آج کے انسان کے دماغ سے کچھ بڑا تھا اگرچہ اس نے اس سے کم کام لیا تھا۔ یہ تحقیقات ہاورڈ یونیورسٹی کے دماغی ساخت کے ماہر ٹیرنس ڈیکن TERRENCE DEACON کی ہیں۔ اسی طرح موجودہ اسرائیل میں نزرتھ NAZARETH کے قریب قعزہ کے غاروں سے بھی جو قدیم انسان کے متعلق معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے مطابق بھی نظریہ ارتقاء غلط ثابت ہوتا ہے۔ فرانسیسی یونیورسٹی بورڈ BORDEAUZX کے علم الانسان کے ماہر برنارڈ وینڈر میش BERNARD VANDERMEERCH کے بقول قدیم انسان بھی خاصے ترقی یافتہ تھے وہ غاروں میں پتھروں کے ہتھیار بنانے کی فیکٹری چلاتے تھے، مختلف رنگوں کا اپنے جسم اور لباس پر استعمال کرتے تھے، اپنے مردوں کو دفن کرتے تھے اور اپنے معذوروں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ماؤنٹ سینائی میڈی کل سینٹر کے ڈاکٹر جیفری لیٹ مین LAITMAN کا کہنا ہے کہ قدیم انسان کے متعلق بیسویں صدی کے شروع میں یہ نظریہ کہ وہ غبی اور وحشی تھا غلط ہے۔

شیروں بگلی SHARON BEGLEY اور فیونا گلیزز FIONA GLEIZES کے مطابق مزید تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ قدیم انسان کے متعلق صحیح نظریہ قائم کیا جا سکے ورنہ جیسا کہ پوگو POGO نے کہا ہم نینڈرتھل یعنی انسان کی قدیم ترین شکل سے ملے ہیں اور وہ "ہم" ہے۔ اس طرح قرآن کا نظریہ بار بار صحیح ثابت ہوتا ہے جبکہ ڈارون اور دوسرے ملحد انسان بار بار غلط ثابت ہو رہے ہیں۔ (مترجم)

موضوع نمبر 11

وضو، اچھی صحت کا بہترین نسخہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغْسِلُوا۟ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى ٱلْمَرَافِقِ وَٱمْسَحُوا۟ بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى ٱلْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَٱطَّهَّرُوا۟ ۚ المآئدۃ ۵

ترجمہ : اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز (صلوۃ) ادا کرنے کے لئے تو دھولو اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں تک۔ اور مسح کرو اپنے سروں پر اور دھولو اپنے پاؤں ٹخنوں تک۔ اور اگر ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کرلو۔" (سورۃ المائدہ آیت 6)

"O BELIEVERS, WHEN YOU STAND UP FOR PRAYER, WASH YOUR FACES, AND YOUR HANDS UP TO THE ELBOWS, AND WIPE YOUR HEADS, AND WASH YOUR FEET UP TO THE ANKLES. IF YOU ARE UNCLEAN, BATHE YOUR WHOLE BODY..."

(CHAPTER 5) (THE TABLE), VERSE 6)

قرآن کے بہت سے حیرت انگیز حقائق میں سے یہاں ایک عظیم نسخے کا بیان کیا جارہا ہے ایک دن آئے گا جب غیر مسلم بھی اس طہارت یا وضو کی نقل کریں گے جس کی برکات، بغیر اس کا احساس کئے ہوئے، ہم پچھلی چودہ صدیوں سے حاصل کر رہے ہیں۔

قرآن کی اس آیت کی معرفت ابھی ماضی قریب ہی میں دنیا نے جسمانی طہارت یعنی غسل کی برکات کو پہچانا ہے۔ ایسے معاشرے جو اپنے آپ کو تہذیب یافتہ کہلاتے ہیں انہوں نے بھی صرف پچھلے ستر سال سے چہرے اور جسم کو دھونا شروع کیا ہے۔ ہم نے اس کے مقابلہ میں اس نعمت سے صدیوں پہلے فائدہ اٹھانا سیکھ لیا تھا۔ اس سلسلے میں سائنسی حقائق پر علم حیاتیات کے ماہرین نے پچھلے بیس سالوں میں کئی دریافتیں کی ہیں۔ آیئے اب دیکھیں کہ طہارت اور وضو سے کس طرح انسانی صحت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ وضو کے تین اہم

فوائد ہیں۔

الف : خون کی شریانوں کے عمل پر وضو کے اثرات

خون کی شریانوں کے عمل کا نظام دو بڑے حیاتیاتی اصولوں پر قائم ہے۔ پہلا اصول دل کا وہ کام ہے جس سے خون کو خلیاتی ریشوں بلکہ بالخصوص ایک ایک خلیہ تک پہنچانا ہے۔ دوسرا اصول جسم میں استعمال شدہ خون کو دل تک واپس پہنچانا ہے اگر ایک دفعہ یہ دو طرفہ دوران خون درہم برہم ہو جائے تو ڈائسٹالک (DIASTOLIC) خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ ڈائسٹالک دل کی دھڑکن کا وہ عمل ہے جس سے دل کا پٹھا کھنچاؤ کے بعد ڈھیلا پڑتا ہے جس کی وجہ سے دل شریانوں سے واپس آنے والے خون سے دوبارہ بھر جاتا ہے خون کے اس دباؤ کے بڑھنے سے بڑھاپے کے عمل میں تیزی آجاتی ہے بلکہ اجل کی آمد کی رفتار میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس دو طرفہ دوران خون کا سب سے اہم پہلو کیا ہے؟

اس سوال کا جواب بہت سالوں سے معلوم ہو چکا ہے۔ یہ ان رگوں یا شریانوں کا صحت مند عمل ہے جس سے خون کو دل سے وریدوں تک پہنچایا جاتا ہے اور پھر بال سے باریک بافتوں اور شریانوں سے خون کو دوبارہ دل تک پہنچایا جاتا ہے خون کی بافتیں یا نسیں ان لچکدار ٹیوبوں سے مماثلت رکھتی ہیں جو دل سے (شاخیں) نکل کر بدن میں پھیلتی ہیں اور جوں جوں ان کا فاصلہ بڑھتا ہے۔ اسی قدر ان کی شاخیں پتلی ہوتی جاتی ہیں۔ اگر یہ باریک ٹیوبیں سخت ہو کر اپنی لچک کم کردیں تو دل پر دباؤ بڑھ جاتا ہے اس کو علم صحت کی اصطلاح میں ARTERIOSCLEROSIS یا شریانوں کا سخت ہونا کہا جاتا ہے۔

ہماری زندگی کے مختلف پہلو، ان شریانوں کے سخت غیر لچکدار اور سکڑنے کا باعث ہوتے ہیں۔ طب کے علم میں یہ مضمون جو تیز تر بڑھاپے اور فرسودگی کی بنیاد ہے ایک الگ اور تحقیق طلب شعبہ ہے۔ غیر مناسب غذا اور اعصابی رد عمل خون کی شریانوں اور باریک رگوں پر بے حد نقصان دہ طریقے سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ اگر خون کی رگوں کے سخت ہونے کے عمل کا بغور مطالعہ کیا جائے تو کیا کوئی ایسا عملی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جس سے اس زوال یا انحطاط کو روکا یا کم کیا جا سکے؟

خون کی نالیوں کا سخت، غیر لچکدار یا سکڑنا کوئی اچانک عمل نہیں ہے بلکہ یہ سلسلہ ایک لمبے عرصہ پر محیط ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ نالیاں جو دل سے دوری پر یعنی دماغ پاؤں اور ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔ زیادہ اثر قبول کرتی ہیں۔ غیر لچکدار اور سکڑنے کا عمل کم رفتار سے شروع ہو کر وقت کے ساتھ ساتھ تیزی سے

بڑھتا جاتا ہے۔

لیکن ہماری روزمرہ زندگی میں ایک خاص چیز ہے جو ایک طرح سے خون کی نالیوں کو متبادل طریقے سے پھیلنے اور سکڑنے کے عمل کے ذریعے ورزش مہیا کرتی ہے۔ وہ خاص چیز ہے پانی۔ پانی جو درجہ حرارت (ٹمپریچر) کا اتار چڑھاؤ پیدا کرتا ہے گرم پانی خون کی ان نالیوں کو جو دل سے فاصلہ پر ہوتی ہیں کھول کر یا چوڑا (DILATE) کر کے لچک اور طاقت مہیا کرتا ہے اسی طرح سرد پانی ان کو سکڑنے کے عمل سے گزارتا ہے۔

اسی طرح ورزش کا یہ عمل ان غذائی چیزوں کو جو نسوں میں خون کی سست گردش کی وجہ سے جم جاتی ہیں دوبارہ خون کی گردش میں شامل کردیتا ہے۔ یہ ٹمپریچر میں تبدیلی کی وجہ سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ ان سائنسی اور طبی حقائق کو جاننے کے بعد اب یہ ممکن ہوگیا ہے کہ آیت کریمہ میں دی گئی اس نصیحت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وضو میں ہاتھ پاؤں اور منہ کو دھولیا جائے۔ کیا یہ بجائے خود ایک معجزہ نہیں ہے۔ بطور خاص کیا آیت کریمہ کے دوسرے حصے کے راز کو نہ سمجھنا ناممکن ہے۔ جس میں کہا گیا کہ "اللہ پوری کردے اپنی نعمت تم پر؟"

اللہ نے ہمیں خون کی گردش کا بیش بہا انعام عطا کیا ہے۔ اس کا ارشاد کہ ہم وضو کا عمل کریں تاکہ ہم پر اللہ کی نعمت اس طرح ہو کہ دوران خون اس طرح متناسب طریقے سے قائم رہے کہ ہم مکمل طور پر صحت مند رہیں۔

عزیز قاری! وضو کی لاتعداد برکتوں میں سے یہ صرف ایک تحفہ ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اس حقیقت کو نظرانداز کردیا جائے کہ کس طرح وضو کا عمل جسمانی اور ذہنی ضعف اور فرسودگی کو کم رفتار بنادیتا ہے۔ جو دماغ میں خون کی نسوں کے سخت اور غیر لچکدار ہونے کی بنا پر ہوتا ہے۔ وضو کی برکات سب سے زیادہ اس شخص کی صحت پر نظر آتی ہیں جو بچپن سے اس کا عادی رہا ہو۔

(ب) وضو کا متعدی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے نظام پر اثر :-

لمفی (LYMPHATIC) گردش پر وضو کا اثر :-

خون میں گردش کرتے ہوئے سرخ خلیوں (CELL) کے ساتھ ساتھ سفید خلیئے (LEUCOCYTES) بھی ہوتے ہیں۔ سفید خلیوں کو گردش میں رکھنے والا نظام (VESSELS) اس نظام سے دس گنا پتلا (THINNER) ہوتا ہے جو سرخ خلیوں کو گردش میں رکھتا ہے۔ اس بے رنگ مادے کو ہم کسی چھوٹے زخم یا خراش کے کناروں سے رستے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ اب یہ گردش جسم کے تمام

مقامات کو محفوظ رکھنے والے نظام کے تحت اپنی جگہ پر قائم رکھتی ہے۔ ایک جرثومہ ایک نامعلوم چیزیا کینسر کا خلیہ، جس کی وجہ معلوم نہ ہو۔ جب وہ جسم پر حملہ آور ہوتا ہے تو جسم میں محفوظ رکھنے کا نظام (لیکوسائیٹس) جو خون کی گردش میں شامل ہوتا ہے اس کو تباہ کردیتا ہے۔ جسم میں کینسر کی متعدی بیماری کے ظہور کا انحصار اس محفوظ رکھنے والے نظام کے خراب ہوجانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہ گردش میں رکھنے والا نظام (VESSELS) کس طرح پھیلتا یا سکڑتا ہے۔ اس کے متعلق ابھی تک حتمی طور پر معلوم نہیں ہوسکا۔ لیکن پھر بھی یہ معلوم ہوچکا ہے کہ حدت اور ٹھنڈک اس نظام پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ عام نزلہ زکام کے دوران کسی متعدی بیماری کا لگ جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ سکڑنے کی وجہ سے محفوظ رکھنے والا مادہ مناسب مقدار میں اس مقام تک نہیں پہنچ سکا جہاں سے جسم پر نقصان دہ جرثومے یا خلیے حملہ آور ہوئے ہیں۔

جسم کے حفاظتی نظام کی گردش کا سلسلہ عام طور پر وضو کے ذریعے محرک کرنے کے عمل سے جڑا ہوا ہے۔ جسم کے حفاظتی نظام کو جو بیماریوں کے خلاف ڈھال کا کام کرتا ہے، وضو سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح آیت کے آخری حصہ میں جس نعمت کا ذکر کیا گیا ہے وہ پوری طرح سے عیاں ہوجاتی ہے۔

اس موقع پر یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ اگرچہ خون میں حفاظت کرنیوالا (LYMPHATIC) نظام وضو سے تقویت حاصل کرتا ہے لیکن یہ تو ایک اتفاقی اور بغیر کسی خاص نیت کے نتیجہ (SIDE EFFECT)۔ ہے مگر آیت کریمہ وضو کے لئے صاف اور دوٹوک حکم کے ذریعے اس خیال کو غلط ثابت کررہی ہے بلکہ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ جس طرح سے وضو کیا جاتا ہے اس کا مقصد جسم میں حفاظتی نظام کو تقویت پہنچانا ہے اس کی وجوہ یہ ہیں۔

نمبر1 : جسم کو تحفظ دینے والے لمفی (LYMPHATIC) نظام کے صحیح طور پر عمل پیرا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جسم کے کسی چھوٹے سے حصہ کو بھی نظرانداز نہ کیا جائے۔ وضو اس امر کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔

نمبر2 : جسم میں حفاظتی نظام کو تحریک دینے کے لئے مرکزی مقام وہ جگہ ہے جو ناک کے پیچھے اور نتھنوں میں ہوتا ہے اور ان مقامات کا دھونا وضو میں بطور خاص شامل ہے۔

نمبر3 : گردن کے دونوں طرف وضو کے ذریعے تحریک پیدا کرنا تحفظ دینے والے لمفی (LYMPHATIC) نظام کو بروئے کار لانے میں بے حد اہم ہے۔

اوپر دیئے گئے حقائق کی وجہ سے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وضو کا مقصد انسانی جسم کے حفاظتی نظام کو

تقویت دینا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ایک مثال کی مدد سے یہ ثابت کرنا چاہوں گا کہ کس طرح وضو کرنے کا عمل انسانی جسم کی حفاظت کے انتظام کو مضبوط تر بناتا ہے اور اس طرح اللہ کی مہربانی کے مکمل ہونے کا اظہار کرتا ہے۔

انسانی جسم کے سب سے طاقتور اور جنگجو خلیئے جنہیں لمفی (LYMPHOCYTES) کہتے ہیں جسم کے دور دراز مقامات تک پہنچتے ہیں۔ اور شدید حیاتیاتی مشقوں سے گزر کر جسم کے ہر مقام پر ایک دن میں دس مرتبہ گشت کرتے ہیں۔ اس دوران اگر ان کی مڈبھیڑ کسی جرثومے یا کینسر کے خلیئے سے ہوتی ہے تو ان کو فوراً تباہ کر دیتے ہیں۔ کیا یہ اللہ کی طرف سے ایک انتہائی اعلیٰ درجے کی نعمت نہیں ہے؟

اگر کبھی دوران خون میں کسی قسم کا نقص پیدا ہوتا ہے اور اگر آپ اپنی وضو کرنے کی عادت کے ذریعے اسے رد کر سکتے ہیں تو کیا یہ قدرت کی عظیم مہربانی کی تکمیل کے علاوہ کچھ اور چیز ہو سکتی ہے؟

(ج) وضو اور جسم کی ساکت برق (STATIC ELECTRICITY)

جسم میں سکونی برق کا ایک توازن موجود ہوتا ہے اور ایک صحت مند جسم کی فعلیات (PHYSIOLOGY) کا اس برقی توازن سے گہرا رشتہ ہوتا ہے۔

فضائی حالات اور پلاسٹک سے بنے ہوئے ملبوسات اور اشیاء ضرورت جو آج کل ایک بہت بڑا مسئلہ ہیں، اس توازن کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ درد انگیز بیماریاں، جلدی امراض اور چہرے کی جھریاں اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ہم میں سے بہت سارے لوگ اب اس برق کے متعلق جاننے لگ گئے ہیں۔ اس کی اثر اندازی ہوتی ہے خاص طور پر جب ہم موٹر کار سے باہر نکل رہے ہوں یا جب کسی پلاسٹک کی کار میں بیٹھے ہوں۔ طوفانی موسم کا بھی اسی قسم کا اثر ہوتا ہے۔ اکوپنکچر (سویوں سے علاج) (ACUPUNCTURE) اور پٹھوں کے علاج سے اس برقی عدم توازن کا علاج کیا جاتا ہے۔ مگر ہم اس قسم کی تکالیف سے بچ سکتے ہیں اگر ہم دن میں کئی دفعہ وضو کرتے ہوں۔

سکونی برق کے مسائل سے کئی قسم کی نفسیاتی (PSYCHOSOMATIC) بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ میں ان کے متعلق تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ میں صرف خوب صورتی کے متعلق بات کروں گا جو آج کل بے حد فیشن ایبل مضمون بن چکا ہے۔

سکونی برق کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر جلد کے نیچے نزدیک ترین چھوٹے چھوٹے پٹھوں پر اس تسلسل سے پڑتا ہے کہ بالآخر یہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وقت سے پہلے جھریاں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں

اور یہ چہرے سے ہی شروع ہوتی ہیں۔ یہ عمل تمام جسم پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اس موقع پر میرے قاریوں میں سے بہت سے لوگوں نے ان لوگوں کے چمکتے ہوئے چہروں کا راز پالیا ہوگا جو ساری زندگی وضو کرنے کے عادی رہے ہیں۔ جو کوئی بھی وضو کی عادت رکھتا ہے وہ یقیناً زیادہ صحت مند اور نتیجتاً" زیادہ خوب صورت جلد کا مالک ہوتا یا ہوتی ہے۔

ہمارے زمانے میں یہ ایک معجزہ ہی ہے کہ جب اس خوبصورتی کے لئے کروڑوں کے اخراجات کئے جا رہے ہوں مگر اس سے دس گناہ زیادہ خرچ بھی وضو کی برکات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ایک اور سوال! کیا متبادل وضو کا بھی سکونی برق سے کوئی تعلق ہے یعنی تیمم کا؟

ہاں! بالکل تعلق ہے۔ آیت کریمہ کا وہ حصہ جو متبادل وضو سے متعلق ہے اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ سکونی برق کے خلاف اللہ کی نعمت بالکل مکمل ہے۔ اس لئے کہ متبادل وضو بھی سکونی برق کو بڑی حد تک کم کر دیتا ہے۔

اس مقام پر ہم قرآنی معجزہ کے ایک اور پہلو کو بھی دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ متبادل وضو کی اہمیت کو صدیوں تک نہیں پہچانا جا سکا تھا اور کوئی یہ نہ بتا سکا تھا کہ یہ اصل وضو کی جگہ کس طرح لے سکتا تھا۔

جیسا کہ آیت مبارکہ نے کھلے طور پر بیان کر دیا وضو کا طہارت اور صفائی والا عمل خود اپنے طور پر علم طب کا ایک شاہکار ہے۔ یقیناً ہمارے وقت میں ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تو پہلے ہی سے اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوتا رہتا ہوں۔ مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اس عادت کی عمر تو صرف ستر سال ہی ہے ان قوموں میں بھی جو اپنے آپ کو دنیا کی مہذب ترین اقوام سمجھتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ صفائی جو محض ایک تلقین پر مبنی ہو وہ کبھی اس طرح مسلسل اور باقاعدہ نہیں ہو سکتی جو عبادت کے اصل ڈسپلن سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ فطری امر ہے کہ وضو کی برکات اور فیوض صرف طبی حقائق پر ہی ختم نہیں ہو جاتیں۔ ہمارا مطمع نظر اس کتاب میں صرف سائنسی تشریحات تک ہی محدود ہے جبکہ اس کے روحانی فوائد اپنی جگہ ہیں۔

موضوع نمبر 12

حمل کے متعلق لطیف موشگافیاں

THE SUBTLETIES OF CONCEPTION

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ حٰمٓ السجدۃ ۴۱

ترجمہ : "اسی (اللہ) کی طرف لوٹایا جاتا ہے اس وقت کا علم۔ اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے کوئی مادہ۔ اور نہ بچہ جنتی ہے اس کے علم کے بغیر۔ اور جس روز وہ (اللہ) انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک؟ وہ کہیں گے۔ ہم عرض کرتے ہیں (یقین دلاتے ہیں) ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا۔" (سورۃ 41 آیت 47)

TO HIM IS REFERRED THE KNOWLEDGE OF THE HOUR. NO FRUIT EMERGES FROM ITS SHEATH, NO FEMALE CONCEIVES NOR BRINGS FORTH, SAVE BY HIS KNOWLEDGE. THE DAY WHEN HE CALLS TO THEM: "WHERE ARE THE PARTNERS YOU ASSOCIATED WITH ME?", THEY WILL SAY: "WE ASSURE YOU, THERE IS NOT EVEN ONE WITNESS AMONG US.>

(CHAPTER 41 (DETAILED EXPLANATIONS), VERSE 47)

ہم کوشش کریں گے کہ اس آیت کے درمیانی حصہ کی حیرت انگیز سائنسی تشریح بیان کر سکیں۔

"اس کے علم کے بغیر کوئی پھل اپنے غلاف سے نہیں نکلتا اور نہ کوئی حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے۔"

پچھلی آیتوں کی طرح ہمیں اس آیت کے غیر معمولی اسلوب کی بھی نشان دہی کرنا چاہئے۔ چونکہ کائنات

میں ہر واقع کی بنیاد اور وجہ اللہ واحدہ کی پاک ذات اور مرضی ہی ہوتی ہے تو پھر ہمارے رب العظیم نے بطور خاص ان تین حیاتیاتی عجوبوں کا ذکر کیوں کیا ہے؟ اور یہ کہ ان کا ظہور صرف قادر مطلق کی خاص مرضی ہی سے کیوں ہوتا ہے؟ اس راز کو سمجھنے کے لئے یہی کافی ہوگا کہ ہم ان واقعات کے حیاتیاتی پہلو کا بغور مطالعہ کریں۔

آیئے سب سے پہلے حمل کے قرار پانے کے عجوبہ کے متعلق تفصیلی طور پر تحقیقات کریں جو ظاہر ہے کہ ایک مونث کا حاملہ ہونا ہے۔

ابھی چند برس قبل تک حمل کے قرار پانے کے عجوبہ کو علم حیاتیات کا ایک عام دنیوی واقع سمجھا جاتا تھا جس میں باپ اور ماں کی طرف سے جین یا مورثہ برابر برابر شریک ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے نسلیہ یا نمو کے بارے میں سائنسی علم نے ترقی کی تو یہ ظاہر ہوا کہ حمل قرار پانے کا عمل ایک انتہائی پیچیدہ عمل ہے۔

ایک مادہ میں تخم (بیضہ) کا خلیہ ایک ایسی اکائی ہے جو ان ساٹھ ہزار (60,000) حیاتیاتی خصوصیات کے نصف کا حامل ہوتا ہے جو ایک انسان میں پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ خلیوں کی خاص قسم کی تقسیم کو میوسس (MEIOSIS) کہتے ہیں مگر مادہ کا تخم (OVUM) اس کا بغیر کسی ترتیب کے ان ساٹھ ہزار خصوصیات کے نصف کا حامل ہوتا ہے یہ مزید تیئس (23) متحرک بکسوں جسمیئے (CHOROMOSOMES) پر سوار ہوتے ہیں اور مردوں میں چھیالیس (46) کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ میں اس غیر معمولی واقعہ کو ایک مثال کی مدد سے بتانا چاہتا ہوں۔

فرض کریں کہ ایک انسان کی نمائندگی اس (جینی) کوڈ (CODE) سے تعبیر ہے۔ جو تعداد میں ساٹھ ہزار کی تعداد میں ایک سے لے کر ساٹھ ہزار کی ترتیب سے ماں کے خلیہ میں موجود ہے۔ مگر ماں کے کارڈ (CARDS) یعنی ایک سے لے کر تیس ہزار تک ایک مخصوص ترتیب میں نہیں ہیں۔ ساٹھ ہزار کارڈوں کی تعداد میں سے ماں کے تخم (OVUM) میں تیس ہزار کارڈ بغیر کسی ترتیب کے موجود ہوتے ہیں مثلاً یہ تیس ہزار اس ترتیب میں ہیں۔ جیسے 1-2-3-8-165-4340-11840-24114-38111-47617-57514....وغیرہ یہ ماں کے تخم میں ہو سکتے ہیں۔ ماں کی شکل سے مشابہ پیدا ہونے والے بچے کی خصوصیات بھی من مانی ہوں گی۔ اس کی آنکھیں بالکل ایک جیسی ہونا ضروری نہیں جبکہ اس کی بھنویں متناسب ہو سکتی ہیں۔ اس کے ناخن بالکل ایک جیسا ہونا ضروری نہیں۔ جبکہ انگلیوں کی ساخت ایک جیسی ہو سکتی ہے۔

مگر ہمیں ایک اہم نکتے کو نہیں بھولنا چاہئے۔ ایک نوزائیدہ کی پیدائش کے لئے ضروری ہے کہ اس کے گمشدہ کارڈ (CARDS) یعنی فارمولا مل جائیں۔ یہ کارڈ قدرتی طور پر باپ کے نطفہ سے ودیعت ہوں گے۔

باپ کا نطفہ بھی اسی طرح اپنے اندر مختلف اقسام کے تیس ہزار (30,000) کارڈ یا فارمولے رکھتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ نطفہ کے پچیس کروڑ (250 ملین) خلیئے ماں کے صرف ایک تخم (OVUM) کے مقابل آئے ہوتے ہیں۔

ہاں عزیز قاری! یہی مقام ہے جہاں عقل سے ماورا واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ماں کے تخم کو نطفہ کے صرف ایک متناسب اور مکمل کرنے والے خلیے کا انتخاب ان 250 ملین خلیوں میں سے کرنا ہے۔ جن میں سے ہر ایک مزید تیس ہزار کی تعداد پر مشتمل ہے۔ اس کو یہ کار عظیم صرف ایک گھنٹہ کے اندر اندر سرانجام دینا ہوتا ہے۔

اس موقع پر زندگی کی اس عظیم الشان پہیلی کو صحیح تناظر میں پیش کرنے کے لئے میں اس کی تشریح ایک اور مثال سے کرنا چاہتا ہوں۔

فرض کیجئے آپ کو تیس ہزار کارڈوں کا ایک سیٹ دیا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر کارڈ ایک سے لے کر ساٹھ ہزار تک کی گنتی کے ایک نمبر کا حامل ہے۔ اس کے بعد آپ کو پچیس کروڑ تھیلیاں دے دی جاتی ہیں۔ اب آپ مخصوص اور صحیح تھیلی ڈھونڈ کر اپنا سیٹ پورا کریں۔

اب آپ کیا کریں گے؟

فرض کریں کہ آپ ہر کارڈ کی ایک سیکنڈ میں جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ اس طرح 30,000x250000000 سیکنڈ لگیں گے یعنی پورے دو مہینے۔

مگر ماں کے تخم کو نہ صرف ان تمام نمبروں کی تعداد کو گم شدہ کارڈ کی تلاش میں کھنگالنا پڑتا ہے بلکہ اس کو ان تمام خصوصیات کے مطابق نامیاتی مرکب یعنی امینو ایسڈ (AMINIC ACID BASE) کی بنیاد کا تعین بھی کرنا ہوتا ہے جو وہ فضا پیدا کر سکے جس میں باہمی ربط کے زاویے قائم ہوں۔ اس مقام پر ہم پیچیدگی کی اس سطح پر پہنچ جاتے ہیں کہ اگر آپ لیبارٹریوں سے پوری طرح لیس ایک ہزار ماہرین حیاتیات کو بھی اس کام پر لگا دیں کہ وہ عنقریب حاملہ ہو جانے والے تخم (OVUM) اور اس کے گرد پچیس کروڑ نطفے کے خلیوں کی بھیڑ میں سے عین صحیح مطابقت رکھنے والے خلیہ کا انتخاب کریں تو ان کو کئی سالوں کے سال لگ جائیں گے۔ جبکہ حاملہ ہونے کے اس عمل کو صرف ایک گھنٹہ ہی میں مکمل ہو جانا چاہئے۔ یہاں ایک ایسی عظیم پہیلی سامنے آتی ہے جس کا حل ناممکن ہے۔ مگر یہ ناممکن پہیلی ایک دن میں ہزاروں دفعہ حل ہوتی رہتی ہے۔ یعنی ہزاروں مائیں حاملہ ہوتی رہتی ہیں۔

اس لمبی بحث کے بعد ہم کس نتیجے پر پہنچتے ہیں؟

یہ قطعی ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حیاتیاتی قوانین کے علم کے تحت یہ معلوم کیا جاسکے کہ کس طرح ایک مادہ خلیہ اپنے گم گشتہ جینی کارڈیا ساتھی کی پہچان کرسکے گی جو حاملہ ہونے کے لئے ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں جدید اور عقلی سائنسی علم توہمیں یہ بتارہا ہے کہ کوئی مادہ حاملہ ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت کریمہ نمبر 47 جو اعلان کررہی ہے اس کے تحت چودہ صدی قبل سے جو یہ علم دیا جارہا ہے اس کا مطلب کچھ یوں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہورہا ہے کہ "اے انسانو! یہ محض میری منشا اور میرے عطا کئے ہوئے سائنسی علم کی بنا پر ہی ہے کہ مادہ کا تخم کبھی نہ سمجھ آنے والے راز اور پہیلی کو حل کرسکتا ہے۔"

اس آیت کریمہ کے مقابلے میں جدید سائنس اس حقیقت حال کی صرف تائید ہی کرسکتی ہے۔ صرف اس اکیلی آیت کے معاملے میں حیاتیاتی وسائنسی علم قرآن کے نقش پا پر چل سکتا ہے۔ قرآن نے جو راز چودہ سو برس قبل بیان کردیئے تھے ان کے متعلق کچھ سوچ بچار اب محض شروع ہی ہوا ہے۔

چنانچہ عزیز قاری! اللہ تعالیٰ کا یہ معجزہ اس قدر اہم ہے کہ اس کے تناظر میں اللہ کی کائناتی ربوبیت ہی کا اظہار نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کی سائنسی اہمیت اور علامات بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ حمل کے قرار پانے کا عجوبہ روزگار معاملہ سائنس کے علم کے لئے ایک عظیم شہادت ہے وہ اس طرح سے :

اگر خدانخواستہ یہ فرض کرلیا جائے کہ اللہ کا وجود نہیں ہے تو ہمیں سائنس کا علم ہی بتاتا ہے کہ کوئی مادہ کبھی حاملہ نہیں ہوسکتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہزاروں بلکہ اگر تمام جانداروں کا تصور کیا جائے تو کروڑوں مادائیں تو ہر روز حاملہ ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت آشکار ہوجاتی ہے کہ :

"میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے۔"

مزید براں چونکہ قرآن نے چودہ صدیاں قبل اس حقیقت کا سائنسی عجوبہ کے طور پر بلاشک وشبہ اظہار کردیا تھا اس لئے :

"میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغامبر اور رسول ہیں۔"

اب میں اس آیت میں پوشیدہ دوسرے راز کی طرف آتا ہوں۔

"کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوسکتی بغیر اللہ کی مرضی کے۔"

حمل کے بعد ایک پیدائش کے عمل کے لئے ایک تخم کو بارور بیضک جسے (زائیگوٹ (ZYGOTE) کہتے ہیں) کے مرحلے سے گزر کر ایک بچے کی صورت اختیار کرنا ہوتا ہے یہ کس قسم کا سائنسی عجوبہ ہے؟

بارور بیضک یا زائیگوٹ مزید تقسیم کے سلسلے سے اس طرح گزرتا ہے۔ جیسے 2-4-8-16.....

تا آنکہ ایک بچہ جو تیس ارب خلیوں پر مشتمل ہوتا ہے، ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ مگر تقسیم کے اس عمل کے دوران ساٹھ ہزار خصوصیات کو بھی ایک محکم صورت میں وقوع پذیر ہونا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جب خلیوں (CELL) کی تعداد 256 تک پہنچتی ہے تو آنکھ کی پتلیوں کے رنگ اور کان کی کری ہڈی (CARTILAGE) کا تعین ہو جاتا ہے جہاں یہ 256 خلیے قیام پذیر رہیں گے مثلاً زبان کی جلد کی خصوصیات اور گردوں کی خصوصیات خلیہ نمبر221 میں ساتھ ساتھ قائم رہ سکتی ہیں۔ اگر ان کے درمیانی فاصلے میں ایک سینٹی میٹر کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی غلطی ہو جائے تو یا تو انسانی زبان کے راستے قارورہ (پیشاب) رسنا شروع ہو جائے گا' یا ایک کافر کے پیٹ سے زبان نکل آئے گی۔

یہ اتفاق کہ بغیر کسی غلطی کے یہ خصوصیات ایک خلیہ سے تیس ارب خلیوں تک جیومیٹری کے تناسب سے گزریں گی جو اس طرح ہے $6x10^{-32}$ مزید بر آں یہ اتفاق کہ ایک خاص خصوصیت (TRAIT) اپنی جگہ، صحیح پہلو اور صحیح ترتیب پر قائم ہوگی اس نسبت سے ہے۔ $10x6^{-128}$ جو ریاضی کے حساب میں صفر کے برابر ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ ناممکن ترین امر ہے کہ اللہ جل جلالہ' کے حکم کے بغیر کوئی تاب یافتہ تخم ایک بچہ بن سکے۔ اور پھر بچہ جنتے وقت دروزہ کا حکم کس طرح ملتا ہے؟ کون سی سائنسی کمیٹی کف بنانے والی (پیچوٹری) گانٹھ (غدود) کے لئے فیصلہ کرتی ہے کہ بچے کے جسم کا حیاتیاتی ڈھانچہ حمل کے چالیس ہفتوں کے بعد مکمل ہو چکا ہے؟ کون سے تحقیقاتی لیبارٹری ماں کے دماغ کی غد کو اطلاع دیتی ہے کہ بچہ پوری طرح تیار ہو چکا ہے تاکہ پیدائش کا حکم دیا جا سکے؟

یہ سب کس طرح ہو سکتا ہے بغیر حکم الٰہی کے؟

در حقیقت شاذ و نادر ہونے والے واقعات یعنی وقت سے قبل پیدائش بچے کی ساخت میں نقص اور حمل کے پورے وقت کے باوجود بھی دروزہ کا نہ آنا قدرت کی طرف سے انسان کو تنبیہ اور فہمائش کے ساتھ ساتھ حمل اور بچہ کی پیدائش کے حیاتیاتی معجزہ کی یاد دہانی کرانا ہوتا ہے۔

موضوع نمبر 13

پانی اور قوت حیات

WATER AND VITALITY

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾ الانبیآء ۲۱

ترجمہ : کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی کی بات ماننے سے) انکار کردیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی کے ذریعے ہر زندہ چیز پیدا کی کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے؟ (الانبیاء 21 آیت 30)

"DO NOT UNBELIEVERS SEE THAT THE HEAVENS AND THE EARTH WERE JOINED TOGETHER BEFORE WE CLOVE THEM ASUNDER, AND OF WATER FASHIONED EVERY LIVING THING? WILL THEY NOT THEN BELIEVE?" CHAPTER 21 (THE PROPHETS), VERSE 30

"(کیا وہ غور نہیں کرتے کہ) ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ نہیں مانتے؟" اس حصہ میں ہم آیت کے آخری حصے کی تشریح کرنے کی کوشش کریں گے۔ آیت کے پہلے حصے کے متعلق جو فضا سے متعلق ہے میں کسی اور جگہ تشریح کروں گا (موضوع نمبر 10)

جیسا کہ ظاہر ہے اس آیت کو سمجھنے سے پہلے ہمیں خود زندگی کے عجوبہ کا علم ہونا چاہئے۔

ایک جسمیہ (ORGANISMS) کی تعریف اور تشریح بیسویں صدی کے دوسرے نصف حصہ تک بے حد مختلف طریقوں سے کی جاتی رہی ہے۔ جیمس ڈی واٹسن کی 1950ء میں ڈی این اے (DNA) کی دریافت کے بعد جسمیہ کی صحیح پہچان اور زیادہ واضح تعریف ممکن ہو سکی۔ کہا جا سکتا ہے کہ زندگی عبارت ہے اس ڈی۔ این۔ اے کی نقل تیار کرنے سے جو کسی جسمیہ میں پہلے سے موجود ہو۔ زندگی اور قوت میں ایک باریک فرق ہوتا ہے۔ زندگی ایک طرح سے خصویاتی ڈھانچہ ہوتا ہے جبکہ

قوت حیات کو اس ڈھانچے کا مقرر کردہ کام سرانجام دینا ہوتا ہے۔ یہ نظریہ جو کسی حد تک مشکل سے سمجھ میں آتا ہے ایک مثال کے ذریعے باآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

زمین میں کچھ وائرس اور کچھ بیکٹریا اپنے اردگرد کے حالات کی وجہ سے اپنی کارگزاری ظاہر نہیں کرسکتے۔ یعنی وہ نہ ہی حرکت کرسکتے ہیں اور نہ ہی مزید تخلیق کرسکتے ہیں۔ جیسے ایک طرح سے جامد زندگی۔ مخصوص حالات میں یہ اپنی حرکت کی صلاحیت حاصل کرلیتے ہیں اور تخلیقی عمل بھی شروع کردیتے ہیں۔ یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ زندگی عبارت ہے وائرس اور بیکٹریا کی ساکت اور متحرک حالت سے جبکہ قوت حیات (VITALITY) کا مطلب صرف ان کی محرک حالت ہی ہے۔

آیت کریمہ میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ زندہ ہونا جو قوت حیات (VITALITY) کے مترادف ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ قرآنی آیات میں لفظ انتہائی اہم رازوں کے حامل ہوتے ہیں۔

آیئے اب دوبارہ آیت کریمہ کی طرف لوٹیں۔ اس کے اصل معنی اس طرح ہیں۔ "ہم نے تمام زندہ چیزوں کو پانی سے پیدا کیا ہے۔" آیئے اب اس آیت میں اہم نکات کی نشاندہی کریں۔

الف : پندرہ صدیاں قبل زندگی کا تصور جانوروں تک محدود تھا۔ بعض حلقوں میں نباتات پودوں کو بھی اس زمرے میں شامل سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ دوسری طرف یہ آیت انتہائی صراحت سے جانوروں اور نباتات سے ماورا نظریہ پیش کرتی ہے۔ "تمام زندہ چیزوں" کی تعریف میں "چیز" کے نظریہ سے قوت حیات (VITALITY) بہت سی نوع کی چیزوں کا احاطہ کرتی ہے۔ قران کے اس ایک بیان سے قوت حیات کے نظریہ کو اتنی وسعت مل جاتی ہے کہ یہ وائرس اور (DNA) مالیکیول وغیرہ کا مکمل احاطہ کرلیتی ہے اس طرح ایک سائنسی حقیقت کو چودہ صدیاں قبل ہی انسانیت کو بطور پیشگی بتادیا گیا۔

(ب) : قوت حیات پانی ہی سے نکلتی ہے اور پانی ہی سے توانائی حاصل کرتی ہے۔ آیت مبارکہ تخلیق "(خلقنا)" نہیں کہتی بلکہ کہتی ہے قوت دی "(وجعلنا)"۔

(ج) : اس کے بعد آیت اس اعلان پر ختم ہوتی ہے کہ "پھر وہ کیوں نہیں مانتے؟" اس کا اشارہ کفار کی طرف ہے۔ یہ بات بطور خاص ہمارے موجودہ دور کے کفار کے لئے ہے اس لئے کہ ابھی صرف تیس سال قبل ہی تو قوت حیات کے لئے پانی کے ناگزیر ہونے کی حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

آیئے اب غور کریں کہ ابھی حال ہی میں علم حیاتیات کے قوانین کی دریافت کے مطابق قوت حیات کے لئے پانی ہی کیوں ناگزیر سمجھا گیا ہے؟

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ حیات کی بنیادی اکائی یعنی اس کا نمائندہ ایک سالمیہ ہے جسے (DNA) کہتے

ہیں۔ قوت حیات صرف اسی سالمیے میں ہوتی ہے۔ اگر یہ سالمہ صرف پانی ہی کے سالمیے سے پیدا ہوتا تو یہ آیت اس طرح سے ہوتی "ہم نے تمام زندہ چیزوں کو پانی سے پیدا کیا۔ جبکہ قوت حیات ایک نئے اور ایک ہی جیسے سالمیے کی بناوٹ ہے جس نے نامیاتی کیمیا (CHEMICALS) اصلی یا ابتدائی سالمیے سے حاصل کئے ہوتے ہیں۔

جدید علم حیاتیات نے یہ ثابت کردیا کہ پانی کے سانیوں کے H^+ اور -OH آئن (ION) (رواں برقی پارہ کے جوہر یا جواہر) کے ذریعے پیدا ہو سکتے ہیں۔ خاص طور پر (ATP) جو فاسفورس' امینو ایسڈ اور شکر کا مرکب ہوتا ہے کے آمیزش کے عمل میں پانی H^+ آئن ہی استعمال ہوتا ہے' تابکار ہائیڈروجن (TRITIUM) کے ساتھ تجربات نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ڈین این اے سالمیے ہائیڈروجن آئن (ION) صرف پانی ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ اسی تجربے نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ہائیڈروجن آئن جسے "حرکت پذیر ہائیڈروجن" کہتے ہیں رائبوز شکر اور امینو ایسڈ نکلائیڈ کے درمیان ایک مسلسل برقی میدان پیدا کرتا ہے۔ اس طرح وہ بنیاد تیار ہوتی ہے جس پر قوت حیات برقرار رہتی ہے جیسا کہ میں نے بارش کے موضوع پر پہلے ہی بیان کیا ہے' کہ قوت حیات اس وقت حرکت پذیر ہو جاتی ہے جبکہ یہ برقی میدان بیکٹریا ایک زندہ مگر خوابیدہ حالت میں ہوتا ہے۔ یعنی بیکٹریا حرکت پذیر ہو کر مزید پیدائش کے عمل میں لگ جاتا ہے۔

یہ اصول تمام قسم کے جسمیوں (ORGANISMS) کے متعلق بھی اسی طرح ہے۔ یعنی خلیئے (CELLS) صرف ہائیڈروجن کی مدد سے ہی اپنی مصروفیات یا حرکت جاری رکھ سکتے ہیں۔ خلیوں کی کیمسٹری پر تحقیق نے یہ ظاہر کیا ہے کہ تمام برقی سلسلے خلیئے میں لائنسوسوم (LYSOSOME) اور پانی کے برقی چارج (IONS) کی مدد سے قائم رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ تمام کیمیائی سلسلے' خلیاتی لیبارٹری جسے ہم مٹوکونڈریا (MITOCHONDRIA) کہتے ہیں پانی کے آئن کی وساطت سے ہی کارگر ہوتے ہیں۔

"بھاری پانی" کے ساتھ تجربات میں جہاں ہائیڈروجن کو آئنسوٹوپس سے تبدیل کردیا جائے یہ ثابت ہوا ہے کہ پانی کا سالمہ جسم میں سات سے چودہ دن تک رہتا ہے۔ پھر خارج ہوتا ہے۔ اور پانی کے نئے آئن اس کی جگہ لے لیتے ہیں اس طرح پانی نئی اور تازہ قوت حیات مہیا کرنے کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسمیے پانی کے ختم ہو جانے (شدید پیاس) کو برداشت نہیں کرسکتے۔

پانی اور قوت حیات کا تعلق اسی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ عام معنی میں قوت حیات کے لئے توانائی کی

ضرورت مسلسل طور پر رہتی ہے۔ یہ توانائی آئن کے تبادلہ سے حاصل ہوتی ہے۔ خوراک کے کھانے کا عمل کیمیائی ربط اور بعض سالموں کے تحلیل ہونے سے پیدا ہونے والی برق سے مشابہ عمل پیدا کرتا ہے۔ ان تمام پھرتیلے اعمال میں خلیہ میں H^+ اور OH^- آئن تبادلے کی بنیاد مہیا کرتے ہیں، جیسے بین الاقوامی تجارت میں زر یا تبادلہ زر کی اصطلاح ہوتی ہے۔ ایک خلیہ اس وقت صحت مند ہوتا ہے جب پانی کے وہ آئن جو اسے گھیرے میں لئے ہوتے ہیں خود توازن میں ہوں ورنہ یا تو بیماری آجاتی ہے یا موت واقع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ پانی، زندگی کی جین (GENESIS) اور قوت حیات کی بنیاد ہے اور یہ آیت کریمہ اس لطیف موشگافی کو اس خوب صورتی سے بیان کرتی ہے کہ اس سلسلے میں قرآنی معجزہ کو کبھی بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس حقیقت کو دوبارہ پرزور طریقہ سے بیان کرتی ہے کہ "کس طرح وہ ایمان نہیں لاتے۔"

خلیئے کا تنفس یعنی طاقت بخش چیزوں کا خرچ، آئن کے تبادلے کا ایک خاص عجوبہ ہے جو پانی کے آئن سے تعلق رکھتا ہے۔ پانی اور قوت حیات کے درمیان عظیم تعلق کو ابھی تک تسلی بخش طریقہ سے ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً الیکٹرو کیمسٹری (ELECTROCHEMISTRY) اور بائیو کیمسٹری (BIOCHEMISTRY) یہ پوری طرح نہیں بتاسکتے کہ ایک خاص وقت کے بعد پانی کے سالمے کیوں ضائع ہو جاتے ہیں۔ مزید یہ امر کہ ایک خلیہ کس طرح پانی کا ذخیرہ کرتا ہے ابھی تک صحیح طور پر دریافت نہیں ہوسکا۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ خلیہ میں کھانے والے نمک یا سوڈیم کلورائڈ کے استعمال کا مقصد سالموں میں پانی کے خرچ اور اس کے جمع ہونے سے متعلق ہے۔

درحقیقت ہر جسمیہ اپنی مختصر سی لیبارٹری میں پانی کو نقدی کی طرح خرچ کرتا ہے اسی وجہ سے ہمارے جسم میں گلینڈز (غدودوں) میں خاص قسم کے ہارمون پیدا ہوتے رہتے ہیں جو خلیوں کے اپنے اندر اور ایک دوسرے کے درمیان پانی کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ جسم میں موجود بہت سے مراکز بدن کی رطوبت کو جدا کرنے والے گلینڈز سے ایک کمپیوٹر جیسے نظام کے ذریعے منسلک ہیں۔ مثلاً بخار سے پہلے فالتو پانی نکل جاتا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ جسم اس قسم کی مدافعتی جنگ میں مصروف ہے جس میں بیکٹریا کی موجودگی یا حملہ مشکل ہو جائے۔ ہمارے جسم نقصان دہ جراثیم کو زندہ رہنے کی مہلت نہیں دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل اس آیت کریمہ کے راز کے احساس کے تحت ہی وقوع پذیر ہے۔

چنانچہ یہ عظیم معنی جو اللہ کے اس کلام میں پوشیدہ ہیں کہ "ہم نے تمام زندہ چیزوں کو پانی کے توسط سے پیدا کیا۔"

موضوع نمبر 14

وہ دن بھی آئے گا جب ہر انسان روزہ رکھے گا

THE DAY WILL COME WHEN EVERYONE WILL FAST

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

البقرة ۲

ترجمہ : اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کردیئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیرووں پر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔ چند مقرر دنوں کے روزے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو۔ تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے جو لوگ روزے رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اسی کے لئے بہتر ہے۔ اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ روزے رکھو۔ (البقرۃ آیت نمبر 183-184)

"اگر تم سچ کو سمجھو تو تمہارے حق میں یہ بہتر ہے کہ مشکلات کے باوجود بھی تم روزہ رکھو۔"

ہم سب جانتے ہیں کہ سورۃ البقرہ کی آیات 183 سے 187 تک ہمارے دین کے ایک اہم رکن روزہ کا حکم دیا گیا ہے اور تمام تفصیلات بتائی گئی ہیں۔ ہم آیت نمبر 184 آخری حصہ میں بیان کردہ حقائق کا طبی نکتہ نظر

سے مطالعہ کریں گے۔ اس حصہ میں بتایا گیا ہے کہ روزہ ایک بے حد اچھی چیز ہے جس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس امر کا بھی اعلان کیا گیا ہے کہ ہم اس بے حاصل کردہ رحمتوں کو سمجھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم سچ کو پہچان سکیں۔

ابھی کچھ عرصہ قبل تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ روزہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اس سے نظام ہضم کو آرام ملتا ہے۔ جیسے جیسے طبی علم نے ترقی کی اس حقیقت کا بتدریج علم حاصل ہوا کہ روزہ تو ایک طبی معجزہ ہے۔ اسی وجہ سے آیت کریمہ کا آخری حصہ یہ کہتا ہے "اگر تم سمجھو تو"۔

آیئے اب ہم سائنسی تناظر میں دیکھیں کہ کس طرح روزہ ہماری صحت مندی میں مدد دیتا ہے۔

الف : روزہ کا نظام ہضم پر اثر

نظام ہضم، جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں ایک دوسرے سے قریبی طور پر ملے ہوئے بہت سے اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ اہم اعضاء جیسے کہ مونہہ اور جبڑے میں لعابی غدود۔ زبان، گلا، مقوی نالی (ALIMENTARY CANAL) (یعنی گلے سے معدہ تک خوراک لے جانے والی نالی) معدہ، بارہ انگشت آنت، جگر اور لبلبہ اور آنتوں کے مختلف حصے وغیرہ تمام اس نظام کا حصہ ہیں۔ اس نظام کا اہم حصہ یہ ہے کہ یہ سب پیچیدہ اعضاء خود بخود ایک کمپیوٹری نظام سے عمل پذیر ہوتے ہیں جیسے ہی ہم کچھ کھانا شروع کرتے ہیں یا کھانے کا ارادہ ہی کرتے ہیں یہ پورا نظام حرکت میں آجاتا ہے اور ہر عضو اپنا مخصوص کام شروع کردیتا ہے یہ ظاہر ہے کہ سارا نظام چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر ہونے کے علاوہ اعصابی دباؤ اور غلط قسم کی خوراک کی وجہ سے ایک طرح سے گھس جاتا ہے۔

روزہ ایک طرح اس سارے نظام ہضم پر ایک ماہ کا آرام طاری کردیتا ہے۔ مگر در حقیقت اس کا حیران کن اثر بطور خاص جگر پر ہوتا ہے۔ کیونکہ جگر کے کھانا ہضم کرنے کے علاوہ پندرہ مزید عمل بھی ہوتے ہیں۔ یہ اس طرح تھکان کا شکار ہوجاتا ہے جیسے ایک چوکیدار ساری عمر کے لئے پہرے پر کھڑا ہو۔ اسی کی وجہ سے صفرا (BILE) کی رطوبت جس کا اخراج ہاضمہ کے لئے ہوتا ہے مختلف قسم کے مسائل پیدا کرتا ہے اور دوسرے اعمال پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

دوسری طرف روزہ کے ذریعے جگر کو چار سے چھ گھنٹوں تک آرام مل جاتا ہے۔ یہ روزہ کے بغیر قطعی ناممکن ہے کیونکہ بے حد معمولی مقدار کی خوراک یہاں تک کہ ایک گرام کے دسویں حصہ کے برابر بھی، اگر معدہ میں داخل ہوجائے تو پورے نظام ہضم کا کمپیوٹر اپنا کام شروع کردیتا ہے اور جگر فوراً مصروف عمل ہوجاتا ہے سائنسی نکتہ نظر سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس آرام کا وقفہ ایک سال میں ایک ماہ تو لازمی ہونا

چاہیے۔

جدید دور کا انسان جو اپنی زندگی کی غیر معمولی قیمت مقرر کرتا ہے متعدد طبی معائنوں کے ذریعے اپنے آپ کو محفوظ سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن اگر جگر کے خلیئے کو قوت گویائی حاصل ہوتی تو وہ ایسے انسان سے کہتا کہ "تم مجھ پر ایک عظیم احسان صرف روزے کے ذریعے ہی کر سکتے ہو۔"

جگر پر روزہ کی برکات میں سے ایک وہ ہے جو خون کے کیمیائی عمل پر اس کی اثر اندازی سے متعلق ہے۔ جگر کے انتہائی مشکل کاموں میں ایک کام اس توازن کو برقرار رکھنا بھی ہے، جو غیر ہضم شدہ خوراک اور تحلیل شدہ خوراک کے درمیان ہوتا ہے۔ اسے یا تو ہر لقمے کو اسٹور میں رکھنا ہوتا ہے یا پھر خون کے ذریعے اسے ہضم ہو کر تحلیل ہو جانے کے عمل کی نگرانی کرنا ہوتی ہے۔ روزے کے ذریعے جگر توانائی بخش کھانے کے اسٹور کرنے کے عمل سے بڑی حد تک آزاد ہو جاتا ہے۔ اس طرح جگر اپنی توانائی خون میں گلوبلن (GLOBULIN) جو جسم کے محفوظ رکھنے والے (IMMUNE) سسٹم کو تقویت دیتا ہے، کی پیداوار پر صرف کر سکتا ہے۔ روزے کے ذریعے گلے اور خوراک کی نالی کے بے حد حساس اعضاء کو جو آرام نصیب ہوتا ہے اس تحفے کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی۔

انسانی معدہ روزے کے ذریعے جو بھی اثرات حاصل کرتا ہے وہ بے حد فائدہ مند ہوتے ہیں۔ اس ذریعہ سے معدہ سے نکلنے والی رطوبتیں بھی بہتر طور پر متوازن ہو جاتی ہیں۔ اس کی وجہ سے روزہ کے دوران تیزابیت (ACID) جمع نہیں ہوتی اگرچہ عام قسم کی بھوک سے یہ بڑھ جاتی ہے۔ لیکن روزہ کی نیت اور مقصد کے تحت تیزابیت کی پیداوار رک جاتی ہے۔ اس طریقہ سے معدے کے پٹھے اور معدے کی رطوبت پیدا کرنے والے خلیئے رمضان کے مہینے میں آرام کی حالت میں چلے جاتے ہیں۔ جو لوگ زندگی میں روزے نہیں رکھتے، ان کے دعوؤں کے برخلاف یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایک صحت مند معدہ شام کو روزہ کھولنے کے بعد زیادہ کامیابی سے ہضم کا کام سرانجام دیتا ہے۔

روزہ آنتوں کو بھی آرام اور توانائی فراہم کرتا ہے۔ یہ صحت مند رطوبت کے بننے اور معدہ کے پٹھوں کی حرکت سے ہوتا ہے۔ آنتوں کے شرائین کے غلاف کے نیچے (ENDOTHELIUM) محفوظ رکھنے والے نظام کا بنیادی عنصر موجود ہوتا ہے، جیسے انتڑیوں کا جال۔ روزے کے دوران ان کو نئی توانائی اور تازگی حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح ہم ان تمام بیماریوں کے حملوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں جو ہضم کرنے والی نالیوں پر ہو سکتے ہیں۔

(ب) : روزے کے دوران خون پر فائدہ مند اثرات

دن میں روزہ کے دوران خون کی مقدار میں کمی ہو جاتی ہے۔ یہ اثر دل کو انتہائی فائدہ مند آرام مہیا کرتا ہے۔ زیادہ اہم یہ بات ہے کہ سیلوں کے درمیان (INTERCELLULAR) مائع کی مقدار میں کمی کی وجہ سے ٹیشو یعنی پٹھوں پر دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ پٹھوں پر دباؤ یا عام فہم میں ڈائسٹالک (DIASTOLIC) دباؤ دل کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ روزے کے دوران ڈائسٹالک پریشر ہمیشہ کم سطح پر ہوتا ہے یعنی اس وقت دل آرام یا ریسٹ کی صورت میں ہوتا ہے۔ مزید بر آں' آج کا انسان ماڈرن زندگی کے مخصوص حالات کی بدولت شدید تناؤ یا ہائپر ٹینشن (HYPERTENSION) کا شکار ہے۔ رمضان کے ایک ماہ کے روزے بطور خاص ڈائسٹالک پریشر کو کم کر کے انسان کو بے پناہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ روزے کا سب سے اہم اثر دوران خون پر اس پہلو سے ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس سے خون کی شریانوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا علم اب عام ہے کہ خون کی شریانوں کی کمزوری اور فرسودگی کی اہم ترین وجوہات میں سے ایک وجہ خون میں باقی ماندہ مادے (REMNANTS) کا پوری طرح تحلیل نہ ہو سکنا ہے۔ جبکہ دوسری طرف روزے میں بطور خاص افطار کے وقت کے نزدیک خون میں موجود غذائیت کے تمام ذرے تحلیل ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ اس طرح خون کی شریانوں کی دیواروں پر چربی یا دیگر اجزا جم نہیں پاتے اس طرح شریانیں سکڑنے سے محفوظ رہتی ہیں۔ چنانچہ موجودہ دور کی انتہائی خطرناک بیماریوں جن میں شریانوں کی دیواروں کی سختی (ARTERIOSCLEROSIS) نمایاں ترین ہے سے بچنے کی بہترین تدبیر روزہ ہی ہے۔

چونکہ روزے کے دوران گردے جنہیں دوران خون ہی کا ایک حصہ سمجھا جا سکتا ہے۔ آرام کی حالت میں ہوتے ہیں اس لئے جسم کے ان اہم اعضاء کی قوت بھی روزے کی برکت سے بحال ہو جاتی ہے۔

(ج) خلیہ' سیل (CELL) پر روزے کا اثر

روزے کا سب سے اہم اثر خلیوں کے درمیان اور خلیوں کے اندرونی سیال مادوں کے درمیان توازن کو قائم رکھنے سے ہے۔ چونکہ روزے کے دوران مختلف سیال مقدار میں کم ہو جاتے ہیں اس لئے خلیوں کے عمل میں بڑی حد تک سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لعاب دار جھلی کی بالائی سطح سے متعلق خلیئے جنہیں ایپی تھیلیل (EPITHELIAL) سیل کہتے ہیں اور جو جسم کی رطوبت کے متواتر اخراج کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان کو بھی صرف روزے کے ذریعے آرام اور سکون ملتا ہے جس سے ان کی صحت مندی مین اضافہ ہوتا ہے۔ خلیاتیات کے علم کے نکتہ نظر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ لعاب بنانے

والے (PITUITARY) غدود۔ گردن کے غدود تیموسیہ (THYROID) اور لبلبہ (PANCREAS) کے غدود شدید بے چینی سے ماہ رمضان کا انتظار کرتے ہیں تاکہ روزے کی برکت سے کچھ ستانے کا موقع حاصل کر سکیں اور مزید کام کرنے کے لئے اپنی توانائیوں کو جلا دیں سکیں۔

(د) روزے کا اعصابی نظام پر اثر (NERVOUS SYSTEM)

اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ لینا چاہئے کہ روزے کے دوران چند لوگوں میں پیدا ہونے والا چڑچڑاپن اور بے دلی کا اعصابی نظام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس قسم کی صورت حال ان انسانوں کے اندر انانیت (EGOTISTIC) یا طبیعت کی سختی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف روزے کے دوران اعصابی نظام مکمل سکون اور آرام کی حالت میں ہوتا ہے۔ عبادات کی بجا آوری سے حاصل شدہ تسکین ہماری تمام کدورتوں اور غصے کو دور کر دیتی ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ خشوع و خضوع اور اللہ کی مرضی کے سامنے سرنگوں ہونے کی وجہ سے تو ہماری پریشانیاں بھی تحلیل ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اس طرح آج کے دور کے شدید مسائل جو اعصابی دباؤ کی صورت میں ہوتے ہیں تقریباً مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں۔

روزے کے دوران ہماری جنسی خواہشات چونکہ علیحدہ ہو جاتی ہیں اس وجہ سے بھی ہمارے اعصابی نظام پر منفی اثرات مرتب نہیں ہوتے۔

روزہ اور وضو کے مشترکہ اثر سے جو مضبوط ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اس سے دماغ میں دوران خون کا بے مثال توازن قائم ہو جاتا ہے جو صحت مند اعصابی نظام کی نشاندہی کرتا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اندرونی غدودوں کو جو آرام اور سکون ملتا ہے وہ پوری طرح سے اعصابی نظام پر اثر پذیر ہوتا ہے۔ جو روزے کا اس انسانی نظام پر ایک اور احسان ہے۔

انسانی تحت الشعور جو رمضان کے دوران عبادت کی مہربانیوں کی بدولت صاف شفاف اور تسکین پذیر ہو جاتا ہے اعصابی نظام سے ہر قسم کے تناؤ اور الجھن کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔

(ح) خون کی تشکیل اور روزے کی لطافتیں

خون ہڈیوں کے گودے میں بنتا ہے جب کبھی جسم کو خون کی ضرورت پڑتی ہے ایک خود کار نظام ہڈی کے گودے کو حرکت پذیر STIMULATE کر دیتا ہے کمزور اور لاغر لوگوں میں یہ گودہ بطور خاص سست حالت میں ہوتا ہے۔ یہ کیفیت بڑے بڑے شہروں میں رہنے والوں کے ضمن میں بھی پائی جاتی ہے۔ اسی کی وجہ سے بژمردہ اور پیلے چہروں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

روزے کے دوران جب خون میں غذائی مادے کم ترین سطح پر ہوتے ہیں تو ہڈیوں کا گودہ حرکت پذیر ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لاغر لوگ روزہ رکھ کر آسانی سے اپنے اندر زیادہ خون پیدا کر سکتے ہیں۔ بہرحال یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص خون کی پیچیدہ بیماری میں مبتلا ہو اسے طبی معائنہ اور ڈاکٹر کی تجویز کو ملحوظ خاطر رکھنا ہی پڑے گا۔ چونکہ روزے کے دوران جگر کو ضروری آرام مل جاتا ہے' یہ ہڈی کے گودے کے لئے ضرورت کے مطابق اتنا مواد مہیا کر دیتا ہے۔ جس سے با آسانی اور زیادہ مقدار میں خون پیدا ہو سکے۔

اس طرح روزے سے متعلق بہت سی اقسام کی حیاتیاتی برکات کے ذریعے ایک پتلا دبلا شخص اپنا وزن بڑھا سکتا ہے۔ اسی طرح موٹے اور فربہ لوگ بھی صحت پر روزے کی عمومی برکات کے ذریعے اپنا وزن کم کر سکتے ہیں۔

ہاں مہربان قاری! آیئے اب دوبارہ آیت نمبر 184 کے آخری حصہ کو یاد کریں اور قرآن کے پاک معجزے کی مسرت سے لطف اندوز ہوں۔

''اگر تم سمجھو (یعنی اگر تم جسم کے حیاتیاتی علم کو سمجھو) تو تمہارے حق میں یہ اچھا ہے کہ تم روزہ رکھو۔'' (چاہے اس میں تمہیں مشکلات بھی نظر آئیں۔)

موضوع نمبر 15

رحم مادر میں تین اندھیرے منطقے (علاقے)

THE THREE DARK ZONES IN THE MOTHER'S ABDOMEN

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ الزمر ۳۹

ترجمہ : اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر وہی ہے جس نے اس جان کا جوڑا بنایا۔ اور اسی نے تمہارے لئے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کئے۔ وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے بادشاہی اسی کی ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں۔ پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو۔ (الزمر 39 آیت 6)

"HE HAS CREATED YOU FROM A SINGLE SELF, THEN FORMED HIS MATER; HE HAS SENT DOWN FOR YOU EIGHT HEAD OF CATTLE PAIRS; HE HAS CREATED YOUR MOTHER'S WOMBS IN THREE KINDS OF DARKNESS, PASSING FROM ONE GENESIS TO THE NEXT : SUCH IS YOUR GOD YOUR LORD."

CHAPTER 39 (THE CROWDS) VERSE 6.

"وہ تم کو سلسلہ وار ماں کے رحم میں موجود تین اندھیروں میں پیدا کرتا ہے۔ ایک آغاز (ZYGOTE) سے دوسرے کی طرف......"

چونکہ آیت پاک کا یہ حصہ ایک اہم حیاتیاتی راز کو بیان کرتا ہے۔ میں آیت پاک کے اس حصہ کو ذرا

زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

جیسا کہ ظاہر ہے آیت کا یہ حصہ ایک انسان کی ساخت کے لئے ماں کے پیٹ میں تین مختلف تاریکیوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس لئے یہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ ایک زرخیز شدہ انڈے کا خلیہ یا زائیگوٹ (ZYGOTE) تین تاریک حالتوں یا صورتوں سے گذرتا ہے۔ پندرہ صدیاں قبل بلکہ صرف ایک صدی پہلے تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک انسان کی پیدائش کا عمل صرف ماں کے پیٹ میں موجود رحم میں وقوع پذیر ہوتا ہے یعنی صرف ایک تاریک حالت میں۔

اس آیت کریمہ کو سمجھنے کی کوشش میں، میں رحم مادر میں انسان کے بننے کے بتدریج عملی سلسلہ کے متعلق جدید طبی سائنس کی معلومات کا خلاصہ پیش کرنا چاہوں گا۔

ایک بیضہ والا خلیہ یا اووم (OVUM) ماں کے مبیض یعنی اووری (OVARIES) میں نشو ونما پاتا ہے جیسا کہ عام طور پر امید کی جاتی ہے اس کے برعکس، یہ بچہ دانی میں نہیں گرتا بلکہ اس کا نزول پہلے پیٹرو والے گڑھے (PELVIC CAVITY) میں ہوتا ہے۔ ماں کے رحم کے اوپر والے حصہ میں دائیں بائیں دو پتلی پتلی ٹیوبیں، فلوپین ٹیوب یا یوٹرین (UTERINED) ٹیوب ہوتی ہیں۔ پیٹرو کی اطراف ان ٹیوبوں کے سرے پھولوں کی طرح کھلتے ہوئے سے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ اووری (OVARIES) یا مبیض کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسے ہی بیضہ والا خلیہ یا اووم پیٹرو کے گڑھے میں گرتا ہے تو ان ٹیوبوں کے پھولوں کی طرح کھلے ہوئے روزن یا چھید جیسے موہنہ، اسے پکڑ کر ایک پچکاری کی پانی کھینچنے والی نالی کی طرح سے اووم کے اندر سمیٹ لیتے ہیں۔ اور ٹیوب سے رحم کے دوسرے کنارے کی طرف سے داخل کر دیتے ہیں۔ اووم یعنی بیضے والا خلیہ اسی ٹیوب میں زرخیز پذیر ہوتا ہے۔ ایک مخصوص عرصہ کے بعد یہ ٹیوب کی لمبائی سے گزارا جاتا ہے اور رحم کے اندر لعاب دار جھلی کی بالائی سطح باریک بالوں جیسی سطح سے مشابہت رکھتی ہے اسے ولی (VILLY) کہتے ہیں اووم یا بیضہ والے خلیئے کے نقطۂ نظر سے اس کی مثال ایک جنگل میں ایک درخت کے نیچے ایک مخصوص مقام سے دی جا سکتی ہے زائیگوٹ خلیہ کے دو حصوں میں تقسیم در تقسیم جسے کلیویج کہتے ہیں، کے عمل کو اسی ماحول میں جاری رکھتا ہے اور پھر غیر خلیاتی کیپسول میں ایک جنین یا حمل تشکیل پذیر ہوتا ہے۔ یعنی (ZONA PELLUCIDA) پستانیوں کے انڈے کے گرد منڈھی ہوئی جھلی کی صورت میں ہوتا ہے۔

اب یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ابتدائی توقعات کے برعکس انسان کی ساخت ماں کے پیٹ میں کئی مرحلوں سے گزر کر پوری ہوتی ہے۔ نہ کہ صرف ایک مرحلہ سے۔

اب ہم اس مقام پر ہیں کہ اس آیت کریمہ کے انتہائی اہم معانی کا عقدہ وا کر سکیں۔ آیئے، اب ہم ماں کے رحم میں تین مرحلہ وار تاریک خطوں یا طبقات کی، علم حیاتیاتی کی روشنی میں نشاندہی کریں۔

(الف) پہلا تاریک علاقہ (طبق)

یہ پہلا مرحلہ ہے جب بیضہ والا خلیہ رحم کی دو نلیوں یا فلوپین ٹیوب (SALPINX) میں تاب پذیر یا زرخیز پذیر ہوتا ہے۔ ارضی زندگی کی ابتداء کا تجربہ اس تولیدی خلیئے یا زائیگوٹ (ZYGOTE) کو اس پہلے تاریک طبق میں ہوتا ہے۔

اصل میں ایک بیضہ والا خلیہ یا اوو م کس طرح اس نلی میں تاب پذیر (FERTILIZED) ہوتا ہے، ابھی تک ناقابل تشریح ہے۔ جیسا کہ میں اس سے قبل دیگر آیات کی تشریح کے سلسلے میں بیان کر چکا ہوں اس خلیئے کا تاب پذیر ہونا بھی ایک ناقابل یقین حد تک ریاضیاتی معجزہ ہے۔ یہ صرف اللہ کی مرضی ہی سے ہوتا ہے کہ اس نلی یا ٹیوب میں یہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ مقام، رحم مادر میں انتہائی انوکھا اور نازک مقام ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اسی مقام پر مکمل طور پر سازگار ماحول میں باپ اور ماں کی طرف سے جینی فارمولے (GENETIC CODE) ایک دوسرے سے اختلاف پذیر ہوتے ہیں اور اسی مقام یا طبق پر ہی ایک پیدا ہونے والے انسان کی جسمانی ساخت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے ودیعت کیئے ہوئے معانی کی روشنی میں پہلی صورت اسی تاریک علاقے یا طبقے میں ابھرتی ہے۔

یہ باریک ترین خلیہ (CELL) ہی ہے جس میں ہر چیز تیار ہوتی ہے ہماری آئندہ کی بالغ اور مکمل زندگی کی تفصیلات بھی اسی مقام پر متعین ہو جاتی ہیں۔ اس مقام سے آگے یہ دوسرے تاریک علاقے یا طبقے میں پہنچایا جائے گا۔ تاکہ یہ ایک مقرر شدہ جسمانی ساخت کی تکمیل کر سکے اور اس طرح یہ قدرت کے عطا کردہ فارمولے کو اس مواد کی مدد سے پورا کرتا ہے۔ جو اس کی ضرورت پوری کرنے کے لئے رحم مادر میں میسر آتا ہے اور جس کی رسد لامتناہی ہے۔

اس مقام پر میں ٹیسٹ ٹیوب بچوں سے متعلق ان معلومات پر مختصراً" تبصرہ کرنا چاہوں گا جو بہت سے

لوگوں نے غلط طور پر پھیلائی ہیں۔

رحم مادر میں وہ نلی یا ٹیوب جو پیدائش یا تاب پذیری (FERTILIZATION) کے لئے انتہائی اہم ہوتی ہے بعض اوقات کسی قسم کی سوجن یا زخم کی وجہ سے بند ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے تاب پذیری اور حمل پذیری نہیں ہوتی۔ چنانچہ تاب پذیری حاصل کرنے کے لئے بیضے والے خلیہ یا اووم (OVUM) کو ماں کے پیٹرو والے علاقہ سے علیحدہ کر کے اس کو باپ کے تولید کے خلیوں سے لیبارٹیوں میں ملا دیا جاتا ہے۔ میڈیکل کی زبان میں اسے "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کا مظاہر قدرت کہا جاتا ہے اور در حقیقت "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کا وقوع پذیر ہونا اس آیت کریمہ کے توسط سے بتائے گئے اس معجزے کا ناقابل تردید ثبوت بھی ہے جس سے انسانیت کو پہلے تاریک علاقے یا طبق سے روشناس کرایا گیا ہے۔

بہر طور کچھ ملحد لوگوں نے "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے نظریہ کو غلط طور پر پیش کر کے اس سوچ کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے کہ جنین یا چار ماہ تک کچا بچہ (EMBRYO) کو لیبارٹری ہی میں تیار کیا جاتا ہے یہ ایک مکمل طور پر غلط بات ہے وہ بیضے والا خلیہ (OVUM) جو باہر تاب پذیر (FERTILIZED) کیا جاتا ہے اس کو دوبارہ رحم مادر میں رکھ دیا جاتا ہے جہاں وہ پیدائش کے ارتقائی عمل کو جاری رکھتا ہے۔

اپنے اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بچہ جو رحم مادر کی نلی یا ٹیوب میں زرخیزی حاصل کرتا ہے وہ اب دوسرے تاریک علاقے یا طبق میں پہنچ جاتا ہے۔

(ب) دوسرا تاریک علاقہ یا طبق

زرخیز شدہ بیضے کا خلیہ رحم کی لعابدار جھلی (INTRAUTERINE EPITHELIUM) جسے (ENDOMETRIUM) بھی کہتے ہیں میں پہنچتا ہے۔ یہ دوسرا تاریک علاقہ یا طبق ہے جو ایک جنگل سے مشابہت رکھتا ہے۔ یہ اس میں ایک طرح سے جڑ پکڑ جاتا ہے اور اپنے آپ کو وہیں مناسب جگہ پر قائم کر لیتا ہے۔ یہ مقام یا جگہ ایک سرنگ میں ہوتا ہے جہاں مستقبل کے بچے کی خوراک ماں کے جسم سے مہیا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

زائیگوٹ اسی جگہ تقسیم کا عمل شروع کرتا ہے یہ ابتدائی تقسیم انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جنین یعنی بچہ کی ابتداء (EMBRYO) کے پہلے مرحلہ میں تمام اعضا کی تشکیل کی ابتداء بھی

اسی دوسرے تاریک علاقہ میں شروع ہوتی ہے۔ در حقیقت بارور بیضہ تخلیق کی ابتداء (GENESIS) کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے جبکہ خلیوں کی ابتدائی تقسیم اس کے دوسرے مرحلے کی تشکیل کرتی ہے۔ جینیاتی واقعات میں زبردست اہمیت کا حامل عمل یعنی مختلف انسانی خصوصیات کا باہم مل کر یک جا ہونا' اس پہلے مرحلے میں قیام پذیر ہوتا ہے جبکہ مختلف اعضاءً کے بنیادی ڈھانچے کی تشکیل دوسرے مرحلے یا علاقے میں شروع ہوتی ہے۔

دوسرے جینیاتی (ORGANOGENESIS) کے علاقے یا مرحلے میں تمام انسانی جسم کی شکل خلیوں کے ایک جمگھٹے کی طرح ہوتی ہے۔ اس مرحلے پر اسے خون کے لوتھڑے جیسی بافتوں یا ٹشوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور در حقیقت قرآن اس مرحلے کو دوسری آیات میں "خون کے لوتھڑے" کے مرحلے کا نام دیتا ہے۔ ہم اس موضوع کی طرف آئندہ آنے والی آیات کی تشریح کے موقع پر آئیں گے۔

انسانی جسم کے اس بافت یا ٹشو کی نشوونما کے ایک مرحلے پر دوسرا تاریک علاقہ آتا ہے۔ ابتدائی جسم امبریو (EMBRYO) جو شروع میں ایک ہی بافت یا نس (TISSUE) جیسا لگتا ہے اس کے لئے نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے، جو تاریکی کا دوسرا دور یا علاقہ ہوتا ہے۔

(ج) تاریکی کا تیسرا علاقہ یا طبق

یہاں ایک پوٹلی یعنی امینوٹک سیک (AMNIOTIC SAC) انسان کی ابتدائی شکل یا امبریو کے اردگرد ایک مخصوص مائع کی صورت میں پیدا ہوجاتی ہے۔ پھر ہمارے اعضا اور دوسرا حیاتیاتی نظام اسی پوٹلی کے اندر ارتقاء کے مراحل طے کرتا ہے یہ تیسرا تاریک علاقہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس طرح انسان کی تشکیل کا سلسلہ ماں کے پیٹ میں تین مختلف علاقوں میں ایک تین جہتی کہانی بیان کرتا ہے۔ تمام ظاہری شواہد سے ان تین تاریکیوں کو الگ الگ محسوس کرنا ناممکن ہے لیکن اگر ہم ایک خلیئے کی صورت بنا کر ان تین تاریک علاقوں کو ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوں تو ہمیں فوراً معلوم ہوجائے گا کہ کس طرح یہ تینوں ایک دوسرے سے مختلف اور ممتاز ہیں۔ ایک ابتدائی خلیئے کے نقطۂ نظر سے پہلا تاریک مرحلہ ایک دیو قامت اور تاریک سرنگ کی یاد دلاتا ہے' جبکہ دوسرا تاریک علاقہ ایک سیاہ اور روشنی سے عاری جنگل کی طرح ہے اور تیسرے تاریک علاقے کی مثال ایک انتہائی سیاہ سمندر کی تہہ کی طرح ہے۔

چنانچہ یہ آیت کریمہ ان تمام سائنسی حقائق کو ظاہر کرتی ہے جن کی مدد سے ابھی حال ہی میں ایسی دریافتیں ہوئی ہیں جو بے حد صحیح انداز میں حیاتیاتی معجزے بیان کرتی نظر آتی ہیں۔ اور انسانی جسم کے ارتقاء کو جینیاتی طور پر مکمل صورت میں ظاہر کرتی ہیں اور پھر یہ آیت کریمہ ایک چیلنج کے ساتھ اختتام پذیر ہوتی ہے کہ "تم کس طرح جھٹلا سکتے ہو۔" یہ یقینی طور پر قرآن کی عظمت کی نشاندہی ہے کہ اس آیت نے ماں کے پیٹ میں انسان کی تشکیل کی ایک ایسی کہانی پندرہ صدیاں قبل اس طرح کھول کر بیان کردی ہے جبکہ اس وقت ارتقائی مرحلوں (EMBRYOGENESIS) کے متعلق کسی قسم کا علم موجود نہ تھا۔ انسان کی ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں منتقلی بجائے خود پیدائش کے عمل کا ایک ناقابل فہم راز ہے۔ ایک ابتدائی خلیئے کا دوسرے تاریک مرحلہ میں منتقل ہونا اور پھر وہاں سے اعضاء والے مرحلہ میں ایک پوٹلی جیسی تاریک جگہ میں منتقل ہونا ایک طرح سے ایک کمپیوٹر کا پروگرام معلوم ہوتا ہے۔ کس طرح ایک مرحلہ پورا ہونے کے بعد خود بخود دوسرے مرحلے کی طرف ارتقاء شروع ہو جاتا ہے۔ آیت کریمہ کا بیان کہ ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہو جانا ایک ناقابل تردید حقیقت کا بیان ہے۔

موضوع نمبر 16

قرآن نے آکسیجن کی پیش گوئی کی

THE QURAN FORETELLS OXYGEN

الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡہُ تُوۡقِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾ یٰسٓ ۳۶

ترجمہ : وہی جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کردی اور تم اس سے آگ روشن کرتے ہو۔" سورۃ یٰسین 36

HE HAS PRODUCED FOR YOU FIRE OUT OF THE GREEN TREE, FROM WHICH YOU KINDLE.

CHAPTER 36 YA SIN,) VERSE 80

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں سورۃ یٰسین کی یہ آیت مبارکہ باغی انسانوں کے الحاد اور اس سے پیدا ہونے والے مسخ شدہ استدلال کے خلاف ایک خدائی اعلان ہے۔ "کیا گل سڑ کر بکھر جانے والی ہڈیاں دوبارہ اصل حالت میں وجود میں آجائیں گی۔"

"سورۃ یٰسین کی آیت نمبر 78 سے شروع ہو کر خدائی معجزوں اور قدرت کا بیان کیا گیا ہے آیت نمبر 80 کے بیان کے ذریعے سے حیات بعد الموت کا آفاقی ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے والی آیات کے سلسلے میں ہم نے دیکھا ہے کہ اس آیت کی متعدد توجیہات اور تفاسیر ماضی میں کی گئی ہیں۔ یہ سب ہمارے لئے باعث تعظیم ہیں لیکن یہ بہتر ہو گا کہ ہم اس کے عظیم تر اور ان حیران کن معانی کی طرف توجہ کریں جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد ہڈی کی دوبارہ نئی زندگی کو ثابت کرتے ہیں۔

آج سے چودہ صدیاں قبل کفار کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ ان عظیم الشان حیاتیاتی رازوں کو سمجھ سکتے جو اس آیت کریمہ میں بیان کئے گئے اس لئے کہ مادہ کا آکسیجن کے ساتھ مل کر حرارت، روشنی اور شعلہ پیدا کرنے کی صلاحیت یعنی جلنا یا (COMBUSTION) کی دریافت اس وقت تک معرض وجود میں نہیں آئی تھی۔ کئی صدیوں بعد اب اس حقیقت کی دریافت ہوئی کہ جلنے کا عمل مواد میں آکسیجن اور کاربن کے امتزاج سے واقع ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ دریافت ہوئی کہ آکسیجن پودوں اور سبز درختوں سے وجود میں آتی ہے۔

اختراق یا جلنے (COMUSTION) کا سب سے اہم جو ہر سبز درختوں سے پیدا ہوتا ہے وہ وقوعہ جسے ہم "آگ" کا نام دیتے ہیں۔ عمل تکسید (OXIDATION) پر مشتمل ہوتا ہے جلنے کا عمل بغیر آکسیجن کے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آگ کا ظہور سبز درختوں سے آکسیجن کے نکلنے سے تعبیر ہے۔

"تم جو آگ روشن کرتے ہو وہ سبز درختوں سے پیدا ہوتی ہے۔"

صرف اس ایک نقطۂ نظر سے یہ آیت کریمہ ایک اتھاہ معجزے کی بنا پر آکسیجن اور اس سے پیدا ہونے والی چیزوں کے متعلق ہمیں چودہ سو سال سے قبل سے علم عطا کرتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی بھی کیمیا کا ماہر یا علم حیاتیات کا ماہر جس کے دل میں سائنس کی تھوڑی سی بھی عزت ہو، سورۃ یٰسین کی اس آیت مبارکہ کی ایمان افروزی کے ذریعے وجدان حاصل نہ کرے۔

اس کے علاوہ بھی یہ آیت مبارکہ اپنے اندر بے پناہ سائنسی حقائق کو لئے ہوئے ہے۔ اس لئے کہ یہ یوم حساب کے موقع پر دوبارہ زندگی پانے کے عمل پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ اب میں ان سائنسی حقائق کا خلاصہ پیش کروں گا۔

(الف) یہ آیت ان کفار کو جو ہڈیوں کو مٹی کے ذروں میں تحلیل ہوتے دیکھ کر یوم آخرت کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ باور کراتی ہے کہ اس میں سائنس کا ایک بے حد اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔ یہ اس طرح کہتے ہوئے محسوس ہوتی ہے کہ :

"تم سمجھتے ہو کہ جب کوئی چیز جلا دی جائے تو اس کی ہر چیز فنا ہو جاتی ہے۔ یعنی ایسے شدید عمل جس سے ہڈیوں کا سفوف بن جائے ایک ہیئت اجتماعی یا اعضا جل کر زندگی سے عاری کاربن ڈائی آکسائیڈ میں تبدیل ہو جاتی ہے؟ مگر نہیں! سبز درخت اس کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کو اپنے اندر جذب کر کے اس کے اعضاء یا ہیئت اجتماعی کے لئے ایک بنیادی مرکب تیار کریں گے جسے شکر (SUGAR) کہتے ہیں اور یہی شکر بالآخر دوسرے اعضا تک پہنچ کر ان کو زندگی عطا کرتی ہے۔ مزید برآں شکر بنانے کے عمل میں ایک پودا آکسیجن کو جنم دیتا ہے، جس سے تم جلانے کا عمل کر سکتے ہو۔"

یہاں حیاتیات کے ایک بنیادی قانون کی نقاب کشائی کی جا رہی ہے۔ اللہ ہی پودوں کے ذریعے آگ (آکسیجن) پیدا کرتا ہے، جو جلتی ہے۔ یہ ہمیں جانوروں کے ذریعے سے حیاتیاتی تالیف (BIOSYNTHESIS) کے اعجوبے کی یاد دہانی کراتی ہے۔ یہ اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ قوت بجائے خود جواہر کے کاربن کے ملاپ یا گرفت میں تبدیلیوں سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس امر پر زور دیتی ہے کہ یہ تمام کائنات میں اللہ کے حکم سے با آسانی وقوع پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ اس طرح کہتی ہوئی محسوس

ہوتی ہے کہ

"ان بوسیدہ ہڈیوں ہی کی طرف نہ دیکھو۔ بلکہ حیاتیاتی تالیف (دوبارہ وقوع پذیر ہونے) کے آسمانی راز پر توجہ کرو۔ دیکھو کہ اللہ کے لئے زندگی عطا کرنا، کس قدر آسان ہے"

(ب) سبز درختوں کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ ایک دوسری قسم کا ادراک عطا کرتا ہے۔ جیسے یہ کہا جا رہا ہو کہ "کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب ایک درخت مکمل طور پر سوکھ جاتا ہے وہ ایک بوسیدہ ہڈی سے مختلف نہیں ہوتا؟ اور اللہ ہی بہار میں اپنی رضا سے اس کو زندگی عطا کرتا ہے اور اس کے ذریعے آکسیجن بنا کر تمہیں دیتا ہے تاکہ تم اس سے جلانے کا کام لے سکو۔"

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مٹی میں زندگی کا وجود یوم حساب کے دن دوبارہ زندہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے جیسا کہ میں نے دوسری آیات کی تشریح کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ زمینی مٹی اپنی عالیشان لیبارٹری میں ہر اس مردہ چیز کا بغور تجزیہ کرتی ہے جو اس میں داخل ہوتی ہے یعنی اس طرح وہ اس چیز کے تمام اجزاء کو اس کے بنیادی حصوں میں توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ اس کے بعد اس زمینی لیبارٹری کے کارندے یعنی باریک ترین جرثومے مائیکروب (MICROBES) ایسے کیمیاوی مرکب تشکیل دیتے ہیں کہ پودے کی نئی زندگی کا آغاز شروع ہو جاتا ہے۔ علم حیاتیات میں آکسیجن پیدا کرنے والے سبز درختوں کی طرف اشارہ ایک گہرے مطالعے کا مضمون ہے۔ جو ان تمام حقائق کا تفصیلی جائزہ مہیا کرتا ہے۔

قوت حیات اور دوبارہ زندگی پانا۔ اللہ کی طرف سے زمینی مٹی میں زندگی کے وجود کے راز کی بدولت ایک وجدان اور القا کا ذریعہ ہے۔ جب رب العالمین کا حکم ہوتا ہے تو گلی سڑی اور ذروں میں بکھری ہوئی ہڈیاں بھی حشر میں دوبارہ بے داغ صورت میں واپس آجاتی ہیں۔

(ج) ایک اور لطیف اور بصیرت افروز مثال جو درختوں اور ہڈیوں میں مشترک ہے یہ ہے کہ یہ دونوں قوت حیات کے بنیادی رازوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ہڈیاں اور ان کے اندر کا گودا اس راز کا حامل ہوتا ہے۔ جو خون کے خلیوں کی تشکیل کے سلسلے میں ہے اور جس کی بدولت قوت حیات جاری و ساری رہتی ہے۔ جہاں تک سر سبز درختوں کا تعلق ہے یہ آگ (آکسیجن) کی تشکیل کرتے ہیں اور اس طرح زمین پر زندگی کے ایک بنیادی جوہر کی موجودگی کی ضمانت مہیا کرتے ہیں۔

اوپر دیئے گئے تین بیانات میں جو حقائق بیان کئے گئے ہیں وہ آپس میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے تحت مضبوطی سے مربوط ہو جاتے ہیں جس میں بڑی صراحت سے سورۃ یٰسین کے آخر میں فرمایا گیا "پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے۔"

ان سائنسی حقائق کی روشنی میں ہم حیران کن مسرت سے اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک مرتے ہوئے یا مردہ انسان پر سورۃ یٰسین کی تلاوت کرانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

جیسا کہ سورۃ حم السجدۃ میں بتایا گیا کہ کافروں کی اہم نشانیوں میں سے ایک ان کا یوم آخرت اور یوم حساب میں ایمان کا نہ ہونا ہے۔ یوم حساب میں یقین نہ ہونا ہمیشہ موت کے اعجوبے کی غلط توجیح سے پیدا ہوتا ہے۔ زیر مطالعہ آیت کریمہ موت کے متعلق اصل سچائی بیان کرتی ہے جو حیاتیاتی نقطۂ نظر سے ہیئت کی تبدیلی یا کایا پلٹ کا دوسرا نام ہے۔ اسی لئے سرسبز درختوں سے آگ کے نکلنے کی مثال دی گئی ہے۔ علم حیاتیات کے مطابق موت تو صرف ان کیمیاوی مادوں میں گرفت یا جوڑوں کی (VALENCE) میں ردوبدل کا دوسرا نام ہے۔ جو جسمیے یا اعضاء کی تشکیل کی بنیاد ہوتے ہیں۔

ہم اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ دنیا میں جسمیے' پودے' جانور اور جرثومے (یعنی بیکٹریا) جو ہمیں نظر آتے ہیں تبدیلی کے ایک لامتناہی سلسلے یا موت کی طرف رواں دواں ہیں۔ مگر ایک مرنے والا کیڑا مثال کے طور پر زمینی مٹی کی لیبارٹری میں زیر تجربہ آتا ہے۔ بکھر جاتا ہے اور بالآخر ایک پھول کی صورت دھار لیتا ہے اور انہی پھولوں سے بہت سے دوسرے حشرات زندگی اور وجود حاصل کرتے ہیں۔

جل جانے کا عجیب مظہر ایک جسمیہ کی مکمل تباہی کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ سڑنے کے سخت عمل کے ذریعے تباہ ہوتا ہے مگر اس کے دھوئیں سے جو کاربن ڈائی آکسائیڈ نکلتی ہے' ایک پتے میں زندگی کا نشان بن جاتی ہے۔ اس بصیرت کو بیان کرنے کے لئے آیت کریمہ نے انتہائی لطیف پیرائے میں سبز درخت سے پیدا ہونے والی آگ (آکسیجن) کی مثال پیش کی ہے۔ اگرچہ یہ بار بار کی تکرار ہی کیوں نہ معلوم ہو ہمیں اس حقیقت کو پوری طرح سمجھ لینا چاہئے۔ دراصل سورۃ یٰسین کا آخری صفحہ پیدائش کے آغاز کے رازوں کو بیان کرتا ہے۔ یقیناً آیت نمبر77 اعلان کرتی ہے کہ "ایک انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے ایک نطفہ سے پیدا کیا۔" اس طرح انسانی حیات کی ابتدا شروع ہونے کے مرحلہ سے بیان کی گئی ہے۔ اور آیت نمبر80 حیاتیاتی تعلق کو دوبارہ آئین بند کرتی ہے جب آیت نمبر79 میں یہ اعلان کیا گیا کہ وہی (اللہ) سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور پیدائش کے لئے اس (اللہ) کا علم لامحدود ہے۔

چنانچہ اے انسان! تم تو سرسبز درخت کے تازگی کا نشان ہی سمجھتے ہو۔ مگر یہ آگ کی ایک فیکٹری یا کارخانہ قدرت ہے۔ اللہ اس سے آکسیجن پیدا کرتا ہے جو کہ زندگی کی قوت کا منبع اور ذریعہ ہے۔

اس خدائی دانائی کے سامنے کوئی ملحدانہ نظریہ قائم نہیں رہ سکتا۔ کوئی ملحدانہ نظریہ گلی سڑی ہڈیوں کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی یہ یوم حساب کے متعلق کوئی مزید شک وشبہ کا باعث ہو سکتا ہے۔

اس عظیم الشان راز کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ کائناتوں کی تشکیل سورۃ یٰسین کی آیت نمبر81 میں بیان کرتا ہے اور اس کی عظمت اور شان اس طرح بیان ہوتی ہے جیسا کہ آیت نمبر82 میں کہا کہ "وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا یہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔"

اب ہم صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح جب کوئی مومن انسان اپنی دنیاوی زندگی کے اختتام پر ہوتا ہے تو اس کے لئے سورۃ یٰسین کی تلاوت کی جاتی ہے۔

یہ مومن انسان دوسری دنیا میں چلے جانے کے وقت بہت سی سچائیوں کا ادراک حاصل کر لیتا ہے جب اسے سورۃ یٰسین کے حسن، ترتیب اور ہم آہنگی کے ذریعے یوم حساب اور آخرت کی خوش خبری دی جاتی ہے تو دوسری دنیا میں اس طرح داخل ہو گا کہ اس کے لب پر مسکراہٹ ہو گی یا جو انسان آخری سانسوں پر ہو گا اس کے لئے یہ کس قدر خوبصورت ڈھارس بن جاتی ہے اسے زندگی کے متعلق یاد دلانا کہ کس طرح سرسبز درختوں سے آکسیجن کا اخراج ہوتا ہے اور پھر اسے نئی دنیا اور یوم حساب کی طرف طمانیت کے ساتھ رخصت کرنا صرف ایمان کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

موضوع نمبر 17

اللہ کی حیرت انگیز مخلوق! شہد کی مکھی

THE MASTER RECKONER : THE BEE

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

النحل ۶۸۔ ۶۹

ترجمہ : "اور دیکھو۔ تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر بات وحی کردی کہ پہاڑوں میں اور درختوں پر اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا۔ اور ہر طرح کے پھولوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔ اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے۔ جس میں شفا ہے لوگوں کے لئے۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

النحل 48، 69

AND YOUR LORD SUGGESTED TO THE BEE : "TAKE UNTO YOURSELVES HOMES IN MOUNTAINS, TREES AND READY-MADE HIVES. THEN EAT OF ALL MANNER OF FRUIT, AND FOLLOW THE EASY PATHS OF YOUR LORD." A DRINK OF DIVERSE COLORS ISSUES FROM THEIR BELLIES, WHEREIN IS HEALING FOR MEN. SURELY IN THIS IS A SIGN FOR A PEOPLE WHO REFLECT."

CHAPTER 16 (THE BEE), VERSES 68-69.

جیسا کہ ہم جانتے ہیں یہ ایک بڑی سورۃ 128 آیات پر مشتمل ہے شہد کی مکھی کے نام النحل پر ہے جس میں شہد کی مکھی اور شہد کے متعلق انتہائی اہم سائنسی بصیرتیں ہیں۔

دودھ کے متعلق آیت نمبر 65 میں جو لہجہ یا انداز بیان پایا جاتا ہے اس کے فوراً بعد شہد کے متعلق آیت نمبر 69 میں 'انسان کے لئے قدرت کے ان دو بیش قیمت عطیات کی اہمیت بڑی صراحت سے بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے آیئے اس آیت کریمہ کے آخری فقرے پر توجہ کریں کہ "یقیناً اس میں ایک نشانی ہے

ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

آیئے اب ہم شہد کی مکھی اور شہد کی خصوصیات پر سائنسی تحقیقات کی روشنی میں نظر ڈالیں۔

(الف) شہد کا چھتہ، جو شہد کی مکھی کا گھر ہوتا ہے کی بناوٹ شش پہلو (چھ پہلو) مخروطی صورتوں میں ہوتی ہے یہ فن تعمیر کا ایسا شاہکار ہے جو صرف اور صرف خدائی ہدایت اور ذہانت کی روشنی میں تیار ہو سکتا ہے۔ یہ جیومیٹری جیسی شکل والی ساخت تعمیراتی جگہ کے ممکنہ طور پر بہترین استعمال کو ظاہر کرتی ہے جو ایک بڑے حجم والی چیز کو کم سے کم جگہ کے استعمال کے ذریعے محفوظ رکھنے کے فن کا اظہار ہوتا ہے۔ مزید بر آں اس کی تعمیر میں استعمال کے لئے صرف اسی گوند یا رال کا انتخاب کیا جاتا ہے جو انسانی صحت کے لئے موزوں ترین ہے اس انتخاب میں بے حد احتیاط کی جاتی ہے۔

(ب) شہد کی مکھیوں کی ایک جگہ بھیڑ بجائے خود ایک حیرت انگیز کہانی ہے۔ ایک شہد کی مکھی مخصوص اور طرح طرح کی آوازوں اور بازگشت کی مدد سے اپنی جسمانی ساخت کی تکمیل بھی کرتی ہے اور چھتے تک واپس پہنچنے کے لئے اپنی راہ بھی ڈھونڈ سکتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں یہ حقیقت ایک مخصوص سہولت کے طور پر بیان کی گئی ہے شہد کی مکھی کے چھتہ بنانے کی مہارت۔ راہ ڈھونڈنے کی خاصیت اور اس کی زندگی کے طور طریقوں پر بہت سی مخصوص کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ جو قاری اس مضمون میں تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ ان سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

(ج) آیئے اب شہد کی ساخت اور خواص کے متعلق غور کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی کے چھتے کی تعمیر ہی یہ بتا دینے کے لئے کافی ہے کہ شہد کی مکھی کس قدر ماہر مخلوق ہے۔ اس کی جسمانی زندگی کے متعلق انتہائی اہم تفصیلات ظاہر ہوئی ہیں پھر یہ کس طرح آواز کی لہروں کا استعمال کرتی ہیں بجائے خود ایک خوب صورت کہانی کا بیان ہے۔ مگر کیا شہد کی مکھی صرف اپنی ضرورت کے لئے ہی شہد تیار کرتی ہے؟ نہیں قطعی نہیں۔ اس لئے کہ تیار کردہ شہد کا ایک سواں حصہ بھی اس کے لئے بہت زیادہ مقدار ہوگی۔ کیا یہ قابل تصور بات ہے کہ اس قدر ماہر تعمیر اور انجینئر جو کہ شہد کی مکھی ہے اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ مقدار میں شہد تیار کرنے کے سلسلے میں اتنی بڑی غلطی کرے گی؟

کچھ ملحدانہ خیالات کے سائنس دان دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک پودا اس لئے پھل پیدا کرتا ہے تاکہ جاندار مخلوق کو ان کے قالب میں پہنچنے کے لئے راہنمائی فراہم کی جا سکے۔ ہم ان گمراہ کن نظریات پر آئندہ بحث کریں گے لیکن بہر طور شہد کی مکھی کے معاملے میں یہ گمراہ کن نظریات ذرا بھر بھی پورے نہیں اترتے۔ اس لئے کہ شہد کی مکھی کو کسی اور جسمیے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پھر وہ کیوں اتنی زیادہ مقدار میں شہد

تیار کرے؟ چنانچہ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں واضح کیا گیا ہے شہد تو دراصل انسانوں کے لئے اللہ کی طرف سے ایک خاص قسم کا تحفہ ہے۔

شہد کی تیاری کے عمل کی حیران کن باریکیاں

ایک جسمیہ (ORGANISMS) کو اپنی زندگی کے قیام کے لئے شکر اور نشاستہ کی اس قدر ضرورت ہوتی ہے' جو اس کی خوراک کی بنیاد تصور کئے جاتے ہیں۔ یہ ان کو مختلف اقسام کے پودوں سے حاصل کرتا ہے اور قوت حیات حاصل کرنے کے لئے ان کو بطور ایندھن استعمال کرتا ہے۔ ایک مختصر سا حصہ رائبوز (RIBOSE) کی تشکیل میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جو (DNA) کے لئے ایک بنیادی عنصر ہوتا ہے۔

رائبوز ایک خاص قسم کی (CYCLIC) شکر ہوتی ہے۔ یہ جسمیہ کے لئے ایک بنیادی ڈھانچہ کا ملبہ ہوتی ہے۔ اب حیران کن بات یہ ہے کہ تمام قسم کی خوراکوں میں یہ صرف شہد ہی ہے جس میں رائبوز پائی جاتی ہے۔ جب جسم کو نئے خلیوں کی تعمیر درپیش ہو جو یا تو بیماری کے بعد یا نشوونما یا خون بنانے کے عمل میں ہوتی ہے تو رائبوز ان سب کے لئے بے حد اہمیت حاصل کر لیتی ہے اس سلسلے میں عجوبہ یہ ہے کہ چونکہ شہد کی مکھیوں میں ملکہ مکھی کے علاوہ دوسری تمام مکھیوں کے لئے پیدائش کے عمل پر پابندی ہوتی ہے اس لئے ایک عام شہد کی مکھی کو رائبوز کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

شہد میں حل ہو جانے والے تمام وٹامن موجود ہوتے ہیں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس میں وٹامن B-13 B-14 اور BT موجود ہوتے ہیں جو کسی اور خوراک میں نہیں پائے جاتے۔ یہ جسمیوں کے جگر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ وٹامن خلیے کے (DNA) بنانے کے عمل میں ناقابل فہم طریقے سے اثر انداز ہوتے ہیں۔

شہد اور بھی کئی اہم مرکبات کا حامل ہوتا ہے۔ جیسے فاسفورس کے کیمیائی ضمیر اور خلیہ کی تقسیم کے لئے بی کمپلکس وٹامن' (FOLIC ACID) وغیرہ۔

شاہی جیلی (ROYAL JELLY)

شہد کی مکھی کی بالیدگی میں ایک خاص قسم کے ہارمون کی آمیزش ہوتی ہے جو حیاتیاتی مادوں میں بے حد دقیق اور حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ اس کو شاہی جیلی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ہارمون شہد کی مکھیوں کی ملکہ کیلئے

تیار کئے جاتے ہیں۔ اس کے کھانے کے بعد یہ ملکہ عام مکھیوں سے کئی گناہ زیادہ بڑی جسامت اختیار کر لیتی ہے۔ بہر حال جو ہارمون خارج ہوتے ہیں ان کی مقدار ملکہ مکھی کی ضرورت سے کئی سو گنا زیادہ ہوتی ہے۔ مزید براں دوسری تمام شہد کی مکھیوں کو اس جیلی کا کھانا ممنوع ہوتا ہے چنانچہ شہد کی مکھیاں ضرورت سے زیادہ مقدار یہ کسی غلطی کے سبب پیدا نہیں کرتیں۔ بلکہ اللہ کی مرضی پوری کرتے ہوئے انسانیت کے بھلے کے لئے یہ ضرورت سے زیادہ مقدار پیدا کی جاتی ہے۔

شہد میں موجود اوپر بیان کئے گئے ہارمون کی موجودگی اس کو پرانی بیماریوں اور جسمانی کمزوری کا بے مثال علاج بنا دیتی ہے۔

اس موقع پر میں یہ بتانا چاہوں گا کہ جسمانی طور پر کمزور لوگوں کو کچھ عرصہ قبل تلی کو پکا کر بطور علاج کھلایا جاتا تھا۔ مگر نہ تو تلی اور نہ ہی کلیجی کمزوری کے خلاف مناسب علاج ہے اس کے برخلاف کمزور لوگوں کے لئے جدید علاج تو بغیر پکی ہوئی سبزیاں خاص طور پر سبز رنگ کی سبزیاں۔ شہد اور زیتون کا تیل بہترین غذا مانی گئی ہے۔ زیتون کا تیل وٹامن ای (E) کا حامل ہوتا ہے اور بجائے خود قرآن کا ایک معجزہ ہے۔ سورۃ التین (95) بطور خاص زیتون کا ذکر کرتی ہے۔

شہد میں دیگر جواہر

شہد کی مکھی مختلف اقسام کے کھیتوں اور پودوں سے طبی نکتہ نظر سے بے حد مفید اور بیش قیمت جواہر اکٹھا کرتی ہے پھر ان کو شہد میں شامل کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے مختلف علاقوں میں بننے والا شہد مختلف خواص کی وجہ مخصوص قسم کی مختلف بیماریوں کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے۔ ان جواہر کی یہ خوبی ہے کہ یہ ایسی بیماریوں مثلاً اعصابی بیماریوں' دل کی بیماریوں گلے میں ہوا کی نالی سے متعلق بیماریوں اور معدے کے ورم (GASTRITIS) کے لئے بے حد مفید ہوتے ہیں۔ آیت کریمہ میں شہد کے تندرستی عطا کرنے والے رازوں کا تعلق انہی خواص سے متعلق ہے۔

آیئے اب اس آیت مبارکہ میں بیان کی گئی لطافتوں کو دہرائیں۔ اس سلسلے میں' میں آیت نمبر 68 اور 69 کے آخر میں بیان کی گئی بصیرتوں کا ذکر سب سے پہلے کروں گا۔

(الف) : یقیناً اس میں ایک نشانی (حیران کن سائنسی حقائق) ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ ہمیں یہ مشورہ دیا جا رہا ہے کہ ہم شہد اور شہد کی مکھی سے متعلق رازوں پر پوری

توجہ دیں اور بغور معائنہ کریں۔ اس لئے کہ انسان جو ہر چیز میں تجسس ظاہر کرتا ہے کائنات کے ان رازوں کو دریافت کرلے۔ وہ اکثر و بیشتر بہت سے واقعات سے غلط نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر باغی ہو جاتا ہے اس لئے قرآن کی روشنی میں غور و فکر کا مشورہ دیا جارہا ہے چنانچہ اگر شہد کی مکھی اور شہد کے متعلق پوری طرح غور کیا جائے تو تمام حقائق کا صحیح ادراک حاصل ہو سکے گا۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ یہ اللہ کی قدرت کا حیران کن شاہکار ہے کہ شہد کی مکھیاں اپنی ضرورت سے کئی سوگنا زیادہ مقدار میں شہد بناتی ہیں۔ یہ اس کے باوجود ہے کہ ان کی کمپیوٹر جیسی صلاحیتیں ایک انجینئر سے بھی بہتر ہوتی ہیں اور ان کا آپس میں رابطہ بالا صوتی (ULTRASONIC) لہروں کی مدد سے ہوتا ہے۔ یہ دونوں حقائق آیت نمبر 68 میں کھلے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اس موقع پر میں یہ کہوں گا کہ ملحد اور بے دین لوگوں کے دعوؤں میں موجود پراگندگی اور افراتفری اس وجہ سے ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا ایک عظیم اتفاق پر مبنی ہے جبکہ یہ حقیقت کہ اللہ تعالیٰ شہد کی مکھی کو جب یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ شہد تیار کرے جو انسانیت کے فائدے کے لئے ہو تو ان ضدی ملحدوں کو چپ کرانے کے لئے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت مبارکہ اس طرح اختتام پذیر ہوتی ہے کہ "شہد کی مکھی اور شہد میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

(ب) آیت کریمہ کا دوسری حقیقت کا پرزور اظہار مختلف اقسام کی شہد کی ان تمام خصوصیات سے متعلق ہے جو ان کے صحت مند خواص سے متعلق ہے۔ یہ اظہار کہ "اس کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے" (آیت نمبر 69) شہد میں موجود مختلف اقسام کے کیمیاوی خواص کی طرف اشارہ ہے۔ ان میں کچھ کیمیاوی اشیاء صرف طبی خواص کی حامل ہوتی ہیں۔ شہد کے خواص میں بالیدگی دینے والے ہارمون (شاہی جیلی) سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ رائبوز (RIBOSE) ہلکے پیلے رنگ کی ہوتی ہے اور وٹامن (B-12) پیلے رنگ کی ہوتی ہے۔ کچھ لاکھیں (نامیاتی مرکبات) اور صحت بخش کیمیائی اجزاء نارنجی رنگ کے ہوتے ہیں۔ فاسفورس کے کچھ مرکبات اور کچھ قسم کے خمیر گاڑھے بھورے مائع کی صورت میں ہوتے ہیں۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ بیان کرتی ہے کہ یہ "اس کے اندر (پیٹ) سے نکلتا ہے۔" یہ اس حقیقت کو پرزور طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ شہد کی مکھی جو کچھ حاصل کرتی ہے اسے اسی صورت ہی میں شہد کی شکل نہیں دیتی بلکہ یہ ان تمام کیمیاوی اجزاء کو جو یہ مختلف پھولوں سے اکٹھا کرتی ہے ایک خاص طریق عمل کے ذریعے شہد میں تبدیل کرتی ہے۔ جیسے ایک لیبارٹری میں مختلف اجزاء کو خاص فارمولے کے تحت ملا کر محلول تیار کیا جاتا ہے۔

(ج) شہد کے وہ خواص جو زخموں کے مندمل کرنے اور صحت کے لئے انتہائی مفید ہونے کے سلسلے میں ہیں

کسی طبی بحث کے متقاضی نہیں ہیں۔ ان کی افادیت کے سب معترف ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں ان کے اثرات کے متعدد پہلو ہیں جن کا خلاصہ میں مندرجہ ذیل میں پیش کروں گا۔

خلیوں کی تعمیر نو پر اثر

شہد تمام قسم کی پرانی بیماریوں کے لئے مفید اثر رکھتا ہے۔ خاص طور پر پرانے گٹھیا، جسمانی ضعف، وزن میں کمی، معدہ اور معدے کی آنتوں کے زخم یا ناسور (السر) پرانی جلدی بیماری اور بخار کے بعد صحت بحال ہونے کے درمیانی وقفے میں یہ بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔ شہد کی یہ تاثیر (رائبوز، فاسفورس، فالک ایسڈ، مکمل حل ہو جانے والے حیاتین (وٹامنز) کیمیائی خمیر (ENZYME) کی وجہ سے ہے۔ جو شہد کا جز ہوتے ہیں۔

مختلف علاقوں سے حاصل کردہ شہد کا اثر اور خاصیتیں

ان علاقوں میں جہاں صنوبر کے جنگلات ہوتے ہیں ان علاقوں کے شہد میں ایک مسکن دوا (جو درد کو کم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے) کی طرح کا اثر ہوتا ہے جبکہ دوسرے علاقوں کا شہد دل کی تقویت کا اثر رکھتا ہے۔ یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ شہد میں موجود حیاتین بی کے مرکب رائبوز اور لیولوز (LEVULOSE) شکر، دل کے پٹھوں کے لئے بے حد اہم غذا کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ یہ حقیقت بھی دریافت ہو چکی ہے کہ دل کا مخصوص اعصابی نظام شہد سے اور بطور خاص اس میں موجود حیاتین بی کے گروپ اور فاسفورس سے غیر معمولی طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے۔ مزید بر آں، دماغ کے لئے بھی شہد میں موجود رائبوز، حیاتین بی اور فاسفورس بے حد مفید پائے گئے ہیں۔

اس مقام پر ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ آیت کریمہ کی رو سے وجدان (INTUITION) اور الہام (INSPIRATION) میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ میں اپنی متعدد کتابوں میں بیان کر چکا ہوں۔ وجدان ایک کائناتی ادراک (یا کائناتی ذہن) کا پرتو ہوتا ہے جس کے توسط سے جاندار اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ جبکہ شہد کی مکھی انسانیت کی خدمت کی خاطر ایک خاص الہیاتی الہام حاصل کرتی ہے اور اس کی مدد سے بے حد حیران کن طریقے سے جیسے ایک دوائیوں اور حیاتی کیمیا کے کارخانے جیسا کام کرتی ہے۔

قرآن حکیم میں اس کا اعلان موجود ہے کہ طرح طرح کے جسمیئے بلکہ زندگی سے عاری چیزیں بھی اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ حکم یا الہام سے ہدایت پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسمیوں کو مختلف قسم کے کام تفویض کرتا ہے جو اس الہام کے ذریعے سے ہوتا ہے جو اس وجدان سے مختلف ہوتا ہے جو اس نے

ایسی مخلوق کو عام طور پر عطا کیا ہوتا ہے۔ یہ اللہ قادر مطلق کی مرضی ہی سے ہے کہ شہد کی مکھی جو محض ایک کرم یا حشرات کی معمولی قسم ہے کو حیران کن راز اس طرح مل جاتے ہیں جس سے معجزاتی اثرات نمودار ہوتے ہیں۔

شہد کی مکھی جو انجینئروں کے لئے ہدایت اور فیضان کا ذریعہ ہے ان حشرات میں سے ایک ہے جنہیں یہ راز عطا کئے گئے ہیں۔ قادر مطلق نے اس کے ذہن کو جو ایک پن کے سرے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ ایسی ہدایت اور رازوں کا حامل بنا دیا ہے جس کی کوئی نسبت بیان نہیں کی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عظیم سورۃ کا نام شہد کی مکھی یعنی النحل رکھا گیا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے شہد کی مکھی اپنے ودیعت کئے گئے رازوں کے ذریعے ملحد، مادہ پرست اور کافروں کی زبان اپنے ڈنک سے ڈس رہی ہے۔

موضوع نمبر 18

شراب، انسانیت کی بدترین دشمن

ALCOHOL :
THE FINAL ENEMY OF CIVILIZATION

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ البقرة ۲

ترجمہ : "پوچھتے ہیں شراب اور جوے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی برائی ہے اگرچہ ان میں کچھ لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہے مگر ان کا گناہ (نقصان) ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔"

(سورہ بقرہ آیت نمبر219)

"THEY WILL QUESTION YOU CONCERNING WINE AND GAMBLING, SAY": "IN BOTH THERE IS GREAT SIN, AND SOME PROFIT FOR MEN. BUT THE SIN IN THEM IS GREATER THAN THE PROFIT."

CHAPTER 2 (THE COW) VERSE 219

دنیا میں صحت وصفائی کے مشہور ماہر پروفیسر ہرش (HIRSCH) نے اس موضوع پر لکھی گئی اپنی کتاب میں کہا کہ "شراب پر پابندی، جو تہذیب یافتہ امریکہ پندرہ سال تک لاگو نہ کرسکا، اسلام نے پچھلی چودہ صدیوں سے کامیابی سے لاگو کررکھی ہے۔ اس طرح تہذیب وتمدن اور انسانیت کو بہت پہلے سے بچا رکھا ہے۔"

قرآن میں شراب پر پابندی تین نمایاں سورتوں میں آئی ہے ان میں سے موجودہ سورۃ جو کہ پہلی ہے اس کے متعلق ہم تشریح کریں گے۔ دوسری سورۃ جو شراب کی پابندی سے متعلق ہے وہ سورۃ النساء آیت 13 ہے۔ تیسری جگہ پر پابندی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر90 اور 91 میں بیان کی گئی ہے چند مفسروں کے نزدیک شراب پر پابندی قرآن میں بتدریج نافذ ہوئی جبکہ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ یہ تینوں سورتیں بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان کے بیانات الگ الگ محسوس ہوتے ہیں لیکن درحقیقت اندرونی اور اصل معانی کے نکتہ نظر سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

میں خود بھی دوسرے نظریئے کا معترف ہوں اس لئے کہ شراب کی اجازت یا اس کی موجودگی کی برداشت

ان تینوں سورتوں میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ نہ ہی کسی اور جگہ قرآن میں اس قسم کی کوئی اجازت دی گئی ہے۔ ان تینوں سورتوں نے اپنے اپنے انداز میں شراب پر پابندی ہی لگائی ہے بلکہ شراب سے پیدا ہونے والے خطرات کو الگ الگ طریقوں سے بیان کیا ہے۔ موجودہ زیر نظر آیت کریمہ بطور خاص شراب کی خرابیاں مادی پہلو سے بھی بیان کرتی ہے۔ چونکہ ہم اس موقع پر قرآنی آیات کا سائنسی علم کے تناظر میں جائزہ لے رہے ہیں، اس لئے ہم اس آیت کی بطور خاص تشریح اسی سائنسی نکتہ نظر سے کریں گے۔

اس سے پہلے کہ شراب کے انسانی صحت پر زہریلے اثرات کا پوری طرح سے جائزہ لیا جائے، ہمیں اس کے کیمیاوی اجزاء کے متعلق تھوڑا بہت ادراک حاصل کرلینا چاہئے۔

علم کیمیا (CHEMISTRY) کی رو سے ہمیں یہ معلوم ہے کہ الکحل (شراب) گلانے یا حل کرنے کے لئے ایک طاقتور محلول ہے۔ بطور خاص چربی کے لئے۔ غذائی اصطلاحات میں یہ حل کرنے والی چیز نہیں بلکہ توڑ پھوڑ کا عمل ہے۔ دوسرے لفظوں میں بنیادی خوراک یعنی شکر کو بیکٹریا یا جراثیم کے ذریعے ہضم کرنے کے سلسلے میں پیدا ہونے والی یہ ایک کیمیاوی ذیلی خوراک (BY PRODUCT) ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر شراب انسانی جسم کے لئے ایک نقصان دہ کیمیکل مانا گیا ہے اور انسانی جگر اس کو فوراً توڑ دیتا ہے۔ یعنی اس کی زہر آلودگی کو ختم کرنے میں لگ جاتا ہے اس عمل کو (DETOXIFIED) کہتے ہیں۔ چنانچہ شراب یا الکحل کی یقیناً کوئی غذائی اہمیت نہیں ہے، جس کا دعویٰ اس کے رسیا اکثر وبیشتر کرتے رہتے ہیں۔ جب یہ جسم کے اندر پہنچتی ہے تو دوسری ہر قسم کی خوراک کے برعکس کنٹرول سے باہر خامروں کی تبدیلی (METABOLIZED) یا ہضم ہو جاتی ہے۔ صرف یہی ایک ظاہری فائدہ اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے۔

اب ہم شراب یا الکحل کے انسانی جسم پر اثر کی طرف آتے ہیں۔

(الف) : شراب کا نظام ہضم پر اثر

عادی لوگوں کے دانت بہت تیزی سے خراب اور فرسودہ ہو جاتے ہیں۔ مونہہ کے بعد گلے اور خوراک کی نالی (ESOPHAGUS) کی باری آتی ہے۔ یہ دونوں اعضا ایک دوسرے سے ملحقہ ہوتے ہیں۔ یہ نہایت مشکل

کام سرانجام دیتے ہیں اور ان پر نہایت حساس استر (MUCOUS MEMBRANCE) کی تہہ ہوتی ہے۔ شراب کے اثر سے اس حساس تہہ پر برا اثر پڑتا ہے اور جلن کا باعث ہوتی ہے۔ نتیجتاً" ان دونوں اعضا کے اندر ضعف پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے ان اعضا کے سرطان (کینسر) کی وجہ شراب ہی بیان کی جاتی ہے۔ درحقیقت وہ ادارے جو سرطان جیسے موذی مرض کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں وہ 1980ء کے بعد سے شراب کے خلاف دوررس اور سنجیدہ اقدام کرتے رہے ہیں۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ شراب کی وجہ سے معدے کی خطرناک بیماریاں جیسے (GASTRITIS) پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ یہ خون میں موجود لائیپڈ (LIPID) جو ایک خاص قسم کی چربی ہوتی ہے' اس کے استعمال سے تحلیل ہوجاتی ہے۔ یہ یعنی لائیپڈ ایک طرح کی حفاظتی تہہ مہیا کرتا ہے جس پر تیزابیت یعنی ہائیڈروکلورک ایسڈ کا نقصان دہ اثر نہیں ہوتا۔ اسی تہہ کی وجہ سے معدہ خود اپنے آپ کو ہضم بھی نہیں کرسکتا۔ اگرچہ فی الحال یہ پوری طرح ثابت نہیں ہوا کہ جس طرح شراب گلے اور خوراک کی نالی میں سرطان کا ذریعہ بنتی ہے معدے کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہے لیکن اس خیال کو تقویت حاصل ہوتی جارہی ہے کہ معدے کے سرطان میں بھی شراب کی کارستانی ہوتی ہے۔

شراب کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر بارہ انگشتی آنت (DUDENUM) پر ہوتا ہے۔ اس جگہ نہایت نازک کیمیائی اثرات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ شراب اس کی اس خاصیت کو متاثر کرتی ہے جو مخصوص ہاضم لعاب خارج کرنے کی صلاحیت سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کی کیمیائی حساسیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ہاضمہ کے لئے اس اہم راستے کی تباہی کے بعد شراب جگر سے پیدا ہونے والے ہاضم لعاب (BILE) کے اخراج پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ تمام شرابیوں کی بارہ انگشتی آنت اور پتہ کی جھلی ہمیشہ بیماری کا شکار ہوتی ہیں۔ یا ان کا کام اکثر صحیح نہیں ہوتا۔ یہ حالت ہر شرابی کو گیس اور بدہضمی کے ذریعے مصیبت میں ڈالے رکھتی ہے۔ معدے کی یہ تکالیف آنتوں پر بھی اثر ڈالتی ہیں۔ چنانچہ نظام ہضم کا کمپیوٹر کی طرح کام کرنے والے نظام کی حسن ترتیب اور ہم آہنگی بھی تہس نہس ہوجاتی ہے۔ اگرچہ ایک صحت مند انسانی جسم ہر اس چیز کو ہضم کرلیتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نظام ہضم کو خاص قسم کی ہدایات جاری کرنے سے ہوتا ہے۔ مگر زیادہ اور مستقل طور پر شراب پینے والوں کے معاملہ میں یہ کنٹرول ختم ہوجاتا ہے اور ہضم کرنے کا عمل بلا روک ٹوک بغیر کسی تمیز کے جاری رہتا ہے اس کا نتیجہ موٹاپے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس لئے کہ یہ بے تحاشا ہضم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتا کہ خلیوں کی درمیانی جگہ (INTERSTICES) میں چربی کا ذخیرہ کرنا شروع کردے۔ درحقیقت چربی کی یہ کثیر مقدار دل کے پٹھوں کے

نظام پر مایو کارڈک ٹشو (MYOCARDIC TISSUE) پر چھا جاتی ہے اس طرح دل کی خطرناک قسم کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔

شراب کا سب سے زیادہ خراب اثر وہ ہے جو وہ جگر پر کرتی ہے انسانی جگر وہ حساس لیبارٹری ہے جو شراب کے ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے سالمے کو زہر کی طرح محسوس کرتا ہے۔ جگر پر شراب کا اثر دو طرح سے ہوتا ہے۔

1- شراب خوری کی صورت میں جگر کے خلیے الکحل ختم کرنے کی ذمہ داری میں پوری طرح مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے دوسرے کاموں کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔

2- جگر کے کیمیاوی عمل جو ایک سے ایک بڑھ کر حساس ہوتے ہیں۔ شراب کے بلا روک ٹوک اثر کے تحت درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جگر کو ایک ہی عمل بار بار دہرانا پڑتا ہے اور اس طرح بے پناہ مسلسل اور بلا ضرورت محنت اور مشقت سے جگر کی کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔

یہ اثرات جگر کے لئے خطرناک نتائج پیدا کرتے ہیں۔ ان اثرات میں زیادہ مشہور جگر کا سکڑنا (CYRRHOSIS) ہوتا ہے جو اس کا زندہ ثبوت ہوتا ہے کہ جگر کی بربادی مکمل ہو چکی ہے۔ زیادہ خطرناک ممکنات میں سے یہ بھی ہے کہ شراب کا استعمال ایک ایک کر کے جگر کے تمام فعلوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

ان فعلوں میں پہلا فعل وہ ہے جس میں جگر ان اجزاء کو پیدا کرتا ہے جن سے خون کا عمل ظہور پذیر ہوتا ہے۔ چونکہ جگر ان اجزاء کو پیدا نہیں کر سکتا یا اس کی پیداوار میں بہت زیادہ کمی ہو جاتی ہے اس لئے تمام عادی شرابی اندر سے کمزور (ANAEMIC) ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے چہرے خون کی نالیوں کے بڑھنے یا کھلنے کی وجہ سے تنومند نظر آتے ہیں، لیکن ان کی ہڈیوں کے گودے (BONE MARROW) تباہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ یعنی در حقیقت خون کی پیداوار کا عمل ختم یا بے حد کم ہو چکا ہوتا ہے۔

مزید برآں جگر کی وہ استطاعت جس کی وجہ سے جسمانی تحفظ کے اعضا جیسے مختلف قسم کے گلوبین بالخصوص امیونو گلوبلین (IMMUNO GLOBULIN) شرابیوں میں خطرناک حد تک کم ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں بیماریوں کے خلاف مدافعت کم سے کم ہو جاتی ہے۔

شراب بعض اوقات جگر کے فعل کے اچانک رک جانے کی وجہ بھی بن جاتی ہے اس صورت میں ایک شرابی بیہوشی کے عالم ہی میں مرجاتا ہے اسے جگر کا دیوالیہ پن ہو جانا کہتے ہیں۔ جگر کے سلسلے میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس میں اس پر شراب کے نقصان دہ اثرات کا ثبوت نہ ملتا ہو۔ اس نکتہ کو میں اس سے زیادہ شدت سے بیان نہیں کر سکتا۔

(الف) شراب کا خون کے دوران کے نظام پر اثر

خون کے دوران پر شراب کا اثر دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک تو جگر پر اثر کے ذریعے بالواسطہ ہوتا ہے۔ دوسرا دل کی بافتوں جنہیں میو کارڈک ٹشو (MYOCARDIC TUSSUE) کہتے ہیں پر بلاواسطہ اثر کے ذریعے جگر جو خون میں چربی کو تحلیل کرنے میں سب سے اہم عمل کرتا ہے، میں ضعف اور خرابی پیدا ہوجاتی ہے، جس کے نتیجے میں خون لے جانے والی نسیں سخت ہوجاتی ہیں جسے (ARTERIOSCLEROSIS) کہتے ہیں۔ اس سے فشار خون بلڈ پریشر (HYPERTENSION) کا عارضہ لاحق ہوجاتا ہے دوسری طرف الکحل (شراب) کے تیزی سے جل جانے کے عمل سے خون کے بہاؤ کے مخصوص طریق، جسے ہم خون کے بہاؤ کی رفتار کہتے ہیں، میں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔ اس کی وجہ سے دل کی تھکان واقع ہوجاتی ہے۔ مزید برآں شراب کی وجہ سے دل میں چربی کے ذرات جمع ہوجاتے ہیں اس طرح اعصابی نظام پر نقصان دہ اثر کے ذریعے دل کے عمل میں خلل اندازی واقع ہوجاتی ہے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ عادی شرابی بالآخر یا تو جگر کے فعل میں خلل یعنی سیروسس یا ہارٹ فیل ہونے کی وجہ سے اپنے خاتمے کو پہنچتے ہیں۔

وہ شخص جو دل کے عارضے میں مبتلا ہو اس کے لئے شراب کا ایک قطرہ لینا بھی ایسا ہے جیسے اسے اپنی زندگی کی کوئی پروا نہیں اور نہ ہی اسے اپنے جسم کے کسی عضو کے نقصان کی پروا ہے۔

شراب کے رسیا کچھ لوگوں کے یہ بھی خیالات ہیں کہ تھوڑی اور مناسب مقدار میں شراب پینے سے دل کے تشنج یا دورے میں افاقہ ہوتا ہے۔ یہ بادی النظر میں شراب کے فوائد میں سے ایک نظر آتا ہے۔ مگر سائنسی طور پر اس خیال کی کوئی قدروقیمت نہیں ہے۔ اگرچہ طبی تحریروں میں اس قسم کی کوئی تجویز موجود نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے بہت سے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس کے برعکس سوچتے یا محسوس کرتے ہیں۔

انسانی گردے جنہیں دوران خون کے نظام کا آخری مقام سمجھا جائے ان کو بھی شراب کے استعمال سے سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ گردے انتہائی حساس کیمیاوی جوہر کی ملاپ (VALENCE) کے مقام پر چھلنی کا کام دیتے ہیں لیکن شراب (الکحل) اس نازک عمل کو بھی تہہ وبالا کردیتی ہے۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ وہ شرابیں جن میں الکحل کی مقدار کم ہوتی ہے گردوں کے لئے زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ زیادہ مقدار میں بیئر (BEER) پینے والوں کے گردے اکثر خراب ہوتے ہیں۔

لمف والے (LYMPHATIC) نظام کی انسانی جسم میں بے حد اہمیت ہے۔ اس نظام کی خون والی نالیاں شراب کے ہاتھوں ناقابل علاج نقصان اٹھاتی ہیں۔ اس لئے کہ چربی والے نامیاتی مرکب لائیپڈ

(LIPID) کا اس نظام میں ایک بہت اہم مقام ہوتا ہے۔ شراب کا نقصان دہ اثر' اس حیران کن حد تک حفاظت بہم پہنچانے والے نظام کو برباد کر دیتا ہے۔

اگر اللہ جل شانہ نے' جیسا کہ مختلف آیات میں فرمایا گیا ہے' اپنی عنایات کے ذریعے انسانی زندگی کو حفاظت کے دیگر طریقوں سے نہ نوازا ہوتا تو ہمیں مزید صراحت سے نظر آتا کہ شراب کس قدر زیادہ نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

(ج) شراب کا اعصابی نظام پر اثر۔

شراب عصبی خلیوں کی اس باریک جھلی میں داخل ہو جاتی ہے جو نامیاتی چربی جیسے مرکب یعنی لائیپڈ (LIPID) کی حفاظت میں ہوتی ہے۔ اس طرح اس نظام کے برقی رابطے (ELECTRICAL COMMUNICATION) میں خلل اندازی کرتی ہے۔ یہ خراب اثر دو مختلف ذریعوں سے ظاہر ہوتا ہے اس کا پہلا اثر نشے کے اچانک حملہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

لیکن اس کا دیرپا اثر بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ شراب اعصابی نظام کو روز بروز نقصان پہنچاتی ہے۔ جس سے کئی اقسام کی بیماریاں لگنا شروع ہو جاتی ہیں۔ مزید براں اگرچہ شروع شروع میں شراب کا خراب اثر معمولی یا غیر واضح بھی ہو' تب بھی اس کے دیرپا خراب اثرات شروع ہی سے مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کچھ لوگوں کے یہ دعوے کہ "مجھے تو شراب سے نشہ نہیں چڑھتا مجھ پر شراب کا اثر نہیں ہوتا۔" محض طفل تسلی اور خود فریبی ہے۔

شراب کے برے اثرات جوانی اور بطور خاص بچپن میں بے حد زیادہ ہوتے ہیں۔ عام طور پر معلوم بیماریوں جیسے ہذیان (DELIRIUM)' کپکپی (TREMEN)' پلائینورائٹس (PLYNEURTIS) اور کورساکوف کے مجموعہ علامات (KORSAKOF SYNDROME) شراب کی کارستانیوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اس کا برا اثر اعصابی نظام کے مراکز پر ناقابل علاج حد تک ہوتا ہے۔ الفاظ کا بھولنا (AMNESIA) اور ہاتھوں کا رعشہ اس اعصابی نقصان کی نشانیاں ہوتی ہیں۔

شراب جس میں چربی پگھلانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ تخلیقی خلیوں (REPRODUCTIVE CELL) میں داخل ہو کر ان کو بے حد نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کی عام فہم مثالوں میں نئی نسل کی ذہانت میں کمی اور ناقص بالیدگی (DYSTROPHY) شامل ہیں۔ بہت گہرے مطالعہ جات اور سروے یہ حقیقت ظاہر کرتے جا رہے ہیں کہ ذہنی طور پر غبی بچوں کے والدین اکثر و بیشتر شدید قسم کی شراب نوشی کرتے تھے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شراب عورت کے تخم (OVUM) اور بیضہ حیات (EGG CELL) کے خلیے کو

بہت زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شرابی ماؤں کے بچے اکثر موروثی طور پر دماغی یا قلبی صدمے (SHOCK) کا شکار ہو جاتے ہیں۔ شرابی باپ کی طرف سے ایسے واقعات کی تعداد تیس فیصد سے زیادہ تک ہوتی ہے۔

(د) شراب کا معاشرتی نفسیات پر اثر :-

یہ حقیقت بار بار ثابت ہو چکی ہے کہ کس طرح شراب معاشرتی تعلقات اور استحکام پر اثر انداز ہوتی ہے۔ میں حسب ذیل میں ان چیدہ چیدہ اثرات کا ذکر کروں گا۔

1- شرابیوں میں زود رنجی یا غصے کے فوری حملے، ان کو معاشرے میں لاتعداد تنازعات میں الجھائے رکھتے ہیں۔

2- لاتعداد طلاقیں معاشرے کے بنیادی ڈھانچوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں اور نتیجتاً "مجرمانہ ذہنیت کے حامل بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے تمام معاشرہ خطرناک حد تک متاثر ہوتا ہے۔ طلاقوں میں متواتر اضافہ شراب نوشی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

3- مختلف قسم کے کام کرنے والے مزدوروں اور کاریگروں پر شراب کی وجہ سے بے دلی اور کاہلی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح ان کی کارکردگی اور مہارت پر برا اثر پڑتا ہے جس کا آخری نقصان معاشرے کو پہنچتا ہے۔

4- شراب کی وجہ سے انسانوں میں ایک دوسرے کی طرف غیر ہمدردی کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی تفکر، معاشرتی اتحاد اور معاشرتی مسائل کے خلاف جہاد کا جذبہ مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

اوپر بیان کئے گئے چار قسم کے مسائل نے مغربی معاشرت دانوں کو اس قدر فکر مند کر رکھا ہے کہ انہوں نے بارہا اپنی حکومتوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ اگر شراب کا استعمال اسی طرح بڑھتا رہا تو ان ملکوں میں قومی جذبہ بالکل ختم ہو جائے گا۔

قرآن حکیم نے اس مسئلہ کی بیخ کنی کر دی ہے۔ جس کے لئے معاشرے اور کسی فلاسفر دانشور میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس مسئلہ کو اس طرح دوٹوک طریقہ سے حل کرتا۔ یعنی شراب خوری کا یہ مسئلہ ان معاشروں کی بنیادوں تک کو آہستہ آہستہ گھن کی طرح چاٹ رہا ہے جبکہ اللہ کے حکم نے ہمارے معاشرے کو صدیوں سے اس مصیبت سے محفوظ رکھا ہے۔

موضوع نمبر 19

وقت کا سائنسی پہلو

THE SCIENTIFIC ASPECTS OF TIME

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ﴿٥﴾ ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦﴾ السجدة ٣٢

ترجمہ : "وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ اور اس تدبیر کی روداد اوپر اس کے حضور جاتی ہے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے وہی ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا زبردست اور رحیم۔" (سورۃ السجدۃ 32 آیت 5:6)

HE RULES ALL AFFAIRS FROM THE HEAVENS TO THE EARTH. THEN THEY ALL GO BACK UP TO HIM IN ONE DAY, WHOSE MEASURE IS A THOUSAND YEARS BY YOUR RECKONING. HE IS THE KNOWER OF THE UNSEEN AND THE VISIBLE, THE ALL MIGHTY, THE ALL-COMPASSIONATE

CHAPTER 32 (PROSTRATION), VERSE 5-6

THE ANGELS AND THE SPIRIT ASCEND TO HIM IN A DAY, THE MEASURE OF WHICH IS FIFTY THOUSAND YEARS.

CHAPTER 70 (THE ASCENTS), VERSE 4.

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾ المعارج

ترجمہ : ملائکہ اور روح اس کے حضور (عرش اعظم پر) حاضر ہو جاتے ہیں۔ ایک ایسے دن میں جس کی مقدار 50 ہزار سال ہے۔" (المعارج آیت 4)

وقت کا سائنسی پہلو

یہ آیات جو قرآن کے تناظر میں وقت کے متعلق حقیقت کا بیان کرتی ہیں۔ ان میں کئی کئی معانی کی تہیں ہیں۔ ان کی حقیقت کا ایک ساتھ ہی مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ آیات جن کا ادراک دور جدید کے علم فزکس کی رو سے بھی بے حد مشکل ہے۔ چہ جائے کہ چودہ صدیاں قبل کے علم طبیعیات (فزکس) کی رو سے ان کو سمجھا جاتا، دراصل یہ اپنی تشریح خود ہی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

جیسا کہ فزکس سے متعلق تمام آیات کے بارے میں ہے، آیئے پہلے ان پیغامات کو سمجھنے کی کوشش کریں جو ان آیات کے ذریعے ہم تک پہنچائی جا رہی ہیں۔

1- سورۃ المعارج (70) کی آیت نمبر 4 میں یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ روحیں اور فرشتے اتنا سفر اس ایک دن میں کرتے ہیں جس کا شمار دنیا کے پیمانے سے پچاس ہزار سالوں پر محیط ہے۔ یہاں دو اہم پیغامات ملتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ان کا ایک "دن" ہمارے دنوں کے 365x50,000 = 1,82,50000 دنوں کے مساوی ہے۔ طبیعیاتی مواد کی مخصوص سمت میں حرکت کی شرح (VELOCITY) کی حد، روشنی کی رفتار تک ہے۔ جس کو "C" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور C = 300,000 کلومیٹر فی سیکنڈ۔ اگر ایک خط میں منظم (LINEAR) تشریح ممکن ہو تو اس سے مراد یہ ہو گا کہ فرشتوں اور روحوں کی آخری رفتار یہ ہو گی۔

$$Cn = 250,000\ C$$

دوسرا پیغام یہ بتاتا ہے کہ وقت کا نظریہ نسبتی طور (RELATIVE) ہے۔ ابھی کچھ عرصہ قبل تک وقت کا مطلب ہاتھ یا جیبی گھڑی سے وقت کا پتہ لگانا تھا۔ لیکن یہ آیت مبارکہ ظاہر کرتی ہے کہ وقت، مختلف موجودات کے لئے مختلف طرح کی لچکداری کا حامل ہوتا ہے۔ تفاسیر لکھنے والے علماء کی اکثریت نے ان آیات کا مفہوم یہ لیا ہے کہ اللہ کی مرضی سے پیدائش اور واپسی ایک دن میں ہوتی ہے اور وہ ایک دن ہمارے ہزاروں سالوں کے برابر ہے۔

2- سورۃ السجدۃ کی آیات 5 اور 6 جن کی تشریح خاصی مشکل ہے یہ ایک دوسری طرح کے پیغام کی حامل ہیں۔ جس نظریے کی یہاں بات ہو رہی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر وقت بے حد آہستہ طریقہ سے گزرتا ہے۔ ان دونوں آیات میں اور سورۃ المعارج کی آیت نمبر 4 میں بڑے صاف طریقہ سے زور دے کر انسانوں کو بتایا گیا ہے کہ کرہ ارض پر وقت کی موجودگی بے حد سست طریق پر ہے۔

(ب) آیت نمبر 6 (سورۃ السجدہ) وقت کی اس قدر سست رفتاری کا اظہار اس طرح کرتی ہے کہ "وہی (اللہ) ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔"

چنانچہ وقت کا ایک پھیلاؤ (سستی) سے گزرنے کی رفتار نموداری اور غیر نموداری سے منسلک ہے۔ اس مقام پر میں وضاحت کروں گا کہ کس طرح یہ بصیرت علم طبیعیات (فزکس) کے ایک نئے قانون کو ظاہر کرتی

(ج) اس سورۃ کی ابتدائی آیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ دنیا کے بنانے میں دنوں کا مطلب ہمارے کلینڈر والے دن قطعی نہیں ہیں جن کا ہمارے روزمرہ کے معاملات سے تعلق ہوتا ہے۔ تمام آسمانی کتابوں میں یہ ذکر ملتا ہے کہ دنیا کی تخلیق چھ دنوں میں ہوئی۔ اس آیت مبارکہ میں قرآن اس حقیقت کو پوری طرح عیاں کردیتا ہے کہ یہاں لفظ "دن" کا مفہوم ہمارے روزمرہ کے استعمال والے دن سے کہیں زیادہ مختلف ہے۔

3- جب دونوں سورتوں کی آیات کو مدنظر رکھا جائے تو ہم حسب ذیل سائنسی پیغام حاصل کر سکتے ہیں۔

(الف) روحیں اور فرشتے نہ نظر آنے والی مخلوق ہیں۔ اس لئے کہ ان کی رفتار ان تمام مادی اشیاء کی رفتار سے زیادہ ہوتی ہیں جنہیں ہم دیکھ سکتے ہیں۔

(ب) کائنات کے مختلف مقامات پر وقت کے گزرنے کی رفتار بھی مختلف ہوتی ہے۔

(ج) جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ چیز منعکس ہو کر اسی اللہ کی طرف واپس پہنچتی ہے۔

(د) چیزوں اور مخلوقات کا نظر آنا دراصل رفتار سے متعلق ہے۔ زمین پر جہاں وقت کی سست روی والی رفتار ہی دیکھی یا محسوس کی جاتی ہے، کسی چیز کے نظر آنے کی حد روشنی کی رفتار (VELOCITY) پر منحصر ہے۔

(سورۃ 32 آیت نمبر 6)

آیئے اب دیکھیں کہ ان ابتدائی حقائق کے علم کے تناظر میں جدید علم طبیعیات کے وقت، رفتار اور مادی نظاروں کے متعلق کیا خیالات یا تصورات ہیں۔

آئن اسٹائن اور لورنز (LORENTZ) نے بنیادی طبیعیات کے قوانین کے تحت ہمارے شعور میں آنے والی چیزوں کی رفتار کا تعین تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کیا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں کچھ مادہ پرست لوگوں نے کائنات کی آخری حدود کا تعین کرنے کی کوششیں کی ہیں مگر ڈیراک (DIRAC) اور ہائزن برگ (HEISENBERG) نے حدوں کی نشاندہی کے اس کھیل کو روک دیا ہے۔

مادہ (MATTER) کی رفتار پر پابندی یا قدغن اس وجہ سے ہوئی کہ ہر اس چیز کا حجم بے تحاشا بڑھنا شروع ہو جاتا ہے جب اس کی رفتار روشنی کی رفتار کے قریب قریب پہنچتی ہے۔ بہرحال کولمبیا یونیورسٹی کے فزکس کے پروفیسر جیرالڈ فائنبرگ (FEINBRG) نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ رفتار کی یہ حد جو کائنات میں چیزوں (MATTER) سے متعلق ہوتی ہے درحقیقت مزید بڑھائی جا سکتی ہے۔ کائناتی طبیعیات میں تحقیقات

نے ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن کی رو سے ایسی مادی چیزیں سامنے آئی ہیں، جن کی توانائیاں ختم ہوچکی ہوتی ہیں۔ اور ایسی توانائیاں سامنے آتی ہیں جن کا مادہ ختم ہوچکا ہوتا ہے۔ پروفیسر فائنبرگ نے ریاضیاتی اکائیوں کی مدد سے یہ نظریہ ثابت کیا ہے کہ ایسی شعاعیں بھی موجود ہیں جو ہمارے مادہ سے متعلق تصورات کے تابع نہیں ہوتیں۔ ان شعاعوں کو ٹکیان (TACKYON) کا نام دیا گیا ہے۔ چونکہ ان شعاعوں کی رفتار معلوم حدود سے تجاوز کرجاتی ہے اس لئے انہیں عام مادہ (MATTER) نہیں کہا جاسکتا۔ اگر ان کی رفتار میں کمی ہوجائے تو یہ کمیت یا حجم کی حامل ہوجائیں گی اور مادی شکل میں واپس آجائیں گی اور اس طرح مشاہدہ کرنے والوں کو نظر آنا شروع ہوجائیں گی۔ اسی طرح وہ ذرے جو مادی ذرائع تحقیق کے تناظر میں اس رفتار سے حرکت کرتے ہیں کہ ان کی رفتار روشنی کی رفتار سے بڑھ جائے تو وہ پروٹون (PROTONS) کے پھوٹ نکلنے کا باعث بنتے ہیں۔ اس عجوبے کو اس کے دریافت کرنے والے کے نام کی مطابقت سے "سیرینکو اشعاع کا اخراج" (CERENKOV RADIATION) کا نام دیا گیا ہے۔

اگر روشنی کی رفتار کو "C" شمار کرلیا جائے تو ان شعاعوں کی رفتار کی حرکت کی شرح (VELOCITY) مثال کے طور پر 2 C یا 10 C ہوسکتی ہے۔ اس صورت میں ان کے لئے وقت مقابلتاً" اسی قدر پھیل (DILATE) جائے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ کائناتی شعاعوں پر تحقیق نے یہ ثابت کردیا ہے کہ کائنات کے مختلف علاقوں میں وقت کے بہاؤ یا گزرنے کی رفتار تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یا تو یہ کم ہوجاتی ہے یا بڑھ جاتی ہے۔ جیسا علاقہ (REGION) ہو۔

ٹکیان شعاؤں کی موجودگی دو طریقوں سے ہوتی ہے۔ پہلا طریقہ نکتے کی طرح (POINTLIKE) ہوتا ہے جہاں یہ شعاع، مادی فضا میں نمودار ہوتی ہے اور متعدد نکتے ایک لائن پر ٹنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسرے طریقے میں یہ ایک مکمل پیچیدہ سطح پر پھیلی ہوئی نظر آئے گی۔ یہ فطری آمد قرآن میں مذکور فرشتوں کے تصور سے مختلف نہیں ہے۔ فرشتوں کا نظر نہ آنا یقیناً ان کی لامحدود رفتار کے باعث ہی ہوگا۔ درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات اسی امر کی کھلے طور پر تشریح کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

آیئے اب ہم علم طبیعیات کے انتہائی جدید نظریات کی روشنی میں ان آیات کریمہ میں موجود پیغامات کا مطالعہ کریں۔ اور قرآن کے سائنسی معجزات کا اللہ جل شانہ، کی تعریف کے ساتھ مشاہدہ کریں۔

1- یہ آیات کیا بتاتی ہیں؟

فرشتے نظر نہیں آسکتے۔ ان کی رفتار (VELOCITY) مادی رفتار کے لحاظ سے غالباً اس طرح ہوگی Cn = 18250,000 C- وقت جو ہماری مادی دنیا میں آہستہ اور سست روی سے بہتا ہے ان (فرشتوں) کے

لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

سائنس کیا کہتی ہے؟

موجودات جن کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہوتی ہے، نظر نہیں آسکتیں۔ وقت کا عام بہاؤ یا گزرنا ان کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور یہ رفتار بجائے خود کائنات میں ہر جگہ مختلف ہوتی ہے۔

یہ سائنسی طور پر تسلیم شدہ بات اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ فرشتے اور روحیں فضائی حد بندی سے بالاتر ہیں۔

2- آیات کیا بتاتی ہیں؟

"اللہ کی مرضی نظر نہ آنے والی توانائیوں کی ناقابل یقین رفتاروں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور ان کے واپس آنے میں ایک دن کا وقفہ ہوتا ہے جو تمہارے لحاظ سے ایک ہزار یا کئی ہزار سالوں پر محیط ہے۔"

سائنس کیا کہتی ہے؟

ٹائیکون شعاعوں کی لکیریں جو اس قدر تیز رفتار ہوتی ہیں کہ انسانی ذہن ان کا احاطہ نہیں کر سکتا، غیر مرئی توانائیوں کی نشانیاں ہیں۔ یہ مادی دنیا میں بھی آتی ہیں۔ اور پھر اس کی طرف لوٹ جاتی ہیں جہاں سے یہ آتی ہیں۔

فزکس کی جدید ترین دریافتیں اور تصورات ابھی حال ہی میں قرآن حکیم کی آیات کی تشریح کے قریب پہنچی ہیں۔ جبکہ دنیا کو ان کے ذریعے سے چودہ سو سال قبل ہی بصیرت عطا کردی گئی تھی۔ ان دو سورتوں میں ایسی ایسی بصیرتیں موجود ہیں کہ ان کی مدد سے کائنات کی پیدائش سے متعلق بہت سے راز فاش ہو سکتے ہیں۔ زیادہ اہم یہ حقیقت ہے کہ ان آیات کی مدد سے غیر مرئی فرشتوں کی موجودگی پر ایمان لانا علم طبیعیات (فزکس) کے لئے ناگزیر ہے۔

فرشتوں کے متعلق جو نظریہ ہے جسے ہم ایمان کے بنیادی ارکان میں سے ایک سمجھتے ہیں اس پر مشرق اور مغرب میں ملحدوں اور کافروں نے کئی سالوں تک اعتراضات کئے ہیں۔ اور اس کا مذاق اڑایا ہے۔ مگر آج سائنس نے ان ہستیوں کی موجودگی کی حقیقت کا اعتراف کرنا شروع کردیا ہے اور انہیں قرآن کی رو سے معجزہ تسلیم کیا گیا ہے جس کی شہادت علم طبیعیات میں رفتار کے نئے نظریات نے پیش کی ہے۔ ہمارے موجودہ (مادہ پرست) دور میں اس قسم کے فہم اور ادراک کا ظہور پذیر ہو جانا بجائے خود قرآن کریم کا ایک اور معجزہ ہے۔

موضوع نمبر 20
کائنات کی پیدائش
THE CREATION OF THE UNIVERSE

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

ترجمہ : قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں۔ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کے حق میں درگزر کی درخواستیں کئے جاتے ہیں۔ آگاہ رہو حقیقت میں اللہ غفور الرحیم ہی ہے۔" (الشوریٰ 42)

THE HEAVENS ARE ALMOST RENT ASUNDER ABOVE THEM. AND THE ANGELS PROCLAIM THE PRAISE OF THEIR LORD, AND WISH FORGIVENESS FOR THOSE ON EARTH. SURELY GOD IS THE ALL-FORGIVING, THE ALL-COMPASSIONATE.

CHAPTER 42 (COUNSEL), VERSE 5.

"کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی کی بات) کا انکار کیا غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی کے ذریعے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں گے؟"

(الانبیاء 31-30)

چونکہ یہ آیات ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں اس لئے میں ان کے معنی ایک ساتھ ہی بیان کروں گا۔ یہ آیات کریمہ ان بہت سے مسائل پر روشنی ڈالتی ہیں، جن کو جدید علم طبیعیات (فزکس) ابھی تک حل نہیں کرسکا۔ ان تشریحات کے دوران ہم اپنے آپ کو قرآن حکیم کے غیر معمولی اور چند ھیا دینے والے انکشافات کے درمیان پائیں گے۔ مگر ان کو میں آسمانی طبیعیات پر بحث کے وقت تک اٹھا چھوڑوں گا۔ اس لئے کہ ہمیں معلوم ہو گا کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود چند ایک نظارے اور چیزیں تو ہمارے زمانے کے علاوہ آنے والے مستقبل پر بھی محیط ہیں۔ یہ ان مضامین سے متعلق ہیں جن کے متعلق آسمانی طبیعیات کے علم نے بھی حال ہی میں احاطہ کرنا شروع کیا ہے اور شاید ان کی سمجھ بوجھ صحیح طور پر آئندہ بیس سالوں میں سامنے آنے

لگے گی۔

ان آیات کے بغور مطالعہ سے حسب ذیل امور کا پتہ ملتا ہے۔

1- تمام آسمان اور کائناتیں زمین کے ساتھ جڑی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انتہائی خوش اسلوب طریقہ سے آسمانوں اور زمین کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا۔

2- کائناتیں (HEAVENS) جنہیں جنتیں بھی کہا جاتا ہے اور جو آسمان کے مخصوص حصے ہیں ایک کے بعد ایک تہہ در تہہ موجود ہیں۔ یہ ایک بے پناہ کھچاؤ (تناؤ) یا ممکنہ اختلاف (POTENTIAL DIFFERENCE) سے وجود میں لائی گئی ہیں۔ مگر یہی مضبوط نظام یا تناؤ ہی ہے جس کی وجہ سے یہ کائناتیں اپنی جگہ موجود اور قائم ہیں۔ اس تناؤ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت نے ہی خلائی وقت کے تسلسل میں برقرار رکھ کر قائم کیا ہوا ہے۔

ان آیات کریمہ سے متعلق دیگر حقائق اب ذیل میں بیان کئے جائیں گے۔ ہم مزید مطالعہ کے ذریعے یہ بھی دیکھیں گے کہ ایک دھماکے سے الگ کرنے کا عمل کہ جس کے ذریعے یہ کائنات تشکیل پذیر ہوئی یا موجودہ صورت میں وجود میں آئی، دراصل اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس سلسلے میں صرف ایک ہی تناؤ (TENSION) یا نظم نہیں، بلکہ مزید کئی تناؤ یا نظام بھی ہیں۔

(الف) کئی عشروں کے غور و خوض اور تحقیقات کے بعد ماہرین علم طبیعیات اور کائناتی فزکس کے ماہرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کائنات کی تشکیل کو سب سے بہتر طور پر صرف "عظیم دھماکہ" (BIG-BANG THEORY) کے نظریئے نے ہی بیان کیا ہے یہ نظریہ دو سائنسدانوں مارٹن رائیل اور ایلن سینڈیج نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس نظریئے کی رو سے کائنات ایک ناقابل یقین کثیف دھوئیں دار نکتے یا مقام سے پھٹ کر وجود میں آگئی۔ اس مقام یا نکتہ کو اکائی (SINGULARITY) کا نام دیا گیا۔ کائنات کی تشکیل کے پہلے مرحلہ میں یہ اکائی یا "سنگولیرٹی" اتنی شدید گرم حالت میں تھی کہ اس کی حدت کے متعلق قیاس آرائی کرنا بھی عبث ہے۔ ایک سیکنڈ کے سویں حصہ میں یہ اکائی ایک ابتدائی آگ کے گولے کی صورت میں پھیل گئی۔ اور اس کا درجہ حرارت تقریباً ایک سو ارب ڈگری کیلون (KELVIN) تک تھا۔ اس کے گاڑھے شوربے جیسے وجود سے اس وقت تک پروٹون (PROTON) اور نیوٹرون (NEUTRON) نکل کر پھیل نہیں گئے تھے اور نہ ہی مشہور چاروں اندرونی مادی باہمی عمل (PHYSICAL INTERACTIONS) برآمد ہوئے تھے۔ تب اس گاڑھے شوربہ جیسی چیزیں یعنی مادہ اور توانائی متواتر ایک دوسرے میں تحلیل ہو رہے تھے اور چاروں اندرونی باہمی عمل (INTERACTIONS) ایک مضبوطی سے

جڑے ہوئے تھے۔

جیسے جیسے یہ انتہائی گرم اور دھوئیں سے اٹی ہوئی آتشی گیند پھیلنا شروع ہوئی، یہ بتدریج ٹھنڈی بھی ہونے لگی۔ چنانچہ ایک مکمل ترتیب کی صورت پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ پہلے پہلے کشش ثقل کی قوت یا مخالف باہمی عمل (INTERACTION) سے علیحدہ شکل میں الگ ہوئی۔ اور اس کے بعد طاقت ور اور کمزور برقی کشش کے مخالف باہمی عمل (ELECTROMAGNETIC INTERACTION) خود اسی ہی ترتیب سے پیدا ہوئے۔ آسمانوں اور زمین کا دھماکے سے علیحدہ ہونا (فتق) وقوع پذیر ہوا۔ اور ترتیب کے ٹوٹ جانے اور ابتدائی ترتیب دیئے گئے مخالف باہمی عمل (SYMMETRICAL INTERACTIONS) کے علیحدہ (چاک) ہونے کی وجہ سے فزکس کے علم کے چار جانے پہچانے "مخالف باہمی عمل" پیدا ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں نہ صرف ابتدائی اکائی کائنات سے ٹوٹ کر علیحدہ ہوئی بلکہ اس کے قوانین کی علیحدہ پہچان بھی اسی قسم کے عمل کی وجہ سے ظاہر ہوئی۔

پھر اللہ نے اپنی بے پناہ اور لامحدود شان کے طفیل کائنات کو ایک نکتے یا مقام سے پوری طرح پھیلا دیا۔ جس کھچاؤ یا تناؤ کے ذریعے یہ عمل وقوع پذیر ہوا وہ سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر 5 میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے آسمانوں کو ترتیب دیا۔ پھر اس تناؤ کے ذریعے زمین کو قائم کیا۔ اس طرح موجودہ نظر آنے والی کائنات اور اس کے قوانین کو پیدا اور جاری کیا۔

اس سلسلے میں ایک اور اہم نکتہ آسمانوں اور زمین کے ابتدائی ملاپ یا یکجان ہونے سے متعلق ہے جو سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر 30 میں بیان کیا گیا ہے۔ مشہور سائنسدان آئن اسٹائن کا شہرہ آفاق نظریہ یعنی نظریہ اضافیت (THEORY OF RELATIVITY) اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ مادہ اور توانائی ایک موقع پر ایک ہی چیز تھیں۔ مادہ بجائے خود توانائی کی تکثیفی (CONDENSED) صورت ہے۔ اور توانائی اپنی جگہ ایک آزاد شدہ مادہ ہے۔ وہ یہ ثابت کرنے میں بھی کامیاب ہوگیا کہ آسمانی کرہ اور وقت ایک دوسرے سے الگ نہیں کئے جاسکتے۔ یہ دونوں ایک خلا (کرہ آسمان) اور وقت کے تسلسل میں بندھے ہوئے ہیں۔ مزید برآں اس کی دریافتوں نے بھی بتایا کہ کشش ثقل اور اسی لئے حجم بھی اس تسلسل میں محض ایک خم (CURVATURE) ہے۔ دوسرے لفظوں میں مادہ کی تشکیل خلائی وقت کے تسلسل کو موڑنے یا جھکانے سے ہوئی۔ اس عمل کے ہونے میں ایک ایسے تناؤ یا کھچاؤ کو دخل ہے، جس نے درحقیقت آسمانوں اور زمین کو دھماکے سے الگ "فتق" کر دیا۔

(ب) اب جبکہ کائنات وجود میں آگئی، تو یہ اسی تناؤ کی مدد سے قائم رہی ہے جو اس کے وجود میں آنے کے

سلسلے میں مددگار ہوا تھا۔ ایک طریقے سے یہ تناؤ بطور خود بھی اپنی طرف کھچاؤ یا میلانیت (ATTRACTION) اور دور کرنے یا پھینکنے (REPULSION) کے باہمی عمل سے ظاہر اور ثابت ہوتا ہے۔ بجلی کے معاملے میں یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ مخالف چارج ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اور ایک ہی قسم کے چارج ایک دوسرے کو دور دھکیلتے ہیں۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کے توسط سے جوہر (ایٹم) اور دیگر مادہ کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ مزید براں کشش ثقل کی تمام قوت اس مرکز گریز قوت کی مدد سے توازن پذیر ہے جسے لوکس (LOCUS) کہتے ہیں۔ جو سیاروں اور ستاروں کے نظام کو قائم رکھتی ہے۔ چنانچہ ہر چیز کی بقاء' یعنی چھوٹے سے چھوٹے جوہر (ایٹم) سے لے کر ستاروں کے نظام تک کی بقا کی ضمانت بھی اسی تناؤ یا کھچاؤ کے ذریعے مہیا کر دی گئی ہے۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے سورۃ کے شروع میں اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے کائنات کی مادی اور ریاضیاتی تشکیل کا اعلان کیا ہے اس کے فوراً بعد کے بیان میں ہی اللہ کے رحیم اور مہربان ہونے کی خصوصیت بیان کی گئی ہے۔ اللہ کا رحم سے دیکھنا' اس کی تمام مخلوق اور پوری کائنات پر کمال مہربانی کا اظہار ہے۔ اس رحم اور مہربانی کی خصوصیات میں' ان تمام کے لئے اللہ کی شفقت' حفاظت اور پناہ کا تصور موجود ہے۔

ثقل کی قوت جس سے تمام چیزیں ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں' اللہ کی پاک شفقت کی نشانی کا اظہار ہے۔ دوسری طرف تمام چیزوں کا چکر کی صورت میں گھومنا یعنی موشن (ROTATIONAL MOTION) ہے' جو چاہے وہ سورج کے گرد گھومنے والے ستارے ہوں یا ایک نوات یعنی مرکزہ (NUCLEUS) کے گرد گھومنے والے الیکٹرون ہوں' کائنات میں پورے مادے کو کائنات میں کشش ثقل کی قوت کے ذریعے مرتکز یا یکجان ہو کر فنا ہو جانے کے عمل سے روکے ہوئے ہے۔ اور یہ گھومنے والی حرکت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ تمام موجودات اپنے رب کی شان اور عظمت بیان کرتی ہیں۔ اس کا شکریہ ادا کرتی ہیں اور اس کی تعریف کی تسبیح کرتی ہیں۔ چنانچہ مادی کائنات میں اللہ کی شفقت اور محبت کا ایک اظہار کشش ثقل کی قوت کی موجودگی ہے۔ جبکہ اس کا رحم اور ترس کا عمل اس کی پیدا کردہ چھوٹی سے چھوٹی کائنات (MICROCOSMOS) اور بڑی سے بڑی کائنات (MACROCOSMOS) میں موجود گھومتی ہوئی رفتار (روٹیشنل موشن) میں نظر آتا ہے۔

(ج) جیسا کہ نظریہ اضافیت کے متعلق اوپر اشارہ کیا گیا تھا' خالی جگہ یا کرہ بالکل خلا (یا ویکودم) نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے جدید فزکس میں پلینم (PLENUM) کہا جاتا ہے۔ سائنسدان ہائزن برگ کے "اصول غیر یقینی کے نظریئے" کے مطابق خالی جگہ یا خلا وقت کے اندر گھٹتا بڑھتا یا ڈگمگاتا رہتا ہے۔ ہائزن برگ کے بیان

کردہ اس اصول کے تناظر میں جو حدود مقرر کی جاسکتی ہیں' ان میں مادہ اور توانائی (انرجی) کا تحفظ اس حد سے گزر جاتا ہے' جو عقل و بیان سے ماورا ہوتا ہے اور توانائی کی واضح اکائیوں کو اتنا کو غیر وجود سے وجود میں لایا جاسکتا ہے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ محفوظ ہو جائیں یا وجود حاصل کریں وہ فوراً دوسرے ہی لمحے میں فنا ہو جاتی ہیں۔ ایسا ذرہ جو حقیقت میں نمودار ہوتا ہے۔ پھر اسی لمحے غیر وجود میں غائب ہو جاتا ہے۔ وہ مجازی ذرہ (VIRTUAL PARTICLE) کہلاتا ہے۔ دوسری طرف اگر ان بھوتوں کی خصلت والے ذروں تک مناسب مقدار میں توانائی پہنچا دی جائے تو ان کو فعل میں لایا جاسکتا ہے یعنی ان میں جان ڈالی جاسکتی ہے۔ محض کو اتنا سے وجود میں لانے کے عمل کا تو اب سائنسی لیبارٹریوں میں بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

مشہور سائنسدان ڈیراک کے ابتدائی نظریہ خالی سمندر ویکوم سی (VACUUM SEA) کا خیال' جس میں ایک غائب ذرے (ANTIPARTICLE) کو ایک ذرے کا چھوڑا ہوا شگاف سمجھا جاتا ہے قرآن میں بتائے گئے ''فتق'' کی صاف طور پر نشاندہی کرتا ہے۔ یا اس کی مخصوص جگہ سے اس کا ایسا عمل یعنی موجودہ مثال میں' خلا (یا ویکوم) میں اس کی وہ ہیئت' جو دور سے ایک ہی جیسی اور بغیر کسی کونے کے نظر آئے جبکہ اگر مائیکروسکوپ سے دیکھا جائے تو وہ ذروں کے اور غیر ذروں (ANTIPARTICLES) کے ابلتے ہوئے تیز چکر کھاتے ہوئے ایک سمندر کی طرح اسی ہی لمحے جوڑوں میں بننے والے غیر ذرون کی صورت اختیار کر کے ایک دم سے فنا ہو جاتے ہیں۔ یہ ناقابل یقین خیال اس وقت مادی طور پر ثابت کیا گیا۔ جب سائنسداں ولس لیمب نے اس حقیقت کو دریافت کیا جسے آج کل فزکس میں لیمب شفت (LAMB SHIFT) کہا جاتا ہے۔

لیمب' ہائیڈروجن جواہر (ایٹموں) کی بھوت یا روح کی طرح سے مختصر تبدیلی مکان (SHIFT) کی پیائش حاصل کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس تبدیلی مکان (شفٹ) کا عمل مجازی ذروں کے جوڑوں کی مرکزہ اور منفی برقی پارہ (الیکٹرون) کے درمیانی خالی مقام یا خلا میں مسلسل پیدائش اور مسلسل فنا ہو جانے کے عمل کی وجہ سے تھا۔ وہ برقی میدان جو منفی برقی پارہ (الیکٹرون) کو مدار میں باندھے رکھتا ہے کبھی کبھی خالی جگہ (ویکوم) کے سمندر سے منفی برقی پارہ اور مثبت برقی پارہ (یعنی الیکٹرون اور پوزی ٹران) کا جوڑا بناتا ہے۔ اور پھر فوراً ہی یہ جوڑا فنا ہو جاتا ہے۔ یہ عمل جسے ویکوم پولارائزیشن (VACUUM POLA-RISATION) کہتے ہیں اتنے عرصے کے لئے باقی رہتا ہے۔ جس میں وہ منفی برقی پارہ (الیکٹرون) کی مدار میں چکر کھاتی ہوئی توانائی میں تبدیلی مکان (شفٹ) پیدا کر دے۔ اس طرح یہ برقی میدان کے تناؤ (ٹینشن) کا وجود ہی ہے کہ جو اس صورت میں مجازی ذروں کے جوڑوں کو اپنی طرف کھینچ کر قائم رکھتا ہے۔

آسمانی طبیعیات کے عجیب و غریب سیاہ شگافوں (BLACK HOLES) کے ضمن میں انگریز ماہر طبیعیات اسٹیفن ہاکنگ نے دریافت کیا کہ سیاہ شگاف غیر مستحکم ہوتا ہے۔ اور اشعاع (RADIATION) کے بالواسطہ اخراج کا ذریعہ بنتا ہے۔ سیاہ شگاف کے واقعاتی دائرہ افق کے نزدیک شدید ثقلی میدان' مجازی ذروں کے جوڑوں کی پیدائش کا سبب بنتے ہیں۔ اور ان کا فنا ہوجانا برقی مقناطیسی اشعاع (ELECTROMAGNETIC RADIATION) کے نکلنے کی وجہ سے ہے۔ ان کا نظر آجانا ممکن ہے۔ اور ان کا بالواسطہ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ زیر مطالعہ مسئلہ میں یہ ثقلی میدان کا شدید کھچاؤ یا تناؤ ہی ہے جس کی وجہ سے خالی جگہ یعنی ویکوم کے تقسیم ہوجانے کے عمل سے مادہ اور توانائی کی تشکیل ہوتی ہے۔ یونیورسٹی آف نیوکاسل کے ماہر طبیعیات پال ڈیویز نے اپنی تازہ کتاب جس کا نام "خدا اور نئی طبیعیات" (GOD AND NEW PHYSICS) ہے' میں کہا ہے کہ آزاد خلا (ویکوم) یا بالکل نہ ہونے سے ہوجانے کی صورت 'اللہ کی دخل اندازی (مرضی) کے بغیر ناممکن ہے۔

اوپر بیان کئے گئے حقائق کی روشنی میں' میں یہ بھی تجویز کرنا چاہوں گا کہ برقی اور ثقلی میدانوں کے علاوہ ایک شدید مقناطیسی میدان کا تناؤ بھی ذروں کے اچانک وجود میں آجانے کا باعث ہوسکتا ہے۔ یہی وہ میدان ہے جو کائنات کے ہر مقام پر موجود ہے۔ جو آخرالذکر کے لئے حکم کرتا ہے اس کی شکل وصورت کی تشکیل کرتا ہے۔ اس کی پرت پر پرت جماتا ہے اور اس کو قائم رکھتا ہے' جیسا کہ ہم آئندہ موضوع میں دیکھیں گے۔ میرے ذہن میں جو بات ہے وہ تو بطور خاص آسمان کے طبقوں سے متعلق ہے۔ دوسرے لفظوں میں سات آسمان اسی میدانی تناؤ کا سہارا لئے ہوئے قائم ہیں۔

(د) سیاہ شگاف وہ نکتے یا مقام ہیں جن کے متعلق سورۃ الشوریٰ آیت نمبر5 اور سورۃ الانبیاء آیت نمبر30 میں اس تناؤ کی نشاندہی اور اصلیت کو ثابت کرتی ہے۔ کشش ثقل کا میدان اس طرح مرکوز ہے اور ہر مقام پر اس کثرت سے موجود ہے کہ اس سے بچ کر نکل جانا ناممکن ہوجاتا ہے۔ ایک کم خطرناک مگر زیادہ خوش کن سطح پر پروٹونز اور الیکٹرونز اس مقناطیسی آندھی میں بہے جاتے ہیں جو سورج میں برپا (شمسی آندھی) ہے۔ زمین پر پہنچنے پر یہ ایک حیران کن خوب صورت انداز میں قطبین پر چکر کھاتے ہوئے اترتے ہیں۔ اس عجوبہ کو "ارورا بوریلس" (AURORA-BOREALIS) کہتے ہیں۔ چنانچہ اس عجوبے کی ابتدا اور اس کا اختتام مقناطیسی میدانوں کے تناؤ میں ہی مضمر ہے۔

سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر30 میں حقیقتاً صحیح طور پر پوچھا گیا ہے کہ ان بے پناہ نشانیوں کی موجودگی میں کس طرح ایک شخص کافر اور منکر رہ سکتا ہے؟ میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ ح۔م سے شروع ہونے والی ہر

ایک سورۃ پیدائش کے مختلف قوانین کو ظاہر کرتی ہے۔ ہم سات آسمانوں کی تشریح والے باب پر پہنچ کر دیکھیں گے کہ یہی تناؤ کس طرح باہم جڑے ہوئے آسمانوں اور زمین کو چیر کر الگ کرنے کا کام کرتے ہیں اور کس طرح یہی تناؤ ہی متعدد آسمانوں کے باہمی توازن، ان کو تاب دینے اور قائم رکھنے میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو آیت کریمہ (فتق) یعنی چیر کر الگ کرنے کا اعلان کرتی ہے وہی کائنات کی تقسیم اور امتیازات کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

ایک لمبے عرصہ سے بے دین ملحد لوگ، افراتفری اور درہم برہم چیزوں کو ہی کائنات کی تشکیل کا ذریعہ بتاتے رہے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ ان سب کو ترتیب دینے والی ایک عظیم ہستی کے بغیر افراتفری کو ایک کائنات کی شکل نہیں دی جاسکتی۔ ورنہ تو یہ ہمیشہ کے لئے افراتفری ہی کی صورت میں ہوتی۔

مزید برآں اگر عظیم منتظم (اللہ) کا وجود کائناتوں کو ہر وقت اور ہر مقام پر سنبھالے نہ ہوتا تو یہ پراگندہ ہو کر افراتفری کا شکار ہو جاتیں۔ اور یہ افراتفری ایک سیکنڈ کے ایک ارب حصے کے وقت میں ہو جاتی۔ مگر اللہ کے قائم کردہ تناؤ چستی (ٹینشن) ہی کی وجہ سے کائنات کے ہر مقام پر ایک ناقابل یقین ترتیب اور ڈسپلن موجود ہے اور سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر5 اللہ جل شان کی اس قوت کو ظاہر کرتی ہے جو فضاؤں کے ہر مقام کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس عظیم الشان ڈسپلن اور قوت کو جو ساری کائنات میں جاری و ساری ہے، کو سورۃ الملک میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ آیت نمبر4 میں پھر اس طرح فرمایا گیا "پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ۔ تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔"

سورۃ الانبیاء میں پھر کس طرح یہ سوال کرکے کہ "پھر بھی وہ ایمان نہ لائیں گے؟" اللہ تعالیٰ یہ واضح اعلان کر رہا ہے کہ کفر ایک معمولی سے معمولی علم سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ اور یہ نامطابقت ملحدوں کی مکمل لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں فزکس اور کائناتی فزکس نے قرآن کی نفی کے تمام ممکنات کو ختم کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ کے وجود سے انکار کو بھی ناممکن بنا دیا ہے۔ چنانچہ ایک ملحد شخص کا تو "سائنس کے شہر" میں داخلہ ہی ممنوع ہے۔

موضوع نمبر 21

تہہ در تہہ سات آسمان

THE SEVENFOLD HEAVENS

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ

الطلاق ۱۲

ترجمہ : اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی انہی کی مانند۔"

IT IS GOD WHO CREATED THE SEVEN HEAVENS, AND OF THE EARTH A SIMILAR NUMBER.

CHAPTER 65 (DIVORCE), VERSE 12.

بہت سی آیات میں قرآن کریم نے جو ایک عظیم الشان کتاب ہے' کائنات میں سات آسمانوں کا ذکر کیا ہے۔ سائنس پچھلے دو سو سالوں سے کائناتی فضا (کوسموس) کا مطالعہ کرتی رہی ہے۔ مگر ابھی تک اس موضوع پر کوئی واضح معلومات حاصل نہیں کر سکی۔ یہ صرف پچھلے پچیس سالوں میں ہوا ہے کہ آسمانی طبیعیات (ASTROPHYSICS) کے میدان میں انتہائی دلچسپ دریافتیں اس طرح سامنے آئی ہیں کہ قرآن کے معجزات بالکل عیاں ہو گئے ہیں۔ ابھی تک سائنس نے جو دریافتیں کی ہیں وہ سمندر میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں۔ مگر اس نے پچھلے دو سو سالوں کی غلطیوں کو کم از کم ماننا شروع کر دیا ہے۔

آیئے پہلے پہل قرآن حکیم کی ان آیات کا مجموعی طور پر مطالعہ کریں جن کا تعلق سات آسمانوں سے ہے۔ پھر ہم ان کی سائنسی توجیحات کو اس طرح دیکھیں گے کہ ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرح ایک دوسرے سے مطابقت ظاہر کرتی ہیں۔

(الف) سورۃ الملک آیت نمبر3-

ترجمہ : "وہی (اللہ) ہے جس نے تہہ در تہہ سات آسمان بنائے۔" (طباقا)

(ب) سورۃ البقرۃ آیت نمبر29-

ترجمہ : وہی (اللہ) تو ہے جس نے پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کئے۔ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔"

(ج) سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت نمبر44۔

ترجمہ : ”اس کی پاکی (عظمت) تو ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بردبار اور درگزر کرنے والا ہے۔“

(د) سورۃ نوح آیت نمبر15۔

ترجمہ : ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ در تہہ بنائے۔“

(ہ) سورۃ الانبیاء آیت نمبر12۔

ترجمہ : ”اور (اللہ نے) تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان قائم کیے۔“

(و) سورۃ المومنون۔ آیت نمبر17۔

ترجمہ : ”اور تمہارے اوپر ہم نے سات راستے بنائے۔ تخلیق کے کام سے ہم کچھ نابلد نہ تھے۔“

دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”اور مخلوقات کی طرف سے ہم غافل نہ تھے یا نہیں ہیں۔“

آیئے اب ذرا غور سے دیکھیں کہ جدید آسمانی طبعیات (اسٹروفزکس) نے فضا اور نظام کائنات کے متعلق ہمارے علم میں کیا اضافہ کیا ہے۔

ماضی قریب میں چند دہائیاں قبل سائنسدانوں کا یہ مفروضہ تھا کہ کائنات میں تقریباً بیس لاکھ ستارے ہیں۔ مگر آسمانی طبیعیات کے علم کی دریافتوں کی وجہ سے یہ مفروضہ بالکل بے بنیاد ثابت ہوا۔ جدید سائنسدانوں نے نظام کائنات (کوسموس) کو حسب ذیل طریقہ سے بیان کیا ہے۔

نظام کائنات مختلف النوع مگر ہم مرکز مقناطیسی تہوں کو ظاہر کرتا ہے۔ درمیان والی پٹی (بینڈ) ستاروں کے اس گچھے پر مشتمل ہے جس کے اندر ایک سورج ہوتا ہے جسے گلیکسی بھی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں مزید کئی گلیکسیوں کے گچھے ہوتے ہیں۔ ان میں ستارے بے حد زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر یا باہر کی طرف ایک اور میدان ہوتا ہے جس میں مختلف قسم کی مقناطیسی خصوصیات ہوتی ہیں اور جو کوئی کوثرین (QUASARS) کا حامل میدان ہوتا ہے۔ یہ ستاروں کے بیچ والی مشین یعنی ستاروں کے بیجوں کی ہیچریاں (HACHERIES) ہوتی ہیں۔ جو اس میدان کو گھیرے ہوئے ہوتی ہیں۔ ایک اور تیسری مقناطیسی پٹی کائنات کے اور آگے دور کے علاقوں پر محیط ہوتی ہے۔

سب سے اندر کا دائرہ، اور بطور خاص ہمارا اپنا شمسی نظام، بمعہ اس کے ستاروں کی فیملی کے سب سے زیادہ آسانی سے نظر آکر زیر مطالعہ آسکتا ہے۔ اس نظام کے اندر کا ڈھانچہ تین الگ الگ مقناطیسی میدانوں

پر مشتمل ہوتا ہے۔ سب سے پہلے، ہر جرم فلکی (ستارہ) جو سورج کے گرد گھومتا ہے ایک مقناطیسی میدان کا حامل ہوتا ہے۔ اور اگر یہ موجود ہو تو اس کا ایک کرہ باد (فضا) بھی ہوتا ہے۔ اس کا تعلق سیارے کے قرب و جوار یا پڑوس کے علاقے سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ سیارے اپنے نظام شمسی کے ساتھ منضبط ہو کر ایک دوسرا مقناطیسی میدان بناتے ہیں۔ ایک ثریا میں ہر شمسی نظام ایک علیحدہ مقناطیسی خطہ بناتا ہے اور صرف ہماری ستاروں کی منور پٹی والی کہکشاں ہی میں ایک سو ارب (ایک سو بلین) ستارے یا سورج ہیں اور اس سے اونچے درجے پر، کہکشاؤں کے جھرمٹوں کے اندر ایک دوسرے سے قریب کہکشائیں مل کر ایک اور مقناطیسی میدان کے تابع ہوتی ہیں۔

چنانچہ، جب آپ زمین سے یا کسی اور سیارے سے آسمان یا فضائے بسیط میں نظر کرتے ہیں تو آپ ان سات مقناطیسی میدانوں میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو پیچھے ہٹتے ہوئے اور سمٹتے ہوئے فضائے بسیط کی لامتناہی (INFINITY) تک پہنچتے ہیں۔ زمین پر سے نظام کائنات (کاسموس) کا مشاہدہ درج ذیل طریقے سے ہے۔

1- وہ فضائی میدان (SPATIAL FIELD) جو ہم اپنے شمسی نظام کے ساتھ مل کر بناتے ہیں، وہ ہے "پہلا آسمان۔"

2- ہماری ثریا (گلیکسی) کا فضائی میدان "دوسرا آسمان" بناتا ہے۔ وہ مقناطیسی میدان جو ستاروں کی منور پٹی (ملکی وے) کے بالکل اندر "مغز" کو تشکیل دیئے ہوئے ہے ابھی حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔

3- ثریاؤں کا ہمارا مقامی جھرمٹ (LOCAL CLUSTER) "تیسرا آسمان" بناتا ہے۔

4- کائنات کا وہ مرکزی مقناطیسی میدان جو ثریاؤں کے جھرمٹوں کی یکجائی (COLLECTIVITY) کو ظاہر کرتا ہے وہ "چوتھا آسمان" ہے۔

5- وہ کائناتی پٹی (کوسمک بینڈ) جو نیم نجمی ریڈیائی منبع (کواثرز) کو ظاہر کرتی ہے "پانچواں آسمان" ہے۔

6- پھیلتی ہوئی کائنات کا وہ میدان جو پیچھے ہٹتی ہوئی ثریاؤں کو ظاہر کرتا ہے۔ "چھٹا آسمان" ہے۔

7- سب سے باہر (دوری) والا وہ میدان جو کائنات کی لامتناہی کا مظہر ہے۔ "ساتواں آسمان" ہے۔

چنانچہ اس طرح تہہ در تہہ سات آسمانوں کی نشاندہی ہوتی ہے جن کا ذکر قرآن حکیم نے چودہ صدیاں قبل ہی کر دیا تھا۔

وہ معجزہ جو واقعی ذہن کو ماؤف کر دیتا ہے وہ روشنی ہے جو دوسری آیات، اوپر بیان کردہ حقائق پر ڈالتی ہیں اور جنہیں سائنس نے حال میں ثابت کیا ہے ہم نے ان میں سے چند کا ذکر تو پہلے ہی کر دیا ہے۔ ان کا سرسری

خلاصہ ہم پھر دہراتے ہیں۔

(الف) سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر5 کی رو سے متعدد آسمان، شدید مقناطیسی میدانوں کے پیدا کردہ بے پناہ دباؤ اور تناؤ (نظم) کا شکار ہیں۔

(ب) سورۃ الذاریات کی آیت نمبر47 میں کہا گیا کہ "آسمان کو ہم نے زور سے پھیلایا۔" (یا وسیع کیا) اس کی تشریح آگے موضوع نمبر30 میں آئے گی۔

(ج) سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر106 میں فرمایا گیا "ہم نے کائنات کو کتاب کے اوراق کی مانند بنایا جسے ہم لپیٹ دیتے ہیں۔"

(د) سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر30 میں فرمایا "سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کیا۔"

ان آیات کی علیحدہ تشریح آئندہ اوراق میں بیان کی جائے گی۔ مگر اس موقع پر اہم بات یہ ہے کہ قرآن، سات آسمانوں کا محض ذکر کر کے ہی اس موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑ دیتا بلکہ کائناتی طبیعیات (اسٹروفزکس) کے علم کے تناظر میں جدید ترین مادی تشریحات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔

سات آسمانوں کے نظریہ کو بہتر طور پر سمجھنے کے سلسلے میں، میں آسمانی طبیعیات کے علم کے متعلق معلومات کا مزید خلاصہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اوپر بیان کئے گئے آسمانوں کی تہوں کا مطلب ناقابل تصور فاصلوں کا معاملہ ہے۔ پہلی آسمانی تہہ اندازاً" ساڑھے ساٹھ کھرب (6.5 TRILLIONS) کلومیٹر چوڑی ہے۔ دوسری تہہ یا ہماری ثریا (GALAXY) کا قطر ایک لاکھ تیس ہزار نوری سال ہے۔ تیسرا آسمان یا ہمارا مقامی جھرمٹ بیس لاکھ نوری سالوں پر محیط ہے۔ چوتھا آسمان جو ثریاؤں کا جمگھٹا ہے اور جو کائنات کے بالکل اندر کا "مغز" یا مرکز ہے، قطر میں ایک کروڑ نوری سال کے برابر ہے۔ پانچواں آسمان ایک ارب نوری سالوں کے فاصلہ پر ہے اور چھٹا آسمان بیس ارب نوری سالوں یا 193×10^{21} کلومیٹر دور ہے۔ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کوئی مادی سواری یا شے نہیں پہنچ سکتی۔ اس کی ایک وجہ تو اس سلسلے میں رفتار کا معاملہ ہے۔ دوسرے راستے کی مقناطیسی موجودات کو عبور نہیں کیا جا سکتا۔ ان آسمانوں تک پہنچنے کے لئے یا ان سے گزرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس رفتار سے سفر کیا جائے وہ روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ ہو۔ یعنی اس کا مطلب ہے کہ مادہ کی دنیا سے ہی نکل جانا ہو گا۔

جیسا کہ ہم نے موضوع نمبر2 میں دیکھا ہے کہ قرآن حکیم نے فاصلوں کے لطیف رموز کو بھی بیان کیا

ہے۔ کچھ سائنسدانوں کے خیال میں ستاروں کے جھرمٹوں کے درمیان میں سیاہ شگاف' ایک جھرمٹ سے دوسرے کی طرف چھلانگ (JUMPS) کے مرحلہ میں مددگار ہوتے ہیں۔ ایک سیاہ شگاف کا وجود گلیکسی M87 میں تصور کیا جاتا ہے۔ یہ بصیرت' قرآن کی سورۃ "واقعہ" میں ہمیں ملتی ہے۔ قرآن حکیم نے سات آسمانوں کے ذکر کے ذریعے آسمانی طبعیات (اسٹروفزکس) سے متعلق تمام حقائق کو بیان کردیا ہے۔

آیئے اب سات تہوں والے آسمانوں کے اصولوں پر شروع میں درج آیات کی روشنی میں تحقیقات کریں۔

یہ بالکل عیاں ہے کہ سات تہوں والے آسمانوں سے متعلق ایک مکمل نظم اور ان کا مضبوط مادی وجود ہی وہ پہلا نکتہ ہے جس پر ان آیات میں زور دیا گیا ہے۔ دوسرا اہم نکتہ جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام چیزیں جو ان آسمانوں میں ہیں اللہ کی حمد وثناء اور اللہ کا شکرادا کرتی ہیں۔ تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ' نے ان آسمانوں کی طرف ان کے خالق ہونے کی حیثیت سے توجہ کی۔ اور اپنی رضا اور اپنی پاک طاقت سے ان کو مخصوص شکل میں قائم کیا۔ یہ اللہ کے ہر جگہ پر موجود ہونے کا بیان ہے۔ جس نے آسمانوں کی مقناطیسی قوت اور خصوصیات کی ابتداء کی۔

جہاں تک سورۃ المومنون کی آیت نمبر17 کا تعلق ہے' اس میں سات آسمانوں یعنی کہ سات راستوں کا ذکر آیا ہے۔ تمام تفاسیر لکھنے والے علماء کے نزدیک سات راستوں سے مراد سات آسمان ہی ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ یہاں باریکی یہ ہے کہ سات آسمانوں کو سات راستوں (طرائق) اس لئے کہا گیا ہے تاکہ ہم سات میدانوں کو باآسانی سمجھ سکیں۔ چنانچہ قرآن میں راستوں کے ذکر کے ذریعے پیمائش جسامت' آسمانی فاصلے اور لامحدود رفتاریں قرآنی زبان میں اس طرح بیان کی گئی ہیں۔

اب ہم ان آیات مبارکہ کی ان تعریفوں اور تشریحات کی طرف جاتے ہیں۔ جو حقیقت میں سات آسمانوں کے نظریہ پر مزید روشنی ڈالیں گی۔

سبع سموات طباقا"

لفظ طباقا" سے مراد ہے ایک دوسرے سے مطابقت یا اتفاق رکھنا۔ یہ معنی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ سات علیحدہ علیحدہ مقناطیسی میدان ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی اور حسن ترتیب سے جڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ ہم آہنگی ان کے یعنی آسمانوں کی بنیادی بناوٹ کے ڈھانچوں کے اختلاف کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ ورنہ تو اگر ساتوں آسمان ایک ہی جیسے ڈھانچوں کے ہوتے تو یہ کہنے کی' بطور خاص' کوئی ضرورت ہی نہ تھی کہ وہ آپس میں ہم آہنگ ہیں۔

مادی نکتہ نظر سے یہ ہم آہنگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ آسمانوں کے یہ میدان جن کی مقناطیسی خصوصیات اور صلاحیتیں الگ الگ ہیں اپنے سرحدی نکات یا مقامات پر موزوں اوصاف سے جڑے ہوئے ہیں۔ مزید بر آں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر 5 اعلان کرتی ہے کہ ان آسمانوں کی زبردست حیثیت کی طاقت ان کی اوپری سرحد پر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس زاویہ سے اگر دیکھا جائے تو توانائی کے مدور اور بیضوی مقناطیسی لائنوں کا آپس میں ہم آہنگ ہونا سمجھ میں آجانے والی بات ہے۔ اس لئے کہ یہ آیات ایسی ممکنات کو خارج از امکان قرار دیتی ہیں کہ اوپری سرحد پر موجود شدید اور مخالف توانائیاں کسی طرح سے بھی آسمانوں کے اس نظام کو درہم برہم کر سکتی ہیں۔ وہ اس لئے کہ ساتوں آسمانوں کے درمیان ہر مقام پر ہم آہنگی موجود ہے۔

ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک گزر جانے میں یہ ہم آہنگی الگ الگ خصوصیات کی حامل ہے۔ یعنی گو کہ ساتوں آسمان آپس میں ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ایک آسمان سے گزر کر دوسرے آسمان تک جانے کا راستہ صرف "سیاہ شگافوں" (بلیک ہول) یا فضا میں اسی قسم کے "کیڑے کے گزرنے والے راستوں" جیسے سوراخوں (WORMHOLES) سے ہو کر ہی گزرتا ہے۔

(ب) "طباقا" کا مفہوم ایک قسم کی تہہ بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ آسمانوں کی تسلی بخش نوعیت پر زور دیتی نظر آتی ہے۔ اگرچہ قرآن کی قدیم تفاسیر طبقہ سے "طباقا" کے اوپر بیان کردہ معانی کی طرف کوئی واضح ہمت افزائی نہیں کرتیں لیکن جب وہ تفاسیر لکھی گئیں تھیں اس وقت تک مقناطیسی تہوں اور میدانوں کی دریافت بھی تو نہیں ہوئی تھی۔

قطع نظر اس کے کہ لفظ تہوں' اور ہم آہنگی' کے کیا معنی لئے جاتے ہیں اہم بات یہ ہے کہ فضائے بسیط میں مقناطیسی میدانوں کے درمیان موزونیت' تسلسل اور مطابقت موجود ہے۔ آیت کریمہ کے معنی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ تینوں خصوصیات' ساتوں آسمانوں پر موجود اور جاری ہیں۔

سات آسمانوں کے سلسلے کی آیات میں سب سے زیادہ اہم آیت وہ ہے جو بالکل مختلف قسم کے رازوں کو بیان کرتی نظر آتی ہے۔ یہ آیت کریمہ سورۃ الطلاق کی آیت نمبر 12 ہے جس میں ارشاد ہوا کہ "اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم بھی انہی کی مانند (یعنی اسی تعداد میں) اسی ہی کا حکم (چلتا) ہے۔"

جواہر (ایٹم) جیسا کہ سب جانتے ہیں دنیا کی تعمیر میں بنیادی تعمیری بلاک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایٹموں کے ڈھانچے کو مختصرا" اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مرکزہ (نکلیس) کے حامل ہیں جس کے اردگرد حرکت کرتے ہوئے منفی بار یعنی الیکٹرون کا ایک بادل سا ہوتا ہے۔ الیکٹرون کا یہ بادل ایک

مخصوص الیکٹران کی توانائی کی نوعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ شروع شروع میں ایک ایٹم کے ڈھانچے یا بناوٹ کو نظام شمسی سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ مگر بعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ تمثیل غلط ہے۔ اور خاصی گمراہ کن ہے۔ اس لئے یہ نظام مشابہت میں نظام شمسی کی نسبت سات آسمانوں کے نظام سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منفی بار کا ہجوم (الیکٹرانز) کسی ایسے مدار والے خول (ORBITAL SHELL) کا خود اپنے طور پر بغیر کسی پروگرام کے الل ٹپ انتخاب نہیں کرسکتا۔ بلکہ انہیں نواۃ یا مرکزہ کو گھرے ہوئے عین صحیح اور مخصوص توانائی کی سطح کے تابع ہونا پڑتا ہے۔

جی ہاں! عزیز قاری، ایٹمی مرکزہ کو گھیرے ہوئے سات ہی مدار کے حامل خول (شیل) ہیں۔ منفی باروں یا الیکٹرانوں کی نسبت سے ہی ان کو مداری خول کہا جاتا ہے۔ ایک الیکٹرون میں اگر مناسب توانائی ہو تو وہ ان مداروں میں سے ایک کے اندر حرکت پذیر ہوسکتا ہے۔ مگر ایسی صورت میں یہ آیت کریمہ بطور خود ایک سائنسی معجزہ ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ ہمیں اس حقیقت کا شعور عطا کرتی ہے کہ آسمانوں کی عظیم کائناتوں میں یعنی میکروکوسموس میں موجود سات مقناطیسی میدان، زمینی ایٹم کی کائنات (مائیکروکوسموس) میں بھی اسی طرح موجود ہیں اور پہلے کا پرتو دوسرے میں نظر آتا ہے۔

ایٹم کی بیحد چھوٹی الیکٹرونی دنیا میں ان چھوٹے چھوٹے خولوں کی تہیں بیحد اہمیت کی حامل ہیں۔ ایک مدار سے دوسرے مدار میں منتقلی کے لئے ایک عظیم توانائی کی مقدار چاہئے۔ ہر مرکزہ (نکلیس) الیکٹرانوں کو پورے ساتوں خولوں میں مقید نہیں کرسکتا۔ یہ الیکٹرانوں کو ان سطحوں پر صرف اس حد تک قائم رکھ سکتا ہے، جہاں تک کہ برق مقناطیسی ڈھانچہ (ELECTROMAGNETIC STRUCTURE) یعنی پروٹونوں کی تعداد اس کی اجازت دیتی ہے۔ اس ساری بات کا لب لباب یہ ہے کہ اگر ہم ایک بے حد چھوٹے ایٹمی مرکز پر زندگی گزارنے کے لئے مجبور ہوتے تو تب بھی جب ہم آسمان کی طرف سر اٹھاتے تو ہمیں سات آسمان ہی نظر آتے۔ اور الیکٹرانوں کی موجودگی ہمارے لئے سیاروں کا نظارہ پیش کرتی۔

سات آسمانوں سے متعلق ایک اور نظریہ لامتناہی پیمائش جسامت (INFINITE DIMENSIONS) سے متعلق ہے۔ اگر ہم موضوع نمبر7 میں بیان کردہ تدریجی تفریق والی فضائے بسیط کو ذہن میں لائیں تو یہ ظاہر ہوجائے گا کہ کائناتوں میں فضاہائے بسیط (SPACES) مختلف جہتوں اور پیمائشوں سے مل کر وجود میں آئی ہیں۔ مغرب میں متعدد سائنسدانوں نے جنہیں ہم آئن اسٹائن کے نظریات کے ماننے والے کہہ سکتے ہیں، یہ اعتراف کیا ہے کہ چار سے زیادہ پیمائشوں کی جہتیں (DIMENSIONS) واقعی موجود ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف آسمانوں میں مختلف پیمائش جسامت کی حامل الگ الگ جہتوں والی فضا ہائے بسیط موجود ہیں۔ اس مفہوم میں سات آسمانوں کا نظریہ سات علیحدہ کائناتی موجودات (CONTINUA) کا احاطہ کرتا ہے۔ چونکہ ہم چوتھی پیمائش جسامت یعنی وقت سے آگے کچھ تصور بھی نہیں کر سکتے، تو ہم اپنے موجودہ زمانے میں ان پیمائشوں کی کوئی تفصیل بھی نہیں دے سکتے۔ اسلام کے عظیم مفکرین اور علماء کے خیالات اور تحریروں میں ان پیمائشوں کے سلسلے میں مختلف دنیاؤں کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی مثالیں فرشتوں کی دنیا اور روحوں کی دنیا وغیرہ جیسے ذکر ہیں۔

ہمیں چاہئے کہ ہم عقلی سائنس کے اب تک حاصل کردہ ادراک کے اندر نہ صرف ستاروں کے جھرمٹوں اور مادی کائنات کے متعلق غور و فکر کریں بلکہ سات آسمانوں کے نظریہ سے متعلق مزید پیمائش ہائے جسامت کے متعلق بھی تحقیقات کریں۔ ایک اور اہم مگر مشکل مطالعہ اور تحقیق، ایٹموں کی مختلف توانائی کی پٹیوں سے متعلق ہے۔ جیسا کہ میں نے موضوع نمبر20 میں اللہ کی قدرت کاملہ کا آسمانوں کو چیر کر علیحدہ کرنے اور انتہائی شدید تناؤ یا (نظم) (انتظام) کے قائم کرنے کا ذکر کیا ہے، قرآن نے کائناتوں کے طبعی علوم کو ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلا دیا ہے۔ تاکہ ہم ان کا با آسانی مطالعہ کر سکیں۔

موضوع نمبر 22

عبادت اور ذہنی صحت

PRAYER AND MENTAL HEALTH

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

ترجمہ : "جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں" (سورۃ البقرۃ آیات 3 تا 5-)

THOSE WHO BELIEVE IN THE UNSEEN, PERFORM THE PRAYER, AND SPEND OUT OF THAT WE HAVE PROVIDED THEM; THOSE WHO BELIEVE WHAT HAS BEEN SENT DOWN TO YOU, AND WHAT HAS BEEN SENT DOWN BEFORE YOU, AND HAVE FAITH IN THE HEREAFTER: THOSE ARE UPON TRUE GUIDANCE FROM THEIR LORD, AND THOSE ARE THE ONES WHO WILL BE SAVED.

CHAPTER 2 (THE COW), VERSES 3-5

جیسا کہ ہر ایک جانتا ہے ہمارے دین میں عبادت کی بنیادی صورت نماز یا صلوۃ ہے۔ صلوۃ ایک خادم کی طرف سے اپنے مالک کے حضور شکر گزاری اور التجا کی ایک صورت ہے۔ اس مقدس راہ پر ایک انسان کا یہ سفر ہی اسے اللہ سے نزدیک کر دیتا ہے۔ صلوۃ یا نماز اللہ کی لامحدود دنیا میں سورۃ

فاتحہ کے رموز کے ذریعے اللہ کی مہربانیوں اور عفو کا ذکر ہے۔

انہی وجوہ کی بناء پر کوئی سائنس اس قابل نہیں ہے کہ وہ صلوۃ کے رازوں کو پاسکے یا ان کا احاطہ کرسکے۔ خاص طور پر اگر صلوۃ کو محض ایک جسمانی ورزش سے تعبیر کیا جائے تو یہ اس قدر احمقانہ بات ہوگی جیسے یہ تصور کرلینا کہ کائنات میں اس ہوا کے سوا کہ جس میں ہم سانس لیتے ہیں اور کچھ نہیں ہے۔ ان سائنسی تحقیقات سے متعلق کتاب میں ہم صرف اپنے دماغ کی کھڑکی صرف ان حقائق کی طرف کھولیں گے جو کہ نماز کے سب سے زیادہ اہم پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ اور جو دماغی صحت پر صلوۃ کے معجزانہ اثرات کی تصدیق کرتی ہے۔ میرے قارئین کو اس بات سے دھوکا نہیں کھا جانا چاہئے کہ صلوۃ کے فوائد موجودہ چند اور معمولی سے اوراق میں ہی موجود ہیں۔ انسانی نفسیات پر اس کا مفید اثر تو اس کے ایک ہزار ایک فوائد میں سے صرف ایک فائدے کو ہی ظاہر کرتا ہے۔

سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر 45 میں اس طرح فرمایا گیا ہے۔

"اے نبیؐ تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے اور صلوۃ قائم کرو۔ یقیناً صلوۃ فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑی چیز ہے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

یہ عام فہم حقیقت ہے کہ عبادت سے متعلق قرآن میں بہت سی آیات موجود ہیں۔ ان میں سے ہم نے اوپر نقل کی گئی آیت کا انتخاب اس لئے کیا ہے تاکہ ہم عبادت کے فوائد کی تشریح صرف نفسیاتی صحت پر ہی مرکوز کرسکیں۔ بہرحال! سب سے پہلے آیات مبارکہ کی تشریح سے پہلے میں ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ سائنس کے علوم کی وہ شاخ جسے مغرب میں علم نفسیات یا سائیکولوجی کہتے ہیں، اس کا درحقیقت انسانی روح سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اسلامی سائنس کے نکتہ نظر سے علم کا یہ میدان جو ہمارے رویوں کا مطالعہ کرتا ہے، دراصل ہمارے اندر یعنی "نفس" کی تشریح کا ایک ذریعہ ہے۔ جسے ہم ذہنی صحت کا نام دیتے ہیں وہ اس سے ذرا مختلف ہے۔ اگرچہ اس کا انحصار بھی زیادہ تر نفس، پر ہی ہوتا ہے لیکن مغربی دنیا کے سائنسی علوم جن کا تعلق ذہنی رویوں سے ہے اس ضمن میں مزید دو شاخوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں جنہیں دماغی امراض کا علاج یا سائیکاٹری (PSYCHIATRY) اور ذہنی حفظان صحت کا نام دیا گیا ہے۔ جو ہمارے پورے کردار کو زیر مطالعہ لاتے ہیں۔

ہماری پوری شخصیت کا ڈھانچہ خود ہمارے جسم، روح اور دل کی آخری پیداوار یا نتیجہ ہے، جس میں نفس سب سے اہم رول ادا کرتا ہے۔ اس موضوع پر مزید کسی بحث کے بغیر، میں تشریحات کی طرف جانا چاہتا

ہوں۔ یہ موضوع در حقیقت بہت اہم ہے اور اسلامی سائنسدانوں کو اس کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے۔ فی الحال جو چیز ہمیں ذہن نشین کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ در حقیقت ذہنی صحت سے ہماری مراد روح کا روایتی تصور یا نظریہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہماری خود غرضانہ شخصیت ہے۔

ان دونوں آیات کریمہ سے جو پیغام ہمیں ملتا ہے۔ ان کا خلاصہ حسب ذیل نکات میں پیش کیا جارہا ہے۔

1- جو کوئی بھی عبادت کرتا ہے وہ نجات کا مستحق ہوتا ہے۔

2- جو کوئی بھی عبادت کرتا ہے اس کو تحفظ مل جاتا ہے اور اسے برائی زیادتی اور فحاشی سے نجات مل جاتی ہے۔

آیئے اب دیکھیں کہ نفسیاتی صحت کے نکتہ نظر سے مختلف انسان کس طرح نظر آتے ہیں۔

ہمارے موجودہ دور میں تقریباً تمام انسان مشینی زندگی کے پہیے کے دندانوں میں جیسے پھنس کر رہ گئے ہیں۔ اور جو نتیجہ ہے ملحدانہ اور مادہ پرست نظریات کا۔ ان میں سے بہت سے انسانوں نے اپنا ذہنی سکون ہی کھودیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانوں میں ناخوشی اور رنجیدگی عام ہو چکی ہے۔ چنانچہ تمام لوگ مندرجہ ذیل مخمصوں اور جھمیلوں میں پھنس کر کئی قسم کی مصیبتوں اور نقصانات کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

(الف) تفکرات کا ہارمون پیدا کرنے والے غدودوں پر جو نقصان دہ اثر پڑتا ہے اس سے معدے کے پھوڑے یعنی السر پیدا ہو جاتے ہیں۔ دل کی شریانوں کے نظام کو نقصان پہنچتا ہے اور نظام ہضم خراب ہو کر رہ جاتا ہے۔ نفسیاتی دباؤ اور ذہنی کرب کا اثر ہمارے جدید دور کی بیماری یعنی سرطان (کینسر) کی شکل میں بے حد نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ نسل انسانی کی اکثریت ذہنی انتشار کی بدولت مادی جسمانی بیماریوں کی شکار رہتی ہے۔

(ب) انتشار ہی کی وجہ سے تقریباً انسانیت کا پانچواں حصہ کثرت شراب نوشی کے فتور (ALCOHOLISM) اور دیگر خطرناک منشیات کا شکار ہو چکا ہے۔

(ج) ترقی یافتہ امیر ممالک میں نفسیاتی دباؤ روزمرہ کی بات بن چکا ہے۔ آج کل اکثر لوگ اپنی جیب میں "سن شائن پلز" کی گولیاں لئے پھرتے ہیں۔ یہ گولیاں سکون بخش زہریلی دواؤں میں سے کم نقصان دہ ہوتی ہیں۔ لیکن وہ نقصان دہ ضرور ہوتی ہیں۔

(د) مزید برآں مغربی ممالک میں اکٹھے کیئے گئے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ نوجوان نسل میں سے پورے تیس فیصدی لوگ ذہنی انتشار کے کنارے پر پہنچ چکے ہیں۔ اور ذہنی امراض بہت تیزی سے بڑھتے جارہے

ہیں۔

اس سے زیادہ تکلیف دہ اور افسوسناک حالت مشرقی معاشروں کی ہے جو ظلم اور ناانصافی کی حالت میں رہ رہے ہیں۔ ترقی پذیر غریب ممالک قحط جیسے عذابوں میں مبتلا ہیں۔ جیسا کہ سورۃ العصر میں بھی بتایا گیا ہے کہ ''انسان درحقیقت خسارے میں ہے۔''

ان حالات کے تحت اللہ تعالٰی کا سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 5 میں یہ ارشاد کہ ''وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' اور سورۃ الجمعتہ (110) میں بخشش کی طرف بلاوا' دونوں ہی قرآن کا ناقابل یقین معجزہ ہیں۔ اس لئے کہ قرآن اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اے لوگو! تم نرے گھاٹے اور مصیبت میں ہو۔ اگر تم نجات' خوشی اور روحانی قوت چاہتے ہو تو صلوۃ کی طرف آؤ۔

آیئے اب دیکھیں کہ عبادت ہمیں کس قسم کی نجات عطا کرتی ہے؟ ہم اللہ کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم اللہ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تمام دنیاوی تکلیفیں اور پریشانیاں پیچھے چھوڑ دیں گے۔ اور اذان کے ساتھ ہی ہم اپنی تمام پریشانیوں اور تفکرات کو کم از کم دس منٹ کے لئے ہی سہی اپنے سے دور کر دیتے ہیں۔ پھر ہم اللہ کی تعریف اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ یعنی ہم اللہ کی عظمت کی تعریف کرتے ہیں اور سورۃ الفاتحہ تک پہنچتے ہیں۔

الفاتحہ جو ایک حیران کن مرہم ہے جو انسان کی اندرونی دنیا کے تفکرات اور غلطیوں کو محو کر دیتی ہے۔ اور اس کی جگہ ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے۔ اسی وجہ سے سورۃ الفاتحہ کو شفا کی سورۃ بھی کہا گیا ہے۔ ایک انسان کی حالت کتنی ہی تشویشناک حد تک مایوس کن کیوں نہ ہو سورۃ الفاتحہ اس کو وہ مدد پہنچانے کے قابل ہے' جس سے وہ اپنے اندرونی خلفشار سے نجات حاصل کر سکتا ہے اور اسے یہ سورۃ صراط مستقیم پر ڈال سکتی ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جو سچ اور حسن کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ چونکہ سورۃ الفاتحہ ہماری عبادت کی بنیاد کی طرح سے ہے آیئے ہم اس کی مختصراً'' تشریح کریں۔

1- ''تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو ساری کائنات کا رب ہے۔''

2- ''نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔''

3- ''روز جزا کا مالک ہے۔''

4- ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

5- ''ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔''

6- ''ان لوگوں کا راستہ جن پر تم نے انعام فرمایا۔''

7- "جو معتوب نہیں ہوئے جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔"

کیا دماغ یا دل کی کوئی بیماری بھی اس شخص میں باقی رہ سکتی ہے جو ایک دن میں چالیس مرتبہ ان آیات کی، جو ایک حیرت انگیز حد تک خوب صورت نسخہ ہے، تلاوت کرتا ہو۔ اور ساتھ ہی عبادت میں چالیس دفعہ رکوع و سجود بھی کرتا ہو۔

ان آیات کریمہ میں سے ہر ایک آیت میں سورۃ الفاتحہ انسانی نفسیات (PSYCHE) کو ایک معجزاتی حقیقت اور سچ ودیعت کرتی ہے۔ اور ہمارے وجود سے ہر غلطی کو مٹا دیتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک مختصر جائزہ ثابت کردے گا کہ اس دعوے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

(1) اللہ ہی تعریف کے لئے ہے جو ساری کائنات کا رب ہے۔

اے انسانیت! اس اللہ کی تعریف اور شکر ادا کرو جس نے کائناتوں میں لامتناہی نظم وضبط قائم کیا ہے اور جو ان کو ہر لمحہ اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے (یہ ربوبیت کا مظہر ہے) کسی چیز سے مت ڈرو اور نہ تذبذب اور پریشانی میں مبتلا ہو کیونکہ اللہ جس کی تم حمد کرتے ہو۔

(2) نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

یہ کہ نہ صرف اللہ نے تمام مخلوقات کو اپنے رحم اور شفقت سے تخلیق کیا ہے بلکہ اس کے شکر گزار اور وفادار انسان اس سے خاص قسم کا رحم، شفقت اور عفو و درگزر حاصل کرتے ہیں۔ اس حقیت کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ تمام دنیا کی بنیاد ہی شفقت اور رحم پر رکھی گئی ہے۔ دراصل سیارے اس کا شکر اپنے محور میں گردش کرنے کے عمل سے ادا کرتے ہیں اور اسی طرح جواہر (ایٹم) اور ان کے مرکزے بھی جن کا وجود بجائے خود محبت (کشش) کا مرہون منت ہے۔ جو کوئی اپنی محبت اور اللہ کی حمد و تعریف سے عاری ہو جاتا ہے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس امر کا اظہار اور اعلان کرتی ہے کہ جب تک منبع یا سرچشمہ سے توانائی اور قوت نہ حاصل کی جائے کوئی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ اور یہ سرچشمہ مہربانی اور رحم ہی ہے۔

(3) اللہ دوبارہ زندہ کئے جانے اور روز جزاء کا مالک ہے۔

یہ کبھی مت بھولو کہ تمہارا حساب کتاب بھی ہوگا اور اسی وجہ سے :

(4) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

اب اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت ایک شخص کو ان تمام مصیبتوں اور پریشانیوں سے محفوظ رکھے گی جو اس پر اس دنیاوی زندگی میں آسکتی ہیں۔ وہ شخص جو روپے، پیسے، طاقت اور نفع اندوزی کا غلام نہیں ہے۔ اس کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے اور وہ ہر قسم کے غیر متوقع دنیاوی مصائب سے محفوظ رہے گا۔ وہ شخص جو صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے اور اس کی مدد کا طلب گار ہے اس کو کوئی غم یا صدمہ نہیں ہوگا اگر کوئی چیز یا عمل اس کے خلاف واقع ہو جائے۔ وہ چیز اس کے لئے سوہان روح نہیں بن جائے گی۔ بلکہ مشکلات اور مصائب کے مقابلے میں وہ اپنی پوری قوت سے جدوجہد کرے گا۔ اور اس کا نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے گا۔

جو کوئی بھی سورۃ الفاتحہ کی ان چار آیات کی صدق دل سے تلاوت کرے گا۔ اسے ذہنی دباؤ اور مایوسی سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ جو کوئی ان آیات کی دن میں چالیس مرتبہ تلاوت کرے گا اور اس کا تواتر اپنی ساری زندگی جاری رکھے گا یعنی جو خلوص اور باقاعدگی سے صلوۃ جاری رکھے گا وہ ان خوش نصیبوں میں شامل ہو جائے گا جنہیں ہر طرح کی آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے جس کسی کو ایسی آزادی مل جاتی ہے وہ ہر قسم کی زیادتیوں اور برائیوں سے بچ جاتا ہے۔

لوگوں کے جذبات جن کی بنیاد معاشی احتیاج کا بہانہ ہوتی ہے دراصل ایک شدید غلطی ہے اور جو دنیاوی دولت کی غلامی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

نمبر5 سے 7 تک : "اے سب سے پیارے اللہ! ہم خود اپنے طور پر صحیح اور سیدھا راستہ نہیں ڈھونڈ سکتے اس لئے ہماری مدد فرما۔ ہم پر اپنا کرم فرما اور ہمیں سچ کا راستہ دکھا۔ ہمیں مشکلات اور پراگندگی میں نہ چھوڑ جو گمراہ لوگوں کا نصیب ہے۔"

اس طرح دن میں چالیس مرتبہ پانچ مقررہ وقتوں میں ہم ذہنی پریشانیوں اور غم سے پاک ہو سکتے ہیں۔

عبادت میں رکوع اور سجود کے دوران خاموں پر جو پوشیدہ (ESOTERIC) کا اثر ہوتا ہے وہ اس وقت ہمارے زیر مطالعہ مضمون سے باہر ہے۔

جب نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے تو ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں اس ڈسپلن کو جاری کرنے کی کوشش بھی کرنا چاہئے۔ اس سے اخلاقی غلطیوں سے اور اس قسم کی دیگر برائیوں سے بچنے کی ترغیب بھی ہو سکے گی۔ پھر اس سے ہم وضو کی جسمانی اور روحانی قوت اور برکات کے فیوض سے بھی بہرہ مند ہو سکیں گے۔

اب آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ کس طرح ہم مستقل مسرت اور نجات کا راستہ اپنی زندگیوں میں ہی ڈھونڈ سکتے ہیں۔

عبادت یا نماز ایک ایسی پاک مہر ہے۔ جو ایک انسان کے اندر کی زندگی اور انسان کے معانی یعنی روح پر لگتی ہے۔ اور اس کا سب سے پہلا اثر ہمیں ایک انسان کے ذہنی سکون کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس مقام پر وہ شخص اندھا ہی تو ہوگا جو نجات اور مسرت کا تجربہ نہ کرسکے۔ اگر ہم کچھ لوگوں میں اس کا اثر نہیں دیکھ پاتے تو دراصل اس کی وجہ ان کی طرف سے ایک نمائشی عمل یا دکھاوا ہے جس میں کوئی خلوص نہیں ہوتا۔

یہ بات یقینی ہے کہ نماز ایک انسان کے جسمانی نظام کو ایک طرح کا چھٹکارا دلاتی ہے۔ چونکہ یہ ہر طرح کی صورت میں واقع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلان کرتا ہے کہ ان کو "نجات" مل گئی۔ یعنی ان لوگوں کے لئے آزادی ہے' تحفظ ہے' شفا ہے اور پھر مسرت و اطمینان ہے۔ جس طرح ایک نمازی کے جسم کے تمام جوڑ صحت مند ہوتے ہیں اسی طرح اس کی ذہنی اور روحانی صحت کی بھی حفاظت ہوتی ہے۔ آج کے دور میں مادہ پرست لوگ بھی اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ جوڑوں کے آرام اور ان کی بہتری کے لئے نماز سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے لیکن یہ ان کی بدقسمتی ہے کہ وہ ان کے اپنے دل و دماغ پر پڑے ہوئے اس پردے کو نہیں ہٹا سکتے۔ اور نجات کی اس راہ کو نہیں دیکھ سکتے جو ہماری روحانی دنیا کے لئے اللہ نے اپنے رحم و کرم سے آج سے چودہ صدیاں قبل ہمیں عطا کی تھی۔ اس طرح یہ بدقسمت لوگ ایمان حاصل نہیں کرسکتے۔ ایمان ایک عظیم تحفہ ہے۔ اللہ کی طرف سے ہدایت ہے۔ اور اس ہدایت کا مرکز دماغ میں نہیں بلکہ یہ دل میں ہوتا ہے۔

موضوع نمبر 23
اونٹ سے متعلق رموز

MYSTERIES OF THE CAMEL

اَفَلَا يَنظُرُونَ اِلَى الاِبِلِ كَيفَ خُلِقَت ﴿۱۷﴾ الغاشية ۸۸

ترجمہ : "کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بنایا گیا؟" (الغاشیہ)

DO THEY NOT CONSIDER THE CAMEL, HOW IT WAS CERATED?
CHAPTER 88 (THE OVERWHELMING EVENT), VERSE 17.

سورۃ الغاشیہ کی ابتدائی سولہ آیات میں ملحدوں اور کافروں کے یوم آخرت پر ایمان نہ ہونے پر ان کی اس کم ظرفی اور ضلالت کو بیان کیا گیا ہے جو ان کی طرف سے اہل ایمان کی مخالفت میں ہے۔ آیات نمبر17 سے 20 تک اللہ کی قدرت اور تخلیق کے عجوبوں کا ذکر کیا گیا ہے' جو ان میں پہلا عجوبہ اونٹ کی تخلیق سے متعلق ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اونٹ کی ابتداء اور پیدائش میں بھی قدرت کی دانائی کے رموز ہیں۔ مزید بر آں' یہ رموز ملحد کافروں کے لئے ان کے نظریات کا کھلا جواب ہے۔ جس کے ذریعے انہیں مطلع کیا گیا ہے کہ یوم حساب کے دن وہ اپنی غلطیوں کو اپنے سامنے پائیں گے۔

آیئے اب دیکھیں کہ اونٹ کی تخلیق میں کون سے رموز بیان کئے گئے ہیں؟ اور بطور خاص اونٹ ہی کو مثال دینے کے لئے کیوں چنا گیا ہے؟

ا- اونٹ کے وجود میں ایسی خصوصیات ہیں جو کائنات میں نظریہ ارتقاء کو مکمل طور پر اس کی بنیاد تک غلط ثابت کرتی ہیں۔

(الف) اونٹ گھاس اور نباتات کھانے والا ایک بڑا جانور ہے۔ چنانچہ اگر اونٹ' دودھ پلانے والے جانوروں (MAMMALS) کی زنجیر میں ایک نمائندہ ہوتا جیسا کہ نظریہ ارتقاء کے ماننے والے کہتے ہیں' تو یہ جنگلات میں ہی رہتا۔ اور اگر یہ کسی غلطی کی وجہ سے صحرا یا ریگستان میں آگرتا' تو یہ روئے زمین سے بہت پہلے اس طرح غائب ہوجاتا جیسا کہ ڈائنا سورز (DINOSAURS) عظیم الجثہ جانوروں

(MAMMOTHS) اور ماسٹوڈونز (MASTODONS) کے ساتھ ہوا۔ اس لئے کہ نظریہ ارتقاء کے ماننے والوں کے نزدیک جب عظیم جنگلات ختم ہوگئے تو یہ عظیم الجثہ جانور بھی کرہ ارض سے ناپید ہوگئے۔ چنانچہ اونٹ کی موجودگی نظریہ ارتقاء کے قدرتی انتخاب کی تھیوری کو گھاس اور پتے کھانے والے بڑے جانوروں کے سلسلے میں مکمل طور پر رد کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ڈائناسورز اور ایسے ہی عظیم الجثہ حیوانات کا کرہ ارض سے غائب ہوجانا تو دراصل آکسیجن کے توازن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس پر موضوع نمبر8 میں تفصیلاً بحث ہو چکی ہے۔

(ب) نظریہ ارتقاء کے حامیوں کے نزدیک جن جانداروں کا دماغ نہیں ہوتا وہ حیات کی کشمکش میں معدوم ہوجاتے ہیں۔ مگر اونٹ کے لئے کوئی قدرتی دفاع نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی یہ صحراؤں میں گوشت خور شیروں کے وجود کے دوش بدوش ہزاروں سالوں سے موجود رہا ہے۔

(ج) اگرچہ اونٹ کا نظام ہضم اس خاصیت کا حامل ہوتا ہے کہ کانٹوں (جنہیں وہ کھاتا ہے) کے سیلولوز (CELLULOSE) کو کاربوہائیڈریٹس (CARBOHYDRATES) میں تبدیل کردیتا ہے۔ لیکن یہ اپنے جسمانی ڈھانچے اور نظم میں دوسرے گھاس اور پتے کھانے والے جانوروں سے مختلف نہیں ہوتا۔ صرف اسی ایک وجہ سے ہی اونٹ کو تو گھنے جنگلات کی طرف بہت پہلے ہجرت کرجانا چاہئے تھا۔

(د) گوشت خور جانور جو صحرا میں رہتے ہیں ان کا ایک حیاتیاتی مقصد ہے۔ یہ مقصد ان جانوروں کو خوراک بنانا ہے جو وہاں موجود ہوتے ہیں۔ مگر اونٹ کے لئے اس قسم کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ صحرا میں جو خوراک یہ کھا سکتا ہے وہ ہیں وہاں کے کانٹے "حیاتیاتی مقصد" کے نظریہ کا بہانہ جو نظریہ ارتقاء کے حامی پیش کرتے ہیں اور جس کا مقصد کرہ ارض پر جسمیوں (ORGANISMS) کے پھیلنے پھولنے کا ذریعہ بتایا جاتا ہے' اونٹ پر لاگو نہیں ہوتا۔

اونٹ ایک ایسی مخلوق ہے جس کے ذمے انسانیت کی خدمت کا کام ہے اور اپنی حیات کے ہر ایک ایک لمحے میں یہ جانور اپنی صاف شفاف آنکھوں سے نظریہ ارتقاء والوں کا مذاق اڑاتے ہوئے نظر آتا ہے۔

2- اونٹ انتہائی دلچسپ حیاتیاتی خصوصیات رکھتا ہے۔

(الف) تمام جسمیے (مخلوق) ایک دوسرے کے ساتھ وٹامنوں کا تبادلہ کرتے ہیں۔ اور جانور بطور خاص پودوں سے وٹامن حاصل کرتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف اونٹ اپنے وٹامن خود پیدا کرتا ہے۔

(ب) پانی کے سالمے (مالیکیول) تمام جانوروں کے جسموں میں سات سے چودہ دنوں تک موجود رہتے ہیں۔ اور اگر ان کو نئے سالمے' اس عرصہ میں تبدیل کرکے ان کی جگہ نہیں لے لیتے تو جسمیہ کے لئے

موت کا حکم جاری ہو جاتا ہے۔ تابکار ثلاثی ہائیڈروجن (TRITUM) پر تجربات نے یہ حقیقت واضح کردی ہے۔ مگر اونٹ میں پانی کا سالمہ تو فہم وادراک سے دور اپنی آئیونی (IONIC) خصوصیت کی وجہ سے ایک ساتھ پچاس دنوں تک محفوظ رہتا ہے۔

(ج) اس میں یادداشت کو محفوظ رکھنے یا اسٹور کرنے کی صلاحیت دوسرے تمام جانوروں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ یہ جو کچھ دیکھتا ہے اسے کبھی نہیں بھولتا۔ ایک طرح سے یہ زندگی کے راستے کا نقشہ تیار کرتا ہے۔ اللہ نے اس کو یہ مخصوص صلاحیت اس لئے عطا کی ہے کہ یہ انسان کی خدمت بہتر طریقے سے سرانجام دے سکے۔

(د) اپنے بڑے جثہ ہونے کے باوجود اونٹ بے حد حساس اور تابعدار ہوتا ہے۔ اس کی تخلیق کی یہ خصوصیت صحرا کی زندگی سے ہر طرح سے مطابقت رکھتی ہے۔ صحرا میں رہنے والی ایک مخلوق کو سخت جان ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے جذبات سے عاری ہونا چاہئے۔ جیسا کہ تیتر اور شیر ہوتے ہیں۔ اونٹ، جس کو اللہ نے انسان کی خدمت کے لئے تخلیق کیا ہے۔ اس خصوصیت کے ذریعہ سے ملحدوں اور ارتقائی تھیوری والوں کا کئی زمانوں سے مونہہ چڑاتا نظر آتا ہے۔

چنانچہ جب اللہ سورۃ الغاشیہ میں اپنی تخلیقات کی حیران کن خصوصیات بیان کرتا ہے تو اس کی یہ تمہید " کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے؟ اسے کس طرح بنایا گیا؟" ایک طرح سے ہمارے دور کے ملحدوں اور ارتقائی نظریات والوں کے لئے ایک وارننگ اور تنبیہ ہے۔ اس قادر مطلق کی طرف سے یہ ایک اس طرح کا اعلان ہے کہ "دیکھو اونٹ کی طرف، اس کی تخلیق کیسے کی گئی ہے۔ کسی بھی مقصد کے لئے میں جیسے چاہتا ہوں تخلیق کرتا ہوں۔ اگرچہ ایک جانور تو اپنے لئے ہرے بھرے میدانوں کی خواہش رکھتا ہے مگر اس اونٹ نے خدمت قبول کرتے ہوئے صحرا کی زندگی کو صبر شکر سے قبول کر لیا ہے۔"

اونٹ کی مثال بیان کرنے کا ایک اور مقصد یہ نظر آتا ہے کہ اس کا لمبا سفر بھی اس کی زندگی کی کہانی سے مماثلت رکھتا ہے۔

اونٹ کی بہت سی خوبیوں میں سے دو اہم اخلاقی خوبیاں یہ ہیں۔

(الف) اس کا صبر : تمام جانوروں میں سے اونٹ میں صبر کی خوبی بطور خاص پائی جاتی ہے۔

(ب) :- اونٹ کی دوسری خوبی یہ ہے کہ یہ موسیقی کا شائق ہوتا ہے اردگرد کے ماحول سے آنے والی خوب صورت آوازوں سے یہ لطف اندوز ہوتا ہے۔ یا پھر وہ انسانی آواز کا رسیا ہوتا ہے۔

اللہ نے اونٹ کو یہ خوبیاں اس کی حیوانی تخلیق سے بڑھ کر دی ہیں۔ یعنی اس کا صبر اس کا استقلال، اس

کی یادداشت اور موسیقی کا شوق عام جانوروں سے بالکل الگ ہی قسم کی چیز ہے۔ اور اس کے ساتھ انسانیت کے لئے اس کی وفاداری اور خدمت ایک علیحدہ خوبی ہے۔

اسلام کے نکتہ نظر سے تمام مخلوقات اور بطور خاص زندہ مخلوق' انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ علم حیاتیات میں ایک مخصوص اور عجیب وغریب رویہ طریقہ ہے جو بمشکل سمجھ میں آتا ہے۔ یہ اس لئے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام حیاتیاتی واقعات ایک خاص مقصد کے لئے عمل پذیر ہیں۔ یعنی جوہر یا ایٹم سے لے کر سالمیوں تک اور ان سے آگے DNA تک' جو کہ حیات کی تعمیراتی اینٹ ہے۔ اس عجوبے کو ابھی تک مادہ پرست ماہرین حیاتیات سمجھنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

ہماری دنیا میں جاندار اشیاء یعنی جانور اور پودے (ORGANISMS) سالمے یعنی کسی چیز کے چھوٹے چھوٹے آزاد وجود رکھنے والی مخلوق' پر ایسا نازک آرٹ جیسا بناتے ہیں اور اس کے تانے بانے سے اسی مقصدیت کا ثبوت ملتا ہے کہ جو ایک ایٹم سے لے کر انسان کے وجود تک پھیلا ہوا ہے۔ چونکہ یہ بنیادی حیاتیاتی ادراک' انسان کے لئے اونٹ کی خدمت سے بھی آگے کی بات ہے' میں اس موضوع پر مزید کچھ کہنا چاہوں گا جو یہ ہے۔

ایک سیب کی مثال لیجئے۔ اس میں وٹامن سی کی مقدار اتنی ہوتی ہے جس کی انسانی جسم کو روزانہ ضرورت ہوتی ہے۔ اسے محفوظ رکھنے کے لئے سیب اپنے اندر موجود فروٹ ایسڈ کو کاربونیٹ آئن کے نمک (CARBONATE IONS) کے ذریعے متوازن رکھتا ہے۔ مزید برآں' فولاد جس کے جوہر کے ملاپ کی طاقت یا گرفت ویلنس (VALENCE) دو ہوتی ہے اور جو انسان کے لئے بے حد اہم ہوتا ہے' وہ بھی انسان کی روزانہ کی ضرورت کے برابر ایک سیب میں موجود ہوتا ہے اگرچہ سیب کے وجود میں موجود یہ سب جز' خود اس فروٹ یا اس کی نسل کے لئے فائدہ نہیں رکھتے۔ اگر یہ خواص بھی سیب میں موجود نہ ہوتے تو تب بھی ہم سیب کی کاشت اس میں موجود فرکٹوز (FRUCTOSE) کو حاصل کرنے کے لئے کرتے۔ اور یہ شیریں حل پذیر قلمی مرکب' میٹھے پکے ہوئے پھلوں' پھولوں کے فیکٹر اور شہد میں پایا جاتا ہے۔

اسی قسم کی صورت حال' ہم شہد کے بارے میں بھی دیکھتے ہیں (اس کا تفصیلاً ''ذکر موضوع نمبر 17 میں آچکا ہے) اسی طرح یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ جو جانور دودھ دیتے ہیں وہ اپنی اولاد کی ضرورت سے تین سے لے کر تیس گنا زیادہ دودھ دیتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ کس طرح مائیکروب' یا باریک ترین اور برقی خوردبین سے نظر آنے والے جرثومے بھی' انسان کی خدمت کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے آپس میں مقابلہ کرتے ہیں' ہماری آنتوں میں موجود اربوں کی تعداد میں موجود بیکٹر یا یعنی

جاندار سیل ہمارے استعمال کے لئے طرح طرح کے خامرے یا انزائم اور وٹامن مائیکروب صرف انسان کی خدمت بجالانے کے لئے ہی تیار کرتے ہیں۔ مثلاً دہی کی تیاری میں یہ بیکٹریا اس قدر زیادہ خمیر اور وٹامن تیار کرتے ہیں کہ اس عمل میں یہ خود اپنے آپ کو ہی تباہ کردیتے ہیں۔

چنانچہ ہماری عظیم کتاب یعنی قرآن' جب ہماری توجہ اونٹ کی تخلیق کے رازوں کی طرف مبذول کراتی ہے تو اس کا مقصد انسانی توجہ کو ان تمام دیگر واقعات اور تخلیقات کی طرف بھی لے جانا ہوتا ہے جن کے عظیم معنی ہوتے ہیں۔ اس سے انسان کو یہ دعوت دینا ہے کہ وہ اپنے خواب غفلت سے بیدار ہو کر اللہ کی عظیم نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔

"اے انسانیت! اگر اونٹ کی اپنی مرضی ہی سے اپنی زندگی گزارنا ہوتی تو وہ صرف ٹھنڈے اور سرسبز جنگلات میں ہی پایا جاتا لیکن یہ لق ودق صحرا کی سختیوں کو صرف تمہاری خدمت بجالانے کے لئے جھیلتا ہے۔ اور اپنے عظیم ڈیل ڈول کے باوجود یہ اپنے آپ کو تابعدار بنائے رکھتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اپنے رب جو رب العالمین ہے' کی حکم عدولی کرتے ہو؟"

"پھر تم کیوں اللہ کی مرضی کے خلاف بغاوت اور خود سری کا اظہار کرتے ہو جبکہ تم دیکھتے ہو کہ کس طرح ایک حیوان بھی صبر و شکر کا نمونہ ہے؟"

موضوع نمبر 24

کائناتوں کے اوراق

PAGES OF THE COSMOS

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾

الانبیاء ۲۱

ترجمہ : وہ دن جب کہ آسمان کو ہم یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے۔ جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلے تخلیق کی ابتداء کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ایک وعدہ ہے ہمارے ذمے، اور یہ کام ہمیں بہرحال کرنا ہے۔" (الانبیاء آیت 104)

THE DAY THAT WE FOLD UP THE HEAVENS LIKE A BOOK : JUST AS WE PRODUCED THE FIRST CREATION (OPENED IT PAGE BY PAGE). SO SHALL WE RESTORE IT AGAIN. THIS IS A PROMISE BINDING ON US, AND SURELY WE SHALL FULFILL IT.

CHAPTER 21 (THE PROPHETS), VERSE 104.

قرآن فہمی کے سلسلے میں سب سے زیادہ مشکل آیات میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے جو آسمانوں کی تہوں کو ایک کتاب سے تشبیہ دیتی ہے۔ کائنات سے یہاں ہماری مراد مادی کائنات سے ہے اس لئے کہ مادی کائنات کی آسمانوں سے تمثیل دی گئی ہے۔

یہ آیت کریمہ آسمانوں کی تہوں کو کتاب کے اوراق سے کیوں تشبیہ دیتی ہے؟ بلاشک اس تمثیل کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے چند ایک کو میں حسب ذیل طریقے سے پیش کروں گا۔

(الف) آسمانی فضاؤں کی پہلے سے متعین کردہ جگہیں، لوح محفوظ پر ورق درورق درج ہو چکی ہیں۔ یہ اوراق ایک سپر کمپیوٹر کی ٹیپ کی طرح یقیناً ایک ناقابل تغیر نظم یا پروگرام کا ریکارڈ ہیں۔

(ب) آسمانوں کے درمیا مقناطیسی صلاحیتوں میں اختلافات کو اوراق سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ہر ایک فضا یا خلا اللہ کے بنائے گئے ایک علیحدہ نظام کی اپنی مخصوص کیفیات کے ساتھ تشکیل پذیر ہوتی ہے۔

(ج) آسمانی فضائیں اور طبقات ایک مقدس حکم کے تحت کھلتی اور بند ہوتی ہے۔ جیسے کہ کتاب کے اوراق کھلتے بند ہوتے ہیں۔ ان کے فاصلوں میں اضافہ، کمی یا ان کا بالکل ختم ہو جانا صرف اللہ جل شانہ، کی مرضی پر منحصر ہے۔

(د) آسمانوں کی تخلیق، اور مادی خلاؤں کا کتاب کے اوراق سے اس طرح تشبیہ دینے (جیسے ایک کاغذ کو لپیٹنا) سے یہ آیت کریمہ مادی حیات کی بنیادی کیفیات کو واضح کرتی ہے یعنی پھیلاؤ کو۔ دوسرے لفظوں میں مادی زندگی کا مختلف فاصلوں پر وجود کائناتی تناؤ یا نظم کی وجہ سے اس طرح ثابت ہوتا ہے جیسے کسی کتاب کے ورق الٹائے جاتے ہیں۔ اور اسی مقام سے میں اس آیت کی تشریح شروع کرنا چاہتا ہوں۔ مادی حیات یا وجود کس قسم کے طبعی مظاہر یا عجوبوں پر مشتمل ہے؟

یہ فوراً سمجھ آجانے والی بات ہے کہ مادی وجود کا مطلب فضا میں ایک جگہ کا پر کرنا اور وہاں ایک خاص طرح کا اضافہ ہونا ہے اس آیت کریمہ کی انوکھی بات اس مثال میں ہے جس کے ذریعے یہ اس تشریح کو ایک کتاب کے اوراق کا کھلنا بتایا گیا ہے۔ آیت کے دوسرے حصہ میں یہ بیان کہ، جیسے کہ ہماری پہلی تخلیق تھی .... اس نکتے کو اس مقام پر اجاگر کرتا ہے۔ آیئے اب اس سلسلے میں چند مثالوں پر غور کریں۔

(1) ایک سیارہ (PLANET) کس طرح اپنا وجود برقرار رکھتا ہے اور وہ اس فاصلہ کو برقرار رکھنے کی کوشش میں اس مرکز کے اردگرد گھومتا یا چکر لگاتا ہے۔ کیا ہماری دنیا بھی اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے قائم نہیں ہے؟ یہیں ہے وہ مخصوص مقام جو اس نے ایک مخصوص فاصلے سے پر کیا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح سے جیسے کہ ایک کتاب کے اوراق ہوتے ہیں۔

(2) ایک ایٹم کا وجود کس طرح سے ہوتا ہے یا قائم رہتا ہے؟ کیا یہ ایسا نظام نہیں ہے جہاں منفی برق پارے (الیکٹرانز) مرکزہ (نکلس) سے ایک مخصوص فاصلہ پر کشش کے مرکز کی نسبت سے فضا میں ایک مخصوص مقام پر قابض یا موجود ہوتے ہیں۔

(3) کوانٹم ویویکل (QUANTAM WAVICLE) جسے ہستی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے، کیا ہے؟ یہ مکان زمان (SPACE TIME) کے تانے بانے میں ایک مستقل لہر کا نمائندہ ہے۔ جس کی چوٹی اور گہرائی کی صورت کتاب کے ایک کے بعد ایک ورقوں کی مانند ہے۔

چنانچہ مادی اشیاء فضائے بسیط میں متعدد مقناطیسی سطحوں کو اس طریقے سے پر کئے ہوئے ہیں۔ جیسے کتاب کے اوراق ترتیب سے کھلتے ہیں۔ اگر خدا کی مرضی اس توسیع کو رک جانے کا حکم دیتی ہے، تو مادہ اسی لمحے منہدم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اللہ چاہے تو نئی ہستیاں، نئے فاصلوں کے ساتھ وجود میں آجاتے ہیں۔ یہی وہ

طبعی حقیقت ہے جس کا ادراک بہت مشکل سے ہوتا ہے مگر جس کو یہ آیت مقدسہ ظاہر کرتی ہے۔

آیئے! اب اس آیت کی مجموعی انداز میں تشریح کریں۔ یہ یوم حساب کے سلسلے میں انسانوں کے تذبذب کے برخلاف ایک ایسی شق پیش کرتی ہے جو خدائی فال اور علامت ہے۔ یوم حساب دراصل کائنات کے تمام اجزاء کا ایک اور ہی قسم کی حیات یا موجودات میں تبدیل ہو جانے کا نام ہے۔ قرآن میں اس سے متعلق متعدد مثالیں اور تشریحات موجود ہیں ان سے متعلق مقدس آیات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوم حساب کے معاملہ میں پہلا مرحلہ مکمل تباہی اور انہدام ہے۔ اس کے بعد ہم سب ایک نئی وجودیت میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یہ آیت اس تباہی اور ناقابل فہم تبدیلی کے ریاضیاتی اور طبعی حقائق کا تعارف کراتی ہے۔ اس کو فاصلوں کے سکڑنے اور فضائے بسیط کے لپٹنے سے اس طرح تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے ایک کتاب کو بند کیا جائے۔ اس کے برعکس یہ حیات کی افزائش (GENESIS) کی تعبیر اس طرح کرتی ہے جیسے فاصلوں کا پھیلانا اور فضائے بسیط کا لپٹی حالت سے کھلنا یعنی بالکل اس طرح جیسے ایک کتاب کو کھولا جائے۔ اس مثال کے تناظر میں ہر فضا کے وجود میں آنے کا حکم کتاب کے ایک ورق کی طرح ہے۔ تمام جہاں ایسی کائناتوں پر مشتمل ہیں جو اس ایک کتاب کے اوراق کی طرح آپس میں جڑی ہوئی ہیں جو رب العظیم کے سامنے ہے۔ اگر وہ چاہے تو وہ بڑھاؤ کو ممکن بنا دیتا ہے جس سے کئی تہوں والی دنیائیں اور آسمان موجود میں آتے ہیں۔ اور اگر وہ چاہے تو وہ فاصلوں کو معدوم کر دیتا ہے اور موجودات ایک اور ورق پر تہہ یا فولڈ (FOLD) ہو جاتی ہیں۔

اس آیت کریمہ کا ایک اور اہم نظریہ یہ جنت اور دوزخ سے متعلق بھی ہے۔ ایک طبعی مادی کائنات میں جدید انسان بھی جنت اور دوزخ کی تلاش میں خاص طور پر بے تاب ہے۔ مثلاً کسی اور کہکشاں میں۔ بہرطور یہ آیت مقدسہ ہمیں مطلع کرتی ہے کہ کتاب کمال کے ایک اور صفحہ پر جنت اور دوزخ موجود ہے۔ ہمارے موجودہ مقام کی نسبت سے یہ نہ تو دور ہیں اور نہ ہی نزدیک ہیں۔ یہ تو صرف ایک اور صفحہ پر موجود ہیں۔ اور جب اللہ جل جلالہ 'اس کتاب کا ورق الٹائے گا۔ تو کوئی کائناتی فرق 'کوئی فاصلہ ہمارے اور ان کے درمیان باقی نہیں رہے گا۔

موضوع نمبر 25

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت آدمؑ کی تخلیق

THE CREATION OF JESUS AND ADAM

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

آل عمران ۳

ترجمہ : اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ "ہو جا" اور وہ ہو گیا۔ (آل عمران آیت نمبر59)

THE LIKENESS OF JESUS IN GOD'S SIGHT IS AS THAT OF ADAM; HE CREATED HIM OF SOIL, THEN SAID HIM: "BE" AND HE WAS.
CHAPTER 3 (THE IMRAN FAMILY), VERSE 59

قرآن حکیم میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر چودہ آیات میں ہوا ہے۔ قرآن سے قبل کی کتابیں بھی بیان کرتی ہیں کہ حضرت آدمؑ کو مٹی سے تخلیق کیا گیا تھا۔ لیکن قرآن اس تخلیق کے بارے میں واضح طور پر بیان کرتا ہے "اس بارے میں درج ذیل میں، میں کچھ تشریح کرنا چاہتا ہوں۔

سورۃ المومنون کی آیت نمبر12 میں فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے انسان کو مٹی کے ست (یا جوہر) سے بنایا۔"

سورۃ السجدہ کی آیت نمبر7 میں بتایا گیا کہ "جو چیز بھی اسی نے بنائی خوب ہی بنائی۔ اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء مٹی کے گارے سے کی۔"

سورۃ الصفت کی آیت نمبر11 میں کہا گیا کہ "ان کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے۔"

سورۃ ص کی آیات نمبر71 اور 72 میں اس طرح فرمایا :-

"میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔"

سورۃ الرحمٰن کی آیت نمبر14 میں فرمایا کہ "انسان کو اس (اللہ) نے ٹھیکری جیسے سوکھے سڑے گارے سے بنایا۔"

سورۃ نوح کی آیت نمبر17 میں اس طرح فرمایا گیا "اور اللہ نے تم کو زمین سے اس طرح پیدا کیا جیسے کہ تم

اس سے آگے ہو۔"

آیئے اب آدمؑ اور اس طرح انسان کی تخلیق کے سلسلے میں قرآن کے ارشاد کو مدنظر رکھ کر ایک مشترکہ تشریح ڈھونڈنے کی کوشش کریں اور پھر اس کے نفس مضمون کو سائنسی نکتہ نظر سے ذرا تفصیل سے بیان کریں۔ ان تمام آیات میں سے کیا مشترکہ اور ایک سا حکم نظر آتا ہے؟

(الف) حضرت آدمؑ کو اللہ کے حکم سے مٹی سے بنایا گیا۔ اللہ نے کہا "ہو جا۔" اور وہ ہو گیا یا بن گیا۔

(ب) حضرت آدمؑ کا کسی اور جسمیے سے ارتقاء نہیں ہوا۔ بالکل اسی طرح جیسے حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔

(ج) مٹی جس سے آدمؑ کی تخلیق کی گئی گارے سے مشابہت رکھتی ہے اور جو چکنی اور لیس دار ہے۔

(د) حضرت آدمؑ کے جسم کو تخلیق کرنے کے بعد اللہ نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

چنانچہ ان تمام آیات سے ایک حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آدمؑ اور اس کی مثال سے انسان دوسری مخلوقات سے ارتقاء پذیر نہیں ہوا۔ یہ ارتقائی عمل سے نہیں گزرا۔ بلکہ اللہ نے حکم دیا کہ "بن جاؤ۔" اور وہ ہو گیا۔

دراصل اوپر دی گئی تمام آیات آدم کی تخلیق کے بارے میں عظیم سائنسی سچائیوں کا اظہار کرتی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے جدید انسان کے ذہن میں ارتقاء کی کہانی کو پوری طرح جیسے گاڑ کر بٹھا دیا گیا ہے یعنی اسے "برین واش" کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہمیں اس جھوٹ کی طرف ہی توجہ دینا چاہئے۔ اس لئے کہ جب تک انسانی ذہن میں یہ فرضی کہانی گھر کئے رکھے گی، انسان کی حقیقت کبھی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ نہ ہی قرآن میں مکمل ایمان پختہ ہو سکے گا۔

ارتقاء کی مفروضہ کہانی کیا ہے؟

تقریباً ایک سو سال قبل کیمبرج کے کرائسٹ کالج سے ایک پادری چارلس ڈارون نے گریجویشن کیا اور اس کا علم حیاتیات یا میڈیسن (طب) میں پہلے سے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ انسان ایک جانور تھا۔ جس کا ارتقاء ایک سالمیے والے جسمیہ سے ہوا۔ اور اس کے آباؤ اجداد بندر تھے۔ بہت سے سائنسدان گمراہ ہو کر بغیر سوچے سمجھے جھوٹ کی اس بگھی میں کود گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں ارتقاء کا مفروضہ پوری شدومد سے چل پڑا۔ یہ نظریہ کئی سالوں تک علمی اداروں میں اس طرح پڑھایا گیا کہ جیسے یہ واقعی کوئی سائنسی حقیقت ہے۔

ایک جدید سائنسداں دواں گش (DUANE GISH) کے بقول ارتقاء (یعنی انسان کا جانور سے ارتقاء پذیر ہونا) تو ایک فلسفیانہ خیال ہے اور در حقیقت اس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں ہے۔ آر۔بی۔ گولڈشمڈٹ (R.B. GOLD SCHMIDT) جو علم حیاتیات کا پروفیسر ہے اور نظریہ ارتقاء کا پرجوش حامی ہے۔ وہ اس حد تک ضرور دیانت دار ہے کہ بقول اس کے ارتقاء کے حق میں اب تک کوئی بھی شک و شبہ سے بالاتر سائنسی شہادت نہیں مل سکی۔ اور یہ کہ یہ محض سوچ کا ایک انداز ہے آکسفورڈ ڈکشنری یہ کہتی ہے کہ کسی نظریے کے سائنسی حقیقت بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نظر آنے والے حقائق کا حامل ہو۔ اور جو عام قوانین کے اندر ثابت بھی ہو سکے۔

سب سے زیادہ ترقی پسند ارتقاء کے حامی

اس بات کو ہر کوئی نہیں سمجھتا کہ ڈارون کے نظریہ یعنی ڈارون ازم اور نیو ڈارون ازم کے خلاف سائنسی شہادتوں کا انبار لگتا جا رہا ہے۔ ایسے نظریات ہمیشہ ٹیڑھی سوچ رکھنے والوں کے پسندیدہ مشغلے رہے ہیں۔ اس نظریہ کی تنقید میں پچھلے چند برسوں کے دوران اہم ماہرین حیاتیات کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ارتقائی مفروضے کے خلاف جیرمی رفکن (RIFKIN) کے حالیہ انتہائی اہم مقالوں میں اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ علم حیاتیات اور حیوانات کے مانے ہوئے ماہرین جیسے سی ایچ واڈنگٹن پۓ۔ پال گراسے (PIERRE-PAUL GRASSE) اور یہاں تک کہ سٹیفن جے گولڈ (GOULD) نے بھی ارتقاء کے ماننے والے نیم سائنسدان (سوڈو سائنسدان) کے جھوٹ کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ ان کو گریس نے "نیم سائنسدان" کہا ہے۔ پروفیسر گولڈسمڈتھ اور پروفیسر میکبتھ (MACBETH) نے بالکل کھلے طور پر کہا ہے کہ نظریہ ارتقاء کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے۔ چنانچہ ارتقاء کے حامیوں نے کتابوں میں جو تصویریں چھپوائی ہیں وہ سب بھی من گھڑت ہیں۔ ان تمام ابتدائی حقائق کے باوجود بھی میں اس اصل کہانی کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ جو وہ حیاتیاتی معاملہ ہے جسے ارتقاء کے حامی اپنے نظریات کی بنیاد سمجھتے ہیں۔

(ا) 1955ء کے بعد اس امر کا احساس ہو گیا تھا کہ خلیوں کا تانہ بانہ (سٹرکچر) 99 فیصد تک ایک ہی جیسا ہے اور DNA کے لئے جو کیمیاوی تعمیراتی بلاک ہیں، اس کی قدر 100 فیصد ہے۔ خلیوں کے درمیان فرق ان کے ریاضیاتی پروگراموں میں ہے۔ یعنی ایک پودے کے خلیے کا یہ پروگرام ہے کہ وہ آکسیجن کو عمل میں لائے یا پروسیس کرے۔ جبکہ جگر کے خلیے کا یہ کام ہے کہ وہ بائیل (جگر کی الکلائن جو چکنائی کے ہضم کے لئے ضروری ہے) پیدا کرے۔ چونکہ ان کمپیوٹری پروگراموں کو جو مختلف قسم کے کام سرانجام دیتے

ہیں۔ قدیمی یا ارتقائی نہیں کہا جاسکتا۔ یعنی یہ کہ ان میں بتدریج پختگی آئی' اس لئے ان کے متعلق نظریہ ارتقاء کچھ یقین دہانی نہیں کراسکتا۔ چنانچہ ارتقائی نظریات کے لوگوں کو خلیے اور اس کے ریاضیاتی پروگرام سے متعلق اپنے ذہنوں کو صاف کرلینا چاہیئے۔

(2) نظریہ ارتقاء کے حامیوں کے نزدیک آج کل ارتقاء کے سلسلے کا نظر نہ آنا اس وجہ سے ہے کہ یہ بہت آہستہ بتدریج عمل لاکھوں کروڑوں سالوں میں عمل پذیر ہوتا ہے۔ لیکن 1965ء میں آئس لینڈ کے نزدیک سمندر کے اندر زلزلے اور لاوے کے عمل سے ایک نیا جزیرہ جسے سرٹسی (SURTSEY) کہتے ہیں نمودار ہوگیا۔ اور اس پر ایک سال کے اندر اندر ہی ہزاروں قسم کے کیڑے مکوڑے' حشریات اور پودوں کی قسمیں پیدا ہوگئیں۔ یہ ابھی معلوم نہیں کیا جاسکا کہ یہ سب وہاں کیسے اور کہاں سے آگئے؟

(3) نظریہ ارتقاء والوں کے نزدیک ارتقاء کا عمل تبدل یا میوٹیشن (MUTATION) کے ذریعے سے ہوا۔ یعنی یہ جینیاتی خصوصیات میں تبدیلی کے ذریعے واقع ہوا۔ یہ دعویٰ سچ کو بگاڑنے کی مکمل اور کھلی مثال ہے۔ تبدل کبھی تعمیری نہیں ہوتا بلکہ یہ تخریبی عمل ہے۔ ملر (MULLER) جس نے تبدل دریافت کیا' کے تجربات سے یہ معلوم ہوا کہ جینی تبدیلی کا کوئی وجود نہیں بلکہ یہ جینی تباہی (GENE DESTRUCTION) ہی ہوتی ہے۔ یہ حقیقت تبدل پر کئے گئے بعد کے تجربات میں بھی ثابت ہوئی۔ کسی کی خصوصیات (ٹریٹس) تبدیل نہیں بلکہ تباہ ہوتی ہیں' جس کا نتیجہ یا تو سرطان (کینسر) یا موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یا پھر بگڑی ہوئی خصوصیات مزید کمزور جسمیہ کی تخلیق کا باعث بنتی ہیں (جیسی کہ ملر کی سبز آنکھ والی مکھی) آج تک کئے گئے ہزارہا تجربات کے باوجود بھی تبدل کے ذریعے جسمیہ کا کوئی بھی نیا یا اس سے ملتا جلتا پروگرام حاصل نہیں ہوسکا۔ اس کے برخلاف ہڈی کے گودے میں ہر سیکنڈ میں ایک پدری خلیے (پیرنٹ سیل) کے توسط سے نئے خلیے کئی ملین کی تعداد میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اگر تبدل (MUTATION) کے نظریئے میں ذرا بھی حقیقت ہوتی تو اب تک یہ عجوبہ مکمل طور پر ثابت ہوچکا ہوتا۔

(4) ارتقائی نظریہ والوں کا یہ دعویٰ ہے کہ قدیمی وجود اور موجودہ انسان کو جوڑنے والے ڈھانچے کا وجود موجود ہے۔ ان میں سے "پلٹ ڈاؤن انسان" (PILT DOWN MAN) سب سے زیادہ مشہور ہے۔ مگر اس کا فراڈ بھی ریڈیو ایکٹو تجربات کے ذریعے ثابت ہوچکا ہے۔ اور اسے مع فضول کتابوں کے برٹش میوزم سے نکال پھینکا گیا ہے (یہ موضوع نمبر 4 میں بیان کیا گیا تھا)

مزید برآں قدیمی مخلوق (PRIMATE) کے دماغ کا وزن 130 گرام ہے جبکہ انسان کے دماغ کا وزن 350

گرام ہوتا ہے۔ نظریہ ارتقاء کے مطابق ان کے درمیان کم از کم دس جسمیے ہونے چاہئیں۔ یہ ناقابل یقین بات ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ بچا ہو۔ چنانچہ یہ لازم ہے کہ ارتقائی نظریہ والوں سے یہ سوال کیا جائے کہ چونکہ بندر اپنی تمام اقسام کے ساتھ اب تک موجود ہے تو قدیمی مخلوق سے لے کر انسان تک پہنچنے والی سڑک پر وہ دس اقسام یا جسمیئے کہاں غائب ہوگئے ہیں؟

(5) ارتقائی نظریئے والے تو اس حد تک بڑھ گئے کہ ان کے نزدیک انسان کی آنتوں میں موجود اپنڈکس والی آنت ارتقاء کے سلسلے کی ایک بے مقصد باقیات ہے لیکن درحقیقت جسم میں اپنڈکس سب سے زیادہ مستعد اعضاء میں سے ایک ہے۔ جو نچلے پیٹ یا دھڑ کے لئے ایک ٹانسل (TONSILS) کا کام سرانجام دیتی ہے۔ یہ آنتوں کا لعاب چھوڑتی ہے اور آنتوں کے جرثوموں یا بیکٹریا کی اقسام اور تعداد میں باقاعدگی پیدا کرتی ہے۔ انسانی جسم میں کوئی عضو بھی بے مقصد یا فضول نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہر ایک عضو ایک ہی وقت میں مختلف قسم کے کام سرانجام دیتا ہے۔

(6) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نظریہ ارتقاء کا مقصد کیا ہے۔ ارتقائی نظریہ والے لوگ اللہ کے وجود کو نہیں مانتے۔ بلکہ ارتقاء ہی میں مقصدیت کی تلاش کرتے ہیں۔ اپنی نظر میں وہ قدیمی مخلوق اور ترقی یافتہ مخلوق کی زنجیر میں روز افزوں پیچیدگی اور تکمیل کے مفروضے پر عمل کرتے ہیں۔ مگر اس ترقی یا ارتقاء کے سلسلے میں ان کے مفروضے محض ان کے اپنے ہی ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ تکمیل پذیر یا کامل ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ مثال کے طور پر حسین خوبصورت رنگوں کے لحاظ سے ایک تتلی سب سے زیادہ بلند مقام رکھتی ہے۔ الیکٹرانک اوزاروں میں چمگادڑ کا کوئی جواب نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک باکمال راڈار کی نظر کا مالک ہوتا ہے۔ دماغ میں یادداشت کو قائم اور محفوظ رکھنے کے سلسلے میں اور دماغ کے وزن کے معاملہ میں ڈالفن مچھلی سب سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق ہے۔ اور جنگ وجدل کے معاملے میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق دیمک ہوتی ہیں۔ جو ایک چیونٹی سے بھی چھوٹی مخلوق ہے۔ ان کا ہتھیار وہ زہر ہے جس کے ابلنے کا نقطہ 100 ڈگری ہوتا ہے اور جو ان کے ماحول میں ہر جسمیہ (چھوٹی مخلوق) کو مار ڈالتی ہیں۔ ان سب کو کس نے ارتقائی عمل سے گزارا؟ اور ان کا ارتقاء کس مخلوق سے ہوا؟ کیمیاوی جنگ کے معاملہ میں تو ایک بندر اس حقیر دیمک سے بہت پیچھے رہ جانے والی زیادہ قدیمی مخلوق نظر آتی ہے۔

(7) ارتقائی نظریہ والے حضرات یہ کہتے ہیں کہ تمام مخلوق فطری چناؤ یعنی سب سے بہتر مخلوق کے باقی رہ جانے کے اصول کی تابع ہیں۔ اس سلسلے میں وہ دنیا ڈائناسورس (DINASAURS) کی مثال دیتے ہیں جس کی نسل اب معدوم ہو چکی ہے۔ مگر دنیا میں موجود پندرہ لاکھ قسم کی مخلوق کی موجودگی میں معدوم ہو جانے والی

مخلوق کی تعداد ایک سو سے بھی زیادہ نہیں ہے۔ اس پر مزید بحث موضوع نمبر 48 میں ہوگی۔ اس موقع پر سب سے اہم جو بات ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ جسمیے یا مخلوقات مشکل ترین حالات کے باوجود کئی ملین سالوں سے موجود ہیں۔ اس سلسلے میں تین خاص مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

(الف) نابینا مچھلی :- یہ ایک خاص قسم کی مچھلی ہوتی ہے جس میں دیکھنے کے لئے کوئی عضو نہیں ہوتا۔ یہ سمندر کی تہہ میں رہتی ہے۔ وہ مچھلیاں جو راڈار جیسے سونار (SONAR) جیسے نظام کی حامل ہوتی ہیں اور وہ بھی جو برقی میدان کی مدد سے ایک طرح سے دیکھتی ہیں' ایک ساتھ اس چھوٹی سی جگہ پر رہتی ہے۔ اگر ارتقاء کے ماننے والے صحیح ہوتے تو مچھلیوں کی یہ دو اقسام نابینا مچھلی کو صفحہ ہستی سے مٹا چکی ہوتیں۔ مگر مچھلی کی یہ تینوں اقسام لاکھوں سالوں سے ایک ساتھ پر امن طریقے سے رہ رہی ہیں۔

(ب) نابینا سانپ ایک قسم کی چھپکلی ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے اس مخلوق کے لئے زندگی بطور خاص مشکلات سے پر ہوتی ہے۔ مگر اس کی نسل بھی لاکھوں سالوں سے موجود ہے۔ یہ نہ تو معدوم ہو کر ختم ہی ہوگئی ہے اور نہ ہی کسی ارتقاء کے عمل کے ذریعہ سے یہ چھپکلی بن گئی ہے۔ اب بتائیے کہ ارتقاء کے نظریات سے متعلق قصے کہانیاں کیا حقیقت رکھتی ہیں؟

(ج) آسٹریلیا میں پائے جانے والے ایک خاص قسم کے سیہ یا خارپشت کنگرو کی طرح اپنے بچے کو پیٹ پر لگی ایک تھیلی میں لے کر چلتا ہے۔ یہ اپنے جسم میں ایسی تبدیلی کیوں نہیں لاتا کہ اس تھیلی یا جھلی سے اس کی جان چھٹ جائے اور یہ بھی دوسرے خارپشتوں کی طرح آرام سے رہ سکے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کے معاملے میں یہی چاہا ہے اور یہ خارپشت اپنی زندگی سے مطمئن ہے اور اسی طرح ہی خدمت بجالاتا رہے گا۔ نظریہ ارتقاء کا حامی اس راز کو کبھی نہیں سمجھ سکتا' اس لئے کہ وہ تو ایک اندھی منطق کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے۔

چنانچہ فطری چھانٹ یا انتخاب کی قسم کا کوئی عجوبہ نہیں ہوتا۔ اللہ نے مختلف النوع مخلوق کی تخلیق خود ہی کی ہے جس کی وجہ سے یہ دنیا میں لاتعداد جسمیوں یا مخلوقات کی نمائش موجود ہے۔

(8) اصناف کا تنوع : اگر ارتقاء کے حامیوں کا نظریہ درست ہوتا تو ہر جسمیہ یا مخلوق کے اندر اس قسم کی ترقی ہوتی جو امیبا (AMCEBA) جو پانی کا ایک جانور ہے اور دوربین ہی سے نظر آتا ہے سے شروع ہو کر زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک ہی قسم کی صنف بناتی چلی جاتی۔ یعنی ایک ہی قسم کا کیڑا' ایک ہی قسم کی مچھلی' ایک ہی قسم کا پتنگا اور ایک ہی قسم کا پرندہ اس امیبا سے نکلتا یا زیادہ سے زیادہ ہر ایک میں کچھ ورائٹی یا تنوع ہوتا۔ لیکن دوسری طرف دیکھئے کہ صرف کیڑے مکوڑوں ہی کی تین لاکھ انواع ہیں۔ پھر یہ کس قسم کا ارتقاء

ہے؟

مزید براں جانوروں کی تمام انواع میں ہر قسم کی قابل تصور صورتیں اور اشکال ہیں۔ جیومیٹری اور حیاتیات میں جتنی بھی ممکنات ہیں اتنی ہی عظیم تعداد میں مخلوق کی انواع ہیں۔ صرف تتلیوں کے پروں پر ہی رنگوں کے دس ہزار سے زیادہ کے نمونے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہر نوع مخلوق کے بڑے اور چھوٹے سائز ہیں۔ جیسے چھپکلی اور مگرمچھ، جیسے بلی اور شیر، جیسے امریکی چوہا (گنی پگ) اور سور۔ اگر ارتقاء کا عمل موجود ہوتا تو ہر مخلوق ایک ہی سمت یا سائز میں ترقی کرتی۔ جبکہ اللہ نے لاتعداد مخلوق کی انواع سے جیسے ایک عظیم الشان نمائش کا انتظام کیا ہے۔

(9) مختلف قسم کے سائنسی علوم ابھی حال کے سالوں ہی میں منظر عام پر آئے ہیں۔ ان کے نقطۂ نظر سے بھی ارتقاء کا عمل ناممکن ہے۔

(الف) علم طبعیات (فزکس) میں کوئی ارتقاء ممکن نہیں ہے۔ ہائیڈروجن سے کوئی بھاری عنصر پیدا نہیں ہوسکتے۔ کم از کم امن کے معنی میں۔ اس لئے کہ اگر آپ ہائیڈروجن کے 2 یا 4 جواہر (ایٹموں) کو ملا کر ہیلیم (HELIUM) بنانا چاہیں تو آپ کو تھرمونکلیئر بم (THERMONUCLEAR BOMB) ہی دستیاب ہوگا۔ اور تمام ماحول کھمبی کی شکل کے دھویں کے بادلوں سے اٹ جائے گا۔

(ب) ریاضیاتی طور پر ارتقاء ایک ناممکن سی چیز ہے۔ امیبا سے ایک کیڑا بننے کے لئے جینی کوڈ میں 39×10^{20} تبدیلیاں (ALTERATIONS) چاہئیں جو ایک سیکنڈ میں ایک تبدیلی کی شرح سے ایک سو کھرب (10 ٹریلین) سالوں میں ممکن ہوسکتی ہے۔ یا نظر آنے والی کائنات کی زندگی کے پانچ سو گنا وقت میں۔ ایک بندر کے لئے انسان بننے تک ارتقائی عمل کے لئے 3×10^{520} تبدیلیاں چاہئیں۔ یہ تعداد اس قدر ناقابل بیان حد تک زیادہ ہوگی کہ اگر کائنات میں تمام ذروں کی چوتھی قوت کو بھی کام میں لایا جائے تو ہمارے اس کے نزدیک تک پہنچنے کی نوبت بھی نہ آسکے گی۔ مزید موازنے کے لئے یہ معلوم ہوگا کہ ایک منفی بار (الیکٹرون) کا قطر (ڈائیامیٹر) کے لحاظ سے پوری کائنات کے 10^{124} سے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ سب حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ ارتقاء کا نظریہ ریاضیاتی ناممکنات میں سے ہے۔

(ج) حیاتیاتی طور پر بھی کوئی ارتقاء ممکن نہیں ہے، اج کے دن تک سائنسی ذرائع استعمال کر کے کوئی انسان ایک سسٹرن (CISTRON) جو ایک مخصوص پروٹین کے کوڈ کے لئے (DNA) کی لمبائی ہوتی ہے، کے برابر بھی تبدیلی نہیں لاسکا۔ یعنی ذرا سی تبدیلی بھی نہیں لاسکا۔ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں کسی بھی مخلوق میں جینی تبدیلی حاصل کرلی گئی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جین (GENES) جو نامیاتی تعمیریا

بلڈنگ کا فارمولا لئے ہوتی ہیں ایک بہت ہی مخصوص نظام کی حفاظت میں ہوتی ہیں۔ اگر یہ انتظام نہ ہوتا تو پوری دنیا عجیب اوٹ پٹانگ مخلوق سے تھوڑے ہی عرصہ میں بھر جاتی۔ چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ حیاتیاتی طور پر ارتقاء کا ہونا ناممکن ہے۔ جس طرح نلسن ہیری برٹ (HERIBERT) نے کہا ہے کہ حیات کی انواع' اس قسم کی ہیں کہ وہ تبدیل نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان میں تبدیلی ممکن ہے۔

پروفیسر میکس ویسٹن ہوفر (WESTEN HOFER) اپنے مطالعہ اور تجربات اور مچھلی' پرندوں' رینگنے والے جانوروں اور دودھ پلانے والے حیوانات کی سب زمانوں کی تاریخ کے مطالعہ سے ثابت کرتا ہے کہ یہ سب ہمیشہ سے ساتھ ساتھ موجود رہے ہیں۔ اس نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ پروفیسر وایزمین (WEISMANN) کا وہ نظریہ جیسے جاوا کا انسان (JAVA MAN) یعنی ارتقائی انسان کہتے ہیں' سائنس کے تمسخر کے مترادف ہے۔ اسی طرح پروفیسر گشن نے سائنسدانوں کی برادری کو یہ اطلاع دی ہے کہ قدیمی انسان کا ڈھانچہ جسے نبرا سکائین (NEBRASKA MAN) کہتے ہیں' مکمل طور پر بناوٹی ہے۔ اور یہ کہ صرف ایک دانت کی بنیاد پر پورے ڈھانچے کی تشکیل کی گئی ہے۔ ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ نظریہ ارتقاء ایک سوچا سمجھا ڈھونگ ہے۔ جو پراگندہ اعتقادات کی بنیاد بنتا ہے۔ اور معاشروں کی تباہی کا موجب ہے۔ اس سلسلے میں جن لوگوں کو دلچسپی ہو وہ درج ذیل ذرائع کا مطالعہ کریں۔

(1) جیری رفکن : (ALGENY, MIDDLESEX, PENGUIN, 1984)

(3) پال ایس۔ مورہیڈ (MOOREHEAD) اور مارٹن ایم کیپلان (KAPLAN)

Mathematical Challenges to Neo-Darwinian interpretation of Evolution, Philadelphia : Wistar Institute Press 1967.

(3) نارمن میک بیتھ (Noman Macbeth) کی کتاب : Darwin Retried

An Appeal to Reason, Boston : Gamlit, 1971.

(4) ڈوان۔ٹی۔ گشن (Gisn) کی کتاب Evolution : The Fossils Say No!

San Diego : Creation Life Publishers, 1978.

(5) جان مور (Jhon Moore) کی کتاب On Chromosomes, Mutation and Philogeny

Philadelphia, 1971.

(6) واٹر جے بوک (bock) Book review of Evolution by Orderly Law

Science. 164 (1969)

(7) ہیرالڈ فرانس بلوم (Blum) کی کتاب Times Arrow and Evolution,
Princeton University Press, 1968.

(8) نلسن این۔ ہیری برٹ Synthetische Artbildung (Heribert)
University of lund, Sweden

(9) پیرے پال گریس (GRASSE) کی کتاب Evolution of living Organism,
New York Academic Press, 1977

(10) ڈیوڈ راوپ (Raup) کی کتاب Conflict Between Darwin and Paleontology
Field Museul of Natural History Bulletin, January 1979

نظریہ ارتقاء کی غیر سائنسی نوعیت کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر میں اس موضوع کو اسی مقام پر چھوڑ رہا ہوں۔ اگر کسی قاری کو ارتقاء اور اس کے کامیاب پروپیگنڈے کے متعلق کوئی سائنسی شک ہے تو وہ ذاتی طور پر لکھیں' ان کو مناسب جواب مل جائے گا۔

اگرچہ سب سے زیادہ مشہور یہودی اور عیسائی سائنسدان بھی نظریہ ارتقاء میں یقین نہیں رکھتے۔ لیکن وہ اس طوفان بد تمیزی کے کھیل میں خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔ حقیقت اب بھی یہ ہے کہ دنیا میں ارتقاء کی پیداوار کوئی جاندار نہیں ہے۔ یہ ایک خیالی نظریہ اور فلسفہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں سائنس کے نام پر انسان کی ابتداء اور ارتقاء کے جو دعوے کئے جاتے ہیں وہ بالکل غلط ہیں۔ آج کے وقت تک اس کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں ایک معمولی سی شہادت بھی نہیں ملتی جو یہ ظاہر کر سکے کہ انسان کی ابتداء کیا تھی؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان کی ابتداء کیسے ہوئی؟ ہم اس سوال کا جواب قرآن کریم کی آیت سے رجوع کر کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آدمؑ اور انسان

اللہ نے ہمیں بتایا ہے کہ اس نے آدمؑ کو ایک خاص قسم کی مٹی سے پیدا کیا۔ یہ مٹی بنیادی طور پر چکنی اور گارے کی شکل میں تھی۔ لیکن میں نے اوپر جن آیات کو پیش کیا ہے ان سے کسی ایسی خاص قسم کی مٹی کا علم نہیں ملتا۔ کہ جس سے انسان کو پیدا کیا گیا۔ اس لئے کہ رب العظیم نے جو فرمایا ہے کہ "اس نے اسے مٹی سے بنایا اور پھر کہا ہو جا اور وہ ہو گیا۔" تو یہ بیان ضروری نہ ہوتا۔ بلکہ وہ مٹی خود بخود ہی حیاتیاتی نتیجہ پیش

کردیتی۔ دوسری طرف چند دوسری آیات میں زمین یا مٹی کی کچھ مخصوص اور محدود خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ اس طرف اس کی تحقیق اس طرح کی گئی ہے کہ اس کا تاروپود چکنا اور لیس دار تھا۔ سوال یہ ہے کہ رب العزت نے قرآن میں مٹی کی اس مخصوص قسم کا ذکر کیوں کیا ہے۔

آج سے ایک سو سال قبل اس سوال کا جواب بالکل ہی ناممکن تھا۔ مگر آج ہم اس قسم کی مٹی کی خصوصیات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ مٹی میں اور چکنے گارے میں کاربن اور نائٹروجن کے ایٹموں کی ملاپ کی طاقت یا گرفت اس طرح ہے C^{-4} اور N^{-3}۔

اس خصوصیت میں کیا راز پنہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آکسیجن، فاسفورس اور ہائیڈروجن جو زمین میں قدرتی طور پر پائے جاتے ہیں، آپس میں منفی طور پر چارج کئے گئے کاربن اور نائٹروجن کے ذریعے مل سکتے ہیں۔ اس طرح انسانی جسم کے بنیادی اجزا وجود میں آتے ہیں۔ یہی وہ راز ہے جو اوپر بیان کردہ تینوں آیات میں مضمر ہے۔ اب وہ کون سی شرائط کیا کیفیات ہیں جن کے تحت منفی کاربن (نیگیٹو کاربن) اور نائٹروجن، مٹی میں موجود آکسیجن اور فاسفورس کو آپس میں ملا کر ایک انسانی جسم کی تشکیل کر سکتے ہیں؟ اس لئے کہ اگرچہ تمام بنیادی جواہر بھی موجود ہوں اور ان کو عمل انگیزی (CATLYTIC) حالات بھی میسر ہوں، تب بھی یہ ایک سالمہ (CELL) کو بھی پیدا نہیں کر سکتے چہ جائے کہ انسانی جسم کو۔ چنانچہ اب ضرورت کس چیز کی ہے؟

جس چیز کی ضرورت ہے وہ اللہ کا ریاضیاتی منشا یا حکم ہے۔ جو اجزاء کو اس حالت یا پروگرام کے ذریعے ایک مخصوص زاویے اور مخصوص فاصلوں پر اکٹھا کرے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق اللہ رب العزت نے اس سچ کو صاف صاف بیان کرتے ہوئے اعلان فرمایا "ہم نے اس مٹی سے کہا ہو جا۔" اللہ کا یہ حکم کہ "ہو جا" ایک ریاضیاتی پروگرام کا کوڈ (راز) ایک بنیادی کوڈ (SOURCE CODE) ہے۔ جو لوح محفوظ پر موجود ہے اور جس کا ذکر قرآن کی متعدد آیات میں کیا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ کے جسم کی تخلیق کے بارے میں اللہ ہمیں دو اہم سائنسی حقائق سے مطلع کرتا ہے۔

(الف) مٹی میں کاربن اور نائٹروجن، جوہر کے ملاپ یا گرفت کی منفی قوت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

(ب) دوسرا اللہ کا وہ حکم ہے جس سے ریاضیاتی پروگرام کو بروئے کار لاتا ہے۔ یہ ریاضیاتی پروگرام ایک بے حد دلچسپ راز ہے۔

اس سے پہلے بیان کی گئی آیات کے سلسلے میں، میں نے پہلے ہی (DNA) سالمہ کی بات بیان کی ہے، جو کہ تخلیق کا بنیادی عنصر ہے۔ اس سالمے کی ترکیب یا ہستی میں، جو چیزیں ہوتی ہیں وہ ہیں منفی کاربن، نائٹروجن اور

آکسیجن، فاسفورس اور ہائیڈروجن۔ ان کا ذکر میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ تمام مخلوق یا جسمیوں کے خدوخال اور خصوصیات ایک ریاضیاتی پروگرام کے طور پر (DNA) کی ڈوری یا لڑی میں کوڈ بالخصوص قواعد اور قوانین کی صورت میں مہیا کردیئے گئے ہیں اور یہ ناقابل فہم ریاضیاتی عمل صرف اسی صورت میں آگے بڑھ سکتا ہے جب اسے اللہ کا حکم ہو کہ "ہوجا۔

"ہوجا۔"

دراصل تمام انسانوں کی جسمانی خصوصیات کے قواعد (کوڈ) آدمؑ کے نطفہ میں ایک پروگرام کی صورت میں مہیا کردیئے گئے ہیں۔ آدمؑ سے حوا کی تخلیق اسی آیت کا ایک اور سائنسی عجوبہ ہے۔ ورنہ تو اللہ فرماتا کہ ہم نے آدمؑ اور حوا کو مٹی کے کیچڑ سے تخلیق کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے معاملے میں پیدائش سے متعلق لطیف عمل کا اعادہ بالکل معکوس یا الٹی حالت میں کیا گیا ہے۔ سورۃ العمران کی آیت نمبر 59 پیدائش سے متعلق اس جینی اور حیاتیاتی معجزے کا بیان صراحت سے کرتی ہے۔ چنانچہ بناوٹی فوٹوں، تصویروں اور ڈھانچوں کی مدد سے اشرف المخلوقات یعنی انسان کے ارتقائی آباؤاجداد مقرر کرنا ایک مضحکہ خیز کم عقلی یا فراڈ ہے جو عقل واستدلال کے مونہہ چڑانے کے مترادف ہے۔

قرآن میں سورۃ السجدہ کی آیت نمبر ۷ کے ذریعہ اللہ نے ایک بار پھر آدم کی تخلیق کا حیاتیاتی عجوبہ بیان کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ کس قدر عجیب و غریب تخلیق ہے۔ انسان ایک ایسے مادی جسم کا مالک ہے جس کا تخلیقی پروگرام مٹی سے حاصل کیا گیا ہے۔ اور اس کی روح اللہ نے خود اس میں پھونکی ہے اور جب یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو اس وقت موت واقع ہوجاتی ہے۔

روح کے موضوع پر میں آئندہ آنے والی آیات کی تشریح کے موقع پر کچھ کہوں گا۔ جہاں تک جسم کا معاملہ ہے۔ یہ ایک ریاضیاتی نظام ہے اور جو مادہ کے سالموں سے بنا ہے۔ چاہے کس زاویے سے دیکھیں۔ بطور خاص جینی کوڈ ایک عظیم الشان کمپیوٹر کا پروگرام ہے۔ تمام خصوصیات، ایک ناخن سے لے کر چہرے کے تل تک کے قواعد (کوڈ) اس انتہائی چھوٹے نکتہ میں مہیا کردیئے گئے ہیں جس کا سائز ایک سینٹی میٹر کے دس لاکھویں حصہ سے بھی چھوٹا ہے اور دس ارب انسانوں کے دس ارب کے الگ الگ انگلیوں کے نشان (فنگر پرنٹ) بھی اسی طرح مہیا کئے گئے ہیں۔ یہی اور صرف یہی اللہ جل شانہ، کی طرف سے تخلیق کا راز ہے۔

موضوع نمبر 26

زمین کی بیضوی شکل

THE ELLIPSOIDAL OR SEPHEROIDAL SHAPE OF THE EARTH

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ﴿٣٠﴾

النّٰزعٰت ٧٩

ترجمہ : "اور پھر اس نے زمین کو بیضوی (شترمرغ کے انڈے) کی شکل دی۔" (النزاعت 79 آیتہ 30)

"AND THEN HE GAVE THE EARTH AN OVAL FORM (THE SHAPE OF A OSTRICH EGG)."

CHAPTER 79 (THE PLUCKERS), VERSE 30

اس آیت مبارکہ کی پرانی تشریحات میں اس کے معنی اس طرح ہیں : "اس نے زمین کو پھیلا دیا۔" جبکہ استنبول کے شعبہ مذہب (ISTANBUL FACULTY OF THEOLOGY) کے (مرحوم) کے ایچ۔بی۔ چینتے (H-B-CANTAY) اور ڈاکٹر علی اوزیک (DR. ALI OZEK) نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں اس کے وہ معنی دیئے ہیں جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں۔

تشریحات میں فرق لفظ "دحھا" کے معنی میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ عربی زبان میں اس کے لفظ کے ماخذ یا استقاق شترمرغ سے نسبت رکھنے والے معانی سے ملتے جلتے ہیں۔ آیئے! ان کی چند مثالیں دیکھتے ہیں۔

الادحیتہ : شترمرغ کا گھونسلا۔ یا ریت میں انڈے دینے کی جگہ یا کھڈا۔

الادحوۃ : شترمرغ کے انڈے کی جگہ۔

تداحیا" : ایک سوراخ میں پتھر ڈالنا۔

علم زبان کے ماہر (ETYMOLOGIST) شمس الدین نے ڈکشنری میں مدحی کے معنی شترمرغ کے انڈے کا سوراخ یا گڑھا بیان کیا ہے۔ جبکہ بیضاوی کے نزدیک بھی دحا کے معنی بیضوی ہی ہیں۔ دحا کے معنی پھیلانے (دحو) کے مفہوم میں ضرورتاً" بیان کئے گئے ہیں۔ یہ اس لفظ کے اصل معنی نہیں ہیں۔ پرانے وقتوں میں چونکہ دحا کے لئے انڈے کی شکل کا ہونا بے معنی سمجھا گیا' اس لئے اس کو پھیلانے کے معنی دے دیئے گئے۔

دحا کے اصل معنی شترمرغ کے انڈے کے ہیں۔ علم زبان کے اصولوں کے تحت تمام عربی ڈکشنریوں نے مدحی کو شترمرغ کے انڈے کے گڑھے یا سوراخ کے برابر قرار دیا ہے۔ م کو الگ کرنے کے بعد کچھ لوگوں نے اسے شترمرغ کا انڈا کہا ہے۔ مگر دحی کو پھیلانے سے مماثلت دی گئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نظریات زمین کی شکل کے معاملہ میں انتہائی سادگی کے حامل ہیں۔

دوسری طرف یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ جنہوں نے اس آیت مبارکہ کی تشریح کے سلسلے میں پھیلانے'' کا مفہوم لیا ہے وہ بھی مکمل طور پر غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ یہ ثانوی معنی ہیں اور قابل قبول ہیں۔ میری اپنی رائے بہرحال یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کے معنی اس طرح ہیں ''اور پھر ہم نے زمین کو شترمرغ کے انڈے جیسی شکل دی۔'' اب اس سے پہلے کہ میں تفسیر بیان کروں۔ میں ایک اور نکتے کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ کئی صدیوں قبل کے مشہور تفسیر نگاروں جن میں بیضاوی، رازی، ابوالسعود اور مدارک شامل ہیں نے اعلان کیا ہے کہ تخلیق کے وقت زمین پر کوئی جاندار چیز نہیں تھی اس لئے کہ وہ اس وقت آگ کی طرح تپتی ہوئی تھی۔ انہوں نے یہ اعلان اس وقت کیا جبکہ ان کے پاس موجودہ دور جیسی کسی قسم کی سائنسی معلومات نہیں تھیں۔ ان کے علم کی بنیاد صرف قرآنی سائنس ہی تھی۔ ان لوگوں کے اس ادراک اور قرآن فہمی کی تعریف نہ کرنا ناممکن ہے۔

اب ہم پھر اس علم کی طرف آتے ہیں جس کے تحت اس آیت کی تعبیر زمین کی بیضوی شکل کی نسبت سے متعلق ہے۔

(الف) : تمام مخلوقات کے انڈوں میں سے شترمرغ کا انڈا ہی ہے جو ایک کرے سے نزدیک ترین مشابہت رکھتا ہے۔

(ب) : کرہ زمین کے شمالی اور جنوبی قطبین کا قطر ڈائیا میٹر' زمین کے خط استوا کی طرف سے قطر (ڈائیامیٹر) کی نسبت سے زمین کی جو شکل بناتا ہے وہ بیضوی ہی ہے خاص طور پر یہ زمینی صورت' زیادہ صحیح طور پر کچھ بگڑی ہوئی سی ہے۔ جیسے کہ ناشپاتی کی شکل ہوتی ہے' اسے جی اوئڈ (GEOID) کہتے ہیں۔ زمین کا استوائی محیط (RADIUS)6378 کلومیٹر ہے جبکہ قطبین کا محیط 6356 کلومیٹر ہے۔

(ج) یہ ایت مبارکہ واضح طور پر زمین کی شکل گولائی میں ظاہر کرتی ہے۔ مزید برآں اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنی ابتدائی صورت میں زمین اس موجودہ شکل میں نہیں تھی۔ دراصل زمین کی سطح سخت (SOLIDIFICATION) سے قبل زمین کی کوئی مخصوص شکل نہیں تھی۔ کائناتی طبیعیات (اسٹروفزکس) کے علم کے مطابق زمین کی تخلیق سے متعلق دو نظریات ہیں۔ ایک نظریے کے مطابق زمین ابتداء میں سورج کا حصہ تھی اور جو ایک ٹکڑے کی طرح اچھل کر علیحدہ ہوگئی۔ جبکہ دوسرا نظریہ یہ بتاتا ہے کہ سورج اور

زمین دونوں ہی ایک سحابیہ (NEBULA) یعنی بادلوں والی تنویری پٹی جو آسمانوں میں نظر آتی ہے سے دھماکے سے علیحدہ ہوئے۔ دونوں ہی نظریات یہ مانتے ہیں کہ شروع میں زمین کسی مخصوص شکل کے بغیر تھی۔ جس نے بعد میں بیضوی گول شکل اختیار کرلی۔ چنانچہ یہ آیت کھلے طور پر زمین کی شکل بیضوی (OVAL) یا تکنیکی زبان میں (ELLIPSOIDAL) میں ظاہر کرتی ہے۔

اس مقام پر ایک تبصرہ بے جا نہ ہوگا۔ دوسری مذہبی کتابوں میں اپنے وقتوں کے لوگوں کو احکامات دیئے گئے اور عبادت کی طرف بلایا گیا۔ اس طرح ان کے سائنسی اعلانات صرف ان زمانوں کے نظریات سے مطابقت رکھتے تھے۔ اس کے باوجود بھی ان کتابوں میں پائے جانے والے متعدد احکامات کو قرآن میں بھی محفوظ کیا گیا ہے چنانچہ وہ ابھی تک لاگو ہیں۔

لیکن قرآن کی اہم خصوصیت تو اس حقیقت میں مضمر ہے کہ اس میں دیئے گئے قوانین رہتی دنیا تک مکمل طور پر لاگو اور سچے رہیں گے۔ اس لئے کہ قرآن کریم تو لوح محفوظ کی نمائندگی کرنے والی کتاب ہے۔ اور لوح محفوظ بجائے خود بیحد بڑے پیمانے کے عظیم الشان علم کے خدائی کمپیوٹر میں ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اسی وجہ سے قرآن سائنسی حقائق کو سمجھنے کے سلسلے میں معجزاتی خصوصیات کا حامل ہے حالانکہ ان حقائق میں سے بہت سے تو قرآن کے نزول سے صدیوں قبل سے تعلق رکھتے ہیں۔

زمین کی گولائی والی شکل اور پھر جیسا کہ میں نے موضوع نمبر8 میں بیان کیا' زمین کی محوری حرکت جنہیں قرآن نے متعدد آیات میں عیاں کیا ہے' ان لوگوں کے لئے ایک مکمل اور خوبصورت جواب جو اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ایسے بے حیثیت بونے دانشور بھی پیدا ہوگئے ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ اللہ کے دین کو ماننے والے لوگ تو ابھی تک زمین کو چپٹی (FLAT) سمجھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ اسے سورۃ النزعت میں بیان کیا گیا جو کہ تخلیق سے متعلق متعدد اسرار کو بیان کرتی ہے۔ مزید یہ کہ آیات نمبر28 سے نمبر32 تک زمین کی تخلیق کا خلاصہ دیے دیا گیا ہے۔ آیت 31 یہ اعلان کرتی ہے کہ جب زمین نے بیضوی شکل اختیار کرلی تو بالترتیب پہلے اس پر پانی کا انتظام کیا گیا۔ پھر اس پر ابتدائی نباتات کو چارے کی صورت میں پیدا کیا گیا۔ جدید دور کے ارضی طبعیات کے علم کے نظریات اس ترتیب سے پوری طرح متفق ہیں۔ جب زمین نے اپنی بیضوی گول شکل وصورت اختیار کرلی تو پھر اس پر کرہ آب (فشرارض کا آبی حصہ بشمول سمندر اور سارے پانی کے) وجود میں آگیا۔ اور سمندروں کی تشکیل ہوئی۔ نباتاتی حیات (پودے جنگلات وغیرہ) بعد میں ظہور پذیر ہوئے۔

اگر اس آیت پر تحقیق اس مکمل ہم آہنگی کی بنیاد پر کی جائے تو اس کے مکمل اور معجزاتی علم اور دانائی کو با آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

موضوع نمبر 27
صمد کے اسرار
THE SAMAD SECRET

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

الاخلاص ۱۱۲

ترجمہ : "کہو وہ اللہ یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔" (اخلاص)

I SAY: "HE, GOD IS ONE 2. GOD IS SAMED (THE ETARNAL, THE ONLY ONE) 3. HE HAS NOT BEGOTTEN, NOR BEEN BEGOTTEN, 4. AND EQUAL TO HIM IS NOT ANY ONE.

قرآن کریم کی یہ آیات، اسلام سے قبل اس عظیم پیدا کرنے والے سے متعلق غلط اعتقادات کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ اللہ کی عظمت کو صاف صاف بیان کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ اس کی ذات پاک کو کس طرح سمجھا جائے۔

سائنسی طور پر اللہ سے متعلق نظریات میں سب سے اہم خصوصیت "صمد" کے راز میں پنہاں ہے۔ سورۃ اخلاص کی دوسری آیت مبارکہ میں جو خدائی حکمت بیان کی گئی ہے۔ سائنسی نقطہ نظر سے وہ بے حد اہم ہے۔

آیئے سب سے پہلے علم حروف کے مطابق صمد کے اصل معانی تک رسائی حاصل کریں۔ لغوی طور پر صمد کے تین معنی ہو سکتے ہیں۔

(الف) مکمل۔ بے داغ۔ خالص۔ کامل۔

(ب) لامحدود قوت جو دوام اور بے پایاں ہونے پر محیط ہے۔

(ج) ناقابل تسخیر خدائی قوت (قادر مطلق ہونا)

اس کے معنی جو نبی کریمؐ کے ارشادات کی روشنی اور دیگر تشریحات سے ظاہر ہوتے ہیں یہ ہیں۔ وہ سچی طاقت جس کی ہر چیز محتاج ہے لیکن وہ خود کسی طرح سے کسی کی محتاج نہیں۔ "چنانچہ "صمد" وہ پاک قادر مطلق ہے کہ تمام مخلوق اپنی حیات کے لئے جس کی مرہون منت ہے۔ سائنسی اصطلاح میں صمد اس سچی اور حقیقی قوت کو ظاہر کرتی ہے جسے نہ تو کسی مزید اضافے کی حاجت ہے اور نہ ہی جسے کسی قسم کا انحطاط یا گھٹنا ہے۔ اور جس کا نہ تو تجزیہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی آمیزش ممکن ہے۔

کائنات کے تمام طبعی یا مادی حقائق کی تشریح "صمد" کے راز کے اندر بے حد اہم طریقے سے موجود ہے۔ تب ہی تمام مخلوقات کے لئے اللہ کا شکر اور اس کی تعریف سائنسی طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

ایک منٹ کے دوران، جسم کے اندر سانس لینے کی تعداد کے سلسلے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان کو ایک ایک منٹ میں 16 دفعہ صمد کے راز سے واسطہ پڑتا ہے۔ کیا یہ واقعی صحیح ہے؟ آیئے اب ہم مطالعہ کریں کہ کتنوں کو صمد کے راز یا قادر مطلق کی ضرورت ہے۔

طبعی طور پر سب سے پہلے، انسان کی تخلیق ایٹموں سے ترتیب دی گئی ہے۔ ایک انسانی جسم میں $7x10^{28}$ یا دس ارب، ارب، ارب ایٹم ہوتے ہیں۔

آیئے اب ایٹم اور صمد کے راز کے درمیان موجود تعلق کا حساب لگائیں۔

ایک ایٹم کا مرکز (NUCLEUS) ایک سیکنڈ میں دس ارب مرتبہ جھولتا یا گونجتا ہے، ایک مرکزہ کو اپنے آپ کو قائم رکھنے کے لئے یہ حرکت لازما" کرنا پڑتی ہے۔ اس لئے کہ مرکزہ میں پروٹون تمام کے تمام مثبت چارج کے حامل ہوتے ہیں۔ اور نیوٹرون بے تعلق (یا نیوٹرل) ہوتے ہیں۔ چنانچہ عام حالات میں تو مرکزہ کو ایک طرف اڑ جانا چاہئے۔ مگر جوہر کی ایک اور مضبوط طاقت ایک اور ابتدائی ذرے یعنی میسون (MESON) کے ذریعے دخل اندازی کرتی ہے۔ جس کا کام نوات یا مرکزہ کو آپس میں باندھے رکھنا ہے۔ (میسون یا وسطی سطوح ناپائیدار بنیادی ذرات کا گروہ ہوتا ہے جو کاسمک شعاعوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور زیادہ توانائی والے ذرات کی بمباری کے زیر اثر مرکزوں سے خارج ہوتے رہتے ہیں) پروٹونز اور نیوٹرونز کے درمیان میسونز یا وسطی سطوح کا تبادلہ ایک سیکنڈ میں دس ارب دفعہ کی رفتار سے ہوتا ہے۔ جو ایسی تعداد یا فریکونسی (FREQUENCY) ہے جہاں ایٹم کا ایک مرکزہ صمد کے اسرار کا محتاج ہوتا ہے۔

جہاں تک منفی برق پاروں (الیکٹرانز) کا جو مرکزہ (نکلیس) کو گھیرے ہوتے ہیں، تعلق ہے یہ (ایٹم کے بوہر (BOHR) ماڈل کے تعلق سے) مرکزوں کے اردگرد ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ مرتبہ کی رفتار سے چکر لگاتے ہیں۔ چونکہ یہ بیضوی محور کے اندر گردش کرتے ہیں ان کو صمد کے رازوں کی مدد کی اس وقت ضرورت

ہوتی ہے جب چاند یا دوسرے زمینی سیارے (APOGEES) مستوی یا بیضوی کے مقام پر زمین سے کم ترین فاصلے (PERIGEE) پر ہوتے ہیں۔ یعنی یہ حالت ہر چکر میں چار مرتبہ آتی ہے اس طرح مرکزہ کے گرد ایک سیکنڈ میں چار لاکھ مرتبہ کی رفتار کا وجود ہوتا ہے۔

انسانی جسم میں 14×10^{29} الیکٹرانوں کی موجودگی تصور کی جاتی ہے۔ چنانچہ انسان کو صمد' کے رموز کی $10^{10} \times 7\times10^{28} + 4\times10^{5} \times 14\times10^{29}$ یا فی سیکنڈ 70.056×10^{37} دفعہ کی ضرورت ہوتی ہے جہاں 10^{37} کے معنی دس کھرب' کھرب کی تعداد ہوتے ہیں' انسانی جسم کے صرف ایٹموں والے حصہ کو ایک سیکنڈ میں اتنے صمد کے رازوں سے مدد کی ضرورت ہوتی ہے' اگر یہ ضرورت صرف ایک لمحے کے لئے بھی پوری نہ ہو تو انسانی جسم ایک ایٹم بم کی طرح دھماکے سے پھٹ جائے گا۔

(ب) جہاں تک خلیوں کو صمد کے رازوں کی ضرورت کا معاملہ ہے تو اوسطاً" ایک خلیہ (CELL) میں 2000 کیمیائی لیبارٹریاں ہوتی ہیں یعنی (MITOCHONDIRIA AND GOLGI VESSELS ہوتی ہیں جو کیمیائی اجزاء کو متواتر زیر عمل رکھتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک انتہائی باریک خلیوں کی لیبارٹری ایک کمپیوٹر کے زیر حکم ہے۔ اور ایک کمپیوٹری پروگرام کے تحت ہی خلیئے کو اس کی خصوصیت عطا کرتی ہے۔

یہ دو ہزار انتہائی چھوٹی لیبارٹریاں اپنے پروگرام چلانے کے لئے' صمد کے اسرار کی مرہون منت ہیں اور وہ بھی ایک سیکنڈ میں پندرہ ہزار کی حد تک۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ پورے خلیے کی صمد کی ضرورت بالآخر تیس ملین دفعہ فی سیکنڈ ہوتی ہے۔ اگر یہی قدر ہڈیوں کے گودے میں پیدا ہونے والے خون کے خلیوں پر منطبق کریں تو جینی کوڈ (فارمولے) میں تبدیلی کے لئے "صمد" کی ضرورت اربوں کی تعداد تک پہنچ جائے گی۔

چونکہ انسانی جسم میں تیس کھرب خلیے ہوتے ہیں' انسانی جسم کی حیاتیاتی ضرورت کے لئے صمد کی مدد سیکنڈ میں' ایک خلیے کی بنیاد پر ایک ارب کھرب دفعہ کی تعداد تک پہنچتی ہے۔

(ج) دیگر اعضاء کی صمد والی ضرورت کیا ہے؟ یعنی خوراک کے ایک لقمے کی وہ مہم جوئی اور تغیرات کیا ہیں جو اس کے ہضم اور اس کے خرچ ہو جانے سے متعلق ہیں۔ اور خون کے ذریعے سے ہونے والا یہ سلسلہ کس طرح سے ہے؟ اس دوران اگر ان ہزاروں سلسلہ عمل کار پر پوری طرح سے تحقیق کی جائے اور اگر جزیات کو چھوڑ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حیاتیاتی خصوصیات اور حیاتیاتی کیمیا کا مطالعہ' میرے حساب کتاب کے مطابق یہ بتاتا ہے کہ ایک انسان کو ایک سیکنڈ میں 4×10^{37} مرتبہ "صمد" کے اسرار میں مضمر مدد کی ضرورت

ہوتی ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی بنیادی مثال اس طرح سے دی جاسکتی ہے کہ اگر سفید خون والے ذرات کو یا خلیے کو جو ہمیں بیماریوں سے بچاتے ہیں "صمد" میں پنہاں مدد صرف ایک لمحے کے لئے بھی نہ ملے تو نتیجتاً" یا تو ہمارے اپنے اندر کا بیکٹریا (BACTERIA) یا پھر کینسر کے خلیئے ہمیں ہضم کرجائیں گے۔

"صمد" میں پنہاں خدا کی قوت کی مدد نہ صرف انسانوں ہی کے لئے ہے بلکہ یہ تمام کائناتوں کا بنیادی سہارا ہے۔ وہ اہلیت جو ایٹموں، نباتات، سورجوں اور کہکشاؤں کو مقرر اور قائم رکھتی ہے اس کی بنیاد بھی اللہ کے اسرار میں پنہاں ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں کوئی ایک مخلوق بھی زندہ یا باقی نہیں رہ سکتی بلکہ وہ فوراً ہی معدوم ہوجائے گی۔

دیوہیکل عظیم ستاروں اور کہکشاؤں کے جمگھٹے ایک دوسرے کے اندر سے اور قریب سے گزرتے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک سیارے کا توازن بھی نہیں بگڑتا۔ خلابازوں نے ابھی حال کے چند سالوں میں اس غیر معمولی حقیقت اور واقعات کا بے حد حیرانی سے مشاہدہ کیا ہے۔

واقعی کسی چیز میں بگاڑ واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ اللہ صمد ہے (اللہ الصمد)

موضوع نمبر 28
پہاڑوں کے راز
THE MYSTERY OF MOUNTAINS

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ النحل ۱۶

ترجمہ : اس نے پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اس نے دریا جاری کیئے۔ اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔" (النحل 16 آیت 15)

AND HE HAS SET UP ON THE EARTH FIRM MOUNTAINS, LEST IT SHOULD SHAKE WITH YOU ; AND RIVERS AND ROADS, THAT YOU MAY BE GUIDED.

CHAPTER 16 (THE BEE), VERSE 15

اس آیت کریمہ کی تشریح سے پہلے میں مختصر طور پر ارضی طبیعیات کے ان واقعات کو بیان کرنا چاہوں گا جو زمین کی ابتدائی تشکیل سے لے کر اب تک واقع ہوئے ہیں۔

جیسا کہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ زمین کی مٹی اور پتھروں سے بنی ہوئی اوپری تہہ (CRUST) کے نیچے زمین کے قالب میں دھاتوں کا مائع میگما (MAGMA) ہوتا ہے۔ زمین اور سیاروں اور ستاروں کے جمگھٹوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ جب زمین وجود میں آئی تو اس وقت وہ' انتہائی زیادہ اونچے درجہ حرارت کی حامل اور پگھلی دھاتوں پر مشتمل' ایک آتشیں گیند کی صورت میں تھی۔ مگر اس معاملہ میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی کہ مٹی اور چٹانوں کی تہیں اور متعدد سمندر کس طرح سے بنے۔ اس کا آسان حل ان وضاحتوں اور تشریحات میں مل جاتا ہے جن کے مطابق موجودہ نظر آنے والی زمین آہستہ آہستہ اور بتدریج ٹھنڈی ہوئی لیکن سمندروں کی تشکیل سے متعلق تمام نظریات بطور خاص' انسانی تخیل کی پیداوار ہیں۔ کچھ سائنسدانوں کے نزدیک گرم زمین کے ابلتے ہوئے کڑھاؤ جیسی حالت میں سے پانی کے سالے (MOLECULES) کرہ بادیا فضا میں آہستہ آہستہ ٹھنڈے ہوتے رہے۔ جو انتہائی شدید بارشوں کا

باعث بنے اور اس طرح سمندر وجود میں آگئے۔ مگر یہ ناقابل تصور بات ہے کہ پانی کا قطرہ اس قدر شدید گرم اور جلتی ہوئی آتشی گیند پر پڑ بھی سکے اور مزید یہ کہ اس پر اتنے بہت سے قطرے جمع ہو سکیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ یہ تصور کیا جائے کہ قطبین پر بھاپ کے قطرہ اکٹھے (CONDENSED) ہو گئے اور بہہ کر سمندروں کے حوضوں میں جمع ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ ایک انتہائی گرم آتشی برتن مخالف کناروں پر کیسے ٹھنڈے ہو کر جم گئے؟

زمین کی بناوٹ کی ترکیب یعنی سلیکون کے مرکبات (SILICON COMPOUNDS) کی صورت میں ہونا ایک حقیقت ہے۔ سچ یہ ہے کہ اللہ کی پاک سائنس نے ہی سلیکون کے پائیدار مرکبات کو زمین کی سطح پر مہیا کیا۔ اور اس طرح کا ایک عمل وقوع پذیر ہوا ہے جیسے بوائلر کو بند یعنی (BOILER SHUT DOWN) کیا جاتا ہے۔ زمین کی بیرونی سطح نے سخت ہو کر اپنے قالب میں موجود آگ کو چھپا رکھا ہے اور اس طرح پانی کو نیچی جگہوں پر جمع ہونے کا موقع مل گیا ہے۔ اگر یہ بوائیلر جیسا شٹ ڈاؤن یعنی بند ہونا نہ ہوتا تو نہ تو زمین پر پانی اکٹھا ہو سکتا اور نہ ہی سمندر وجود میں آسکتے۔ دراصل کائنات کے بہت سے ستاروں کے متعلق یہ یقین کیا جاتا ہے کہ ان پر پانی کا وجود نہیں ہے۔ چنانچہ ان کا زمین جیسا ڈھانچہ بھی نہیں ہے ہماری زمین کا یہ اوپری چھلکا جس نے اپنے اندر ایک آگ کو چھپایا ہوا ہے ایک خود بخود ہو جانے والا قدرتی عمل نہیں ہے۔ ورنہ تو زمین میں سلیکون سے بھی ہلکے جوہر یا مادے موجود ہیں جو خود بخود سطح پر اس کی جگہ لے سکتے تھے۔ اگر خدانخواستہ زمین کی موجودہ اوپری سطح یا چھلکا رب العالمین کے حکم یا مرضی سے اسی طرح نہ بنایا گیا ہوتا۔ یعنی یہ خود بخود وجود میں آیا ہوتا، تو زمین کے اندر برپا شدید آندھی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی اور آتشی قالب پھٹ کر سطح زمین پر نکل آتا اور خود اس کے وجود کو ہی ختم کر دیتا۔

ہمارے عظیم خالق نے زمین کی سطح کو پائیداری دینے کے لئے، اس پر ایک طرح سے 'بڑے بڑے وزن مہیا کر دیئے ہیں۔ یہ پہاڑوں کے سلسلوں کی صورت میں ہیں۔ جن کی ساخت میں پوٹاشیم' سلیکون اور بہت سی دوسری دھاتیں مرکوز کر دی گئی ہیں۔ پہاڑی سلسلوں کو زمین کی سطح پر اور سمندر کی تہوں میں ایک بے حد نازک اور پیچیدہ مگر ساتھ ہی صحیح اندازوں کے ساتھ بنادیا گیا ہے۔ بالکل ایک مادی گریویور (GRAVURE) کی طرح چنانچہ اس طریقہ سے زمین کے مرکز میں اندر کی سیمابی آگ کو قابو میں رکھا گیا ہے۔

آیئے! اوپر دی گئی معلومات کی روشنی میں اس آیت کریمہ کو دوبارہ پڑھ کر لطف اندوز ہوں۔

پہاڑ ایک طرح سے برقی لاٹھی ہیں جو عظیم زلزلوں کو دور رکھتے ہیں۔ پہاڑوں کے بغیر تو لامتناہی حرکت

اور زمین کے قالب میں مسلسل بہاؤ ہمیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی آرام سے نہ بیٹھنے دیتے۔ ہمیں ہر وقت نہ رکنے والے زلزلوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور زمین پر ایک خیمہ بھی نہ گاڑا جاسکتا چہ جائے کہ بڑے بڑے شہر بنائے جاسکتے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ ہمیں چودہ سو سال قبل سے زمین کی اس ساخت کی متعلق بتارہی ہے اور تخلیق سے متعلق لاتعداد اور لامحدود انتظام کا علم مہیا کر رہی ہیں۔

آتش فشاں پہاڑ بھی جن کے متعلق ملحد لوگ عجیب و غریب اور فضول قسم کی توجیحات پیش کرتے ہیں، دراصل ایک خدائی نعمت ہیں۔ اگر آتش فشانی کا عمل نہ ہوتا تو ہم بہت سی دھاتوں کو تو صرف عجائب خانوں ہی میں دیکھ سکتے۔ لہٰذا آتش فشاں تو دھاتیں بنانے والے کارخانے ہیں جو زمین کے قالب میں موجود بہت سی اشیاء کو سطح پر لاکر مہیا کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ قالب کے لئے ایک طرح کا حفاظتی بٹن یا سیفٹی والو (SAFETY VALVE) کا کام بھی سرانجام دیتے ہیں۔ اگر ان کو دبایا یا ختم کر دیا جاتا، تو یہ بے حد تند و تیز اور خطرناک زمینی عمل کا موجب بنتے ہیں۔

چنانچہ جو لوگ قران سے نکلتی ہوئی نورانی روشنی میں اللہ کی لامحدود حکمت اور دانائی کا ادراک حاصل نہیں کرسکتے، وہ کسی بھی چیز کا علم حاصل نہیں کرسکتے۔

موضوع نمبر 29

پروگرام اور تقدیر

PROGRAM AND PREDESTINATION

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝۲ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝۳

(الاعلیٰ ۸۷، آیت نمبر ۲، ۳)

ترجمہ : "جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔ جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔" (الاعلیٰ 87 آیت 3،2)

HE HAS MADE EVERYTHING IN ORDER AND PROPORTION, ORDAINED LAWS AND GRANTED GUIDANCE.

CHAPTER 87 (THE MOST HIGH), VERSES 2-3

ہم اس آیات مبارکہ کو تین طریقوں سے واضح کرسکتے ہیں :-

(الف) اس نے حکم دیا۔ اس نے پیش کر دیا۔

(ب) اس نے قسمت دی۔ اس نے تقدیر مہیا کی اور مکمل کر دی۔

(ج) اس نے پروگرام بنایا۔ اور اس پروگرام کی تکمیل کو آخر تک پہنچا دیا۔

یہ آیت وہ بنیادی قانون ہے جس پر علم طبیعیات اور علم حیاتیات کا انحصار ہے۔ یہ ایسی سائنسی سچائی بیان کرتی ہے کہ جس کے ادراک کے بغیر طبعی اور حیاتیاتی عجائبات کو سمجھنا ناممکن ہے۔ ان دونوں سائنسی علوم کے لئے بھی اس کے رازوں کو سمجھنا صرف پچھلے پندرہ سالوں میں ہی ممکن ہو سکا ہے۔

سورۃ الاعلیٰ شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے جن کے معنی ہیں "تسبیح کرو (شان بیان کرو) اس رب برتر کی جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا۔" اس کے فوراً بعد یہ آیت مبارکہ آتی ہے۔ چنانچہ اللہ پہلے پیدا کرتا ہے۔ خوب صورت متناسب بناتا ہے۔ اس کے بعد پہلے تو اس کا پروگرام تیار ہے (حکم کرتا ہے اور تقدیر بناتا ہے) پھر اپنی رحمت کے طفیل آخر تک رہنے والے پروگرام کو ایک تحفہ کے طور پر عطا کرتا ہے۔

چنانچہ آج کل کی نسبت سے یہ تیسری آیت تمام چھوٹی بڑی مخلوق کی زندگیوں کی کہانی بیان کرتی ہے۔

آیئے اب متعدد حیران کن عجوبوں میں اس آیت کے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس حقیقت کا مشاہدہ کریں کہ یہ آیت کس طرح سے علم طبیعیات اور علم حیاتیات کا ایک بنیادی قانون ہے۔

1- ایٹموں اور سالموں کی داستان حیات

ایک ایٹم، ایک مخصوص چارج کے مرکزہ کے گرد مخصوص تعداد کے منفی چارجوں (ELECTRONS) کا حامل ہوتا ہے۔ مگر ایک عنصر آکسیجن جبکہ دوسرا عنصر کاربن کیوں ہے؟ اس لئے کہ اللہ نے ہر ایٹمی مرکز کا پروگرام بنایا ہوا ہے اور اس طرح ان کے اردگرد موجود توانائی کے محوروں کا بھی پروگرام بنایا ہوا ہے۔ ان خولوں (SHELLS) میں مقرر کردہ رفتاروں کے ساتھ مخصوص تعداد میں منفی چارجوں یعنی الیکٹرانوں کا پروگرام بھی بنادیا گیا ہے۔

قادر مطلق کی رحمت ہے کہ اس پروگرام کو ایک تحفہ کے طور پر بروئے کار لایا جائے اور وہ اس بات کی ضمانت بھی دیتا ہے کہ اس کا دیا ہوا پروگرام پورا ہو جائے چنانچہ ایٹموں کو خدائی قانون سے علیحدہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

مشہور ماہر طبیعیات ورنر ہائزنبرگ (HEISENBERG) کے "اصول بے یقینی" (PRINCIPLE OF UNCERTAINTY) کے مطابق یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ایٹمی مرکزہ میں وقوع پذیر ہونے والے انفرادی طبعی وقوعے کے متعلق کوئی پیش گوئی کی جا سکے۔ پھر یہ جواہر (ایٹم) اپنی حیثیت کس طرح برقرار رکھے رہتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے شروع ہی سے ان کا یہ پروگرام بنادیا ہے اور وہی اس امر کا خیال رکھتا ہے کہ یہ ایٹم اپنا مقصد پورا بھی کریں۔ یہاں یہ صاف طور پر نظر آتا ہے کہ کس طرح بغیر پیشگی احساس یا علم کے دنیا کا ایک مشہور ماہر طبیعیات اس آیت کریمہ کی سچائی کو ثابت کر رہا ہے۔

2- نامیاتی خلیے (ORGANIC CELLS)

جیسا کہ میں نے ایک اور آیت کی تشریح کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ زندگی کی کہانی دراصل پروگرام مہیا کرنے کا معاملہ ہے۔ مثلاً ایک پودے، ایک کیڑے اور ایک بھیڑ جو ایک دوسرے سے بے حد مختلف مخلوقات ہیں، کے اختلاف میں مضمر ہے۔ دوسرے لفظوں میں بنیادی تعمیراتی بلاک کا خلیہ جو دماغ میں ہو یا ایک پھول یا ایک تتلی میں ہو، ایک ہی سا ہوتا ہے یہ تمام (DNA) کے خولوں میں داخل کئے گئے پروگراموں

کے اختلاف میں مضمر ہے۔ دوسرے لفظوں میں بنیادی تعمیراتی بلاک کا خلیہ جو دماغ میں ہو یا ایک پھول یا ایک تتلی میں ہو' ایک ہی سا ہوتا ہے۔ یہ تمام (DNA) کے جینی کوڈوں یا فارمولوں سے بنے ہوتے ہیں۔ ان کی زندگیوں یا سرگزشتوں میں جو فرق بھی ہوتا ہے وہ ان کی جینی اکائیوں کے ریاضیاتی پروگراموں میں تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ رب العالمین نے ہر ایک کو ایک مخصوص تقدیر عطا کی ہوئی ہے اور اس تقدیر کے حصول میں مدد دی جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں علم حیاتیات کی سائنس بھی حالیہ سالوں ہی میں پہنچی ہے اور دھیرے دھیرے اس نے آیت کریمہ میں بیان کردہ بنیادی قانون کا شعور حاصل کرنا شروع کیا ہے۔ اس سے پہلے ان اختلافات کو وجودیت یا جسمانی ڈھانچے میں پیدا ہونے والے فرق کی وجہ سمجھا گیا۔ چنانچہ ہزاروں گمراہ دانشوروں کو نظریہ ارتقاء کے فضول نظریے کے تعاقب میں دوڑایا گیا۔ اگر ایک سو سال قبل ہی سائنس کو قرآن میں موجود اس سائنٹیفک قانون کا علم ہو جاتا تو لاکھوں لوگوں کے ذہن ہر روز اس بے معنی مادہ پرستی کے زہر سے آلودہ نہ ہوتے اور دنیا آج کے خطرناک توہمات میں نہ پھنسی ہوتی۔

3- ستارے (کرے) کہکشائیں اور ان کے خدائی پروگراموں کی تقدیر

پہلے پہل یہ سمجھا جاتا تھا کہ سیاروں کی تشکیل (NOVAE) نوتارا (ایک ستارہ جو اپنے مادے کا یہ ایک حصہ گیسی بادل کی صورت میں خارج کرتا ہے) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بعد میں یہ دریافت ہوئی کہ کہکشائیں (جو اربوں ستاروں پر مشتمل ہوتی ہیں) ان نیم نجمی ریڈیائی منبوں کوثرز (QUASARS) میں بنتی ہیں۔ جو کہکشاؤں کے لئے بیجوں کا کام دیتی ہیں۔ ایک پروگرام شدہ (حکم شدہ) کہکشاں بجائے خود کوثرز میں ایک بیج کی طرح تیار ہو کر انتظار کرتی ہے۔ اور جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تب یہ کہکشاں جیسے جوبن میں آکر' اس طرح کھل اٹھتی ہے کہ جس کے اندر لاتعداد اربوں سیارے ہوتے ہیں۔

اب دیکھئے کہ کس طرح اس آیت کی تفسیر تخلیق کو بیان کرتی ہے وہ (اللہ) پروگرام بناتا ہے (پہلے سے حکم دیتا ہے) اور ایک تحفے کے طور پر ودیعت کرتا ہے (جو اس کے حصول کی طرف لے جاتا ہے) جب انسان کے سامنے قرآن میں بیان کئے گئے تخلیق سے متعلق سائنسی اور معجزاتی طور پر شاندار قوانین آتے ہیں تو وہ اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاتا ہے۔

موضوع نمبر 30
پھیلتی ہوئی کائنات
THE EXPANDING UNIVERSE

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

(الذریت ۵۱ آیت ۴۷)

ترجمہ : آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے' اور ہم اسے وسیع کر کے پھیلاتے ہیں۔" (الزریت آیت 47)

WE BUILT THE HEAVEN WITH MIGHT, AND WE EXPAND IT WIDE.
CHAPTER 51 (THE SCATTERING WINDS), VERSE 47

یہ آیت مقدس واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ کائنات ایک مرکزی نکتے یا مقام سے باہر کی طرف پھیل رہی ہے۔ جیسا کہ میں نے اس سے قبل ایک موضوع میں تہہ در تہہ سات آسمانوں کے بارے میں بیان کیا ہے' کائنات کے پھیلاؤ کا مطلب اس کے آسمانوں کی مقناطیسی پٹی کا پھیلاؤ ہے۔ بہر طور' اس آیت کے شروع میں ایک اہم پیغام موجود ہے۔ وہ یہ کہ آسمانوں کی ساخت قادر مطلق ذی قوت' اللہ ہی نے کی ہے کائنات کی ہر چیز اس کی عظیم قوت کے اندر ہی ہے۔ یہاں اہم نکتہ اس حقیقت کا وہ زوردار بیان ہے کہ آسمانوں کی مقناطیسی پٹی کی صلاحیتیں اس خدائی حکم کی مظہر ہے جو آیت کریمہ میں اس طرح ہے کہ "ہم نے آسمان کو بنایا۔"

دنیا کی لاتعداد چیزوں کا وجود جسے ہم کثیر تعداد (MULTIPLICITY) کہتے ہیں کا بنیادی اصول پھیلاؤ ہے۔ درحقیقت جدید سماوی طبیعیات (اسٹروفزکس) کے علم میں اس اصول کو تکوینیات یعنی اجرام فلکی کی سائنس (COSMOGONY) کا بنیادی نظریہ مانا گیا ہے کائنات کا دھماکے کے ساتھ وجود میں آنے کا پرکثیف نظریہ جسے بگ بینگ تھیوری (BIG BANG THEORY) بھی کہتے ہیں اور کائنات کے پھیلاؤ (بطور خاص کوئزرز (کہکشاؤں کے جھرمٹ کے تناظر میں) کو جدید علم طبیعیات نے مان لیا ہے۔ اس نظریے کے تحت کائنات لامحدود توانائی کی اکائی (SINGULARITY) اور ہم مرکز تہوں کی صورت میں دھماکے

کے ساتھ ’کرتے بناتے ہوئے الگ الگ ہوئی ہے۔ پھر مادہ اور توانائی کے مختلف مقامی دباؤ اور لطیف تزکیہ (PAREFACTION) کے ذریعے مل کر اکٹھی ہوئی ہے۔ عظیم ابتدائی دھماکے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی وسعت کا عمل اب تک جاری ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نظریہ کے قابل جرح پہلو بھی ہیں۔ لیکن یہ نظریہ ان دو بنیادی اصولوں کو بیان کرتا ہے۔ جن کے تحت فضائے بسیط میں متعدد موجودات اور ان کے مقام کو بیان کیا جاتا ہے۔

1- وسعت حاصل کرنا اور ایک مخصوص مقام پر ہونا۔

2- اس مقناطیسی اہلیت کا حامل ہونا تاکہ اس مخصوص مقام پر موجودگی برقرار رہے۔

چنانچہ یہ آیت اپنے اس ارشاد کہ ”ہم آسمان کو وسیع کر کے پھیلاتے ہیں۔“ کے ذریعے اس پھیلاؤ کو ظاہر کرتی ہے جو تمام مخلوقات کی حیات کا بنیادی قانون ہے اور جو ان کے مقامات مہیا کرنے یا مخصوص کرنے کا باعث ہے۔ آسمانی طبیعیات (ASTROPHYSICS) کے اس پیغام کو جو چودہ صدیاں قبل انسانیت کو دیا گیا کس علم یا فہم سے سمجھا جا سکتا ہے، بجز اس کے کہ یہ قرآن کا معجزاتی راز ہے۔

آج کل آسمانی طبیعیات کے ماہر اس وسعت کو بیس ارب نوری سالوں کے حساب سے بیان کرتے ہیں۔ یعنی نظر آنے والی کائنات کا قطر اپنے ہم مرکز سماوی پٹیوں کی نسبت سے 20 ارب نوری سالوں پر یا 193×10^{21} کلومیٹر کے فاصلے پر محیط ہے۔ حالیہ سالوں میں ریڈیو ٹیلی اسکوپ کے ذریعے بھی یہ شہادت ملی ہے کہ یہ حد تقریباً روشنی کی رفتار کے حساب سے مزید وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔

پر کثیف نظریہ (بیگ بینگ تھیوری) کے مطابق شروع شروع میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک مرکز سے آگے کی طرف توانائی بتدریج کم ہوتی جاتی ہے لیکن کوثرز (QUASARS) کی دریافت کے بعد یہ عیاں ہو گیا کہ تمام کائنات میں توانائی کے ناقابل یقین حد تک کے ماخذ یا سوتے موجود ہیں۔ کم یا کمزور ہونے کے برخلاف، تیز و تند توانائی کے عجوبے، متواتر وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اس معاملے میں بھی جدید تحقیقات نے ملحد سائنس دانوں کو لاجواب اور پریشان کر رکھا ہے۔

کہکشاؤں کے سلسلے میں تحقیقات نے یہ ظاہر کیا ہے کہ اس وسعت یا پھیلاؤ کا مرکز ہماری اپنی کہکشاں ہی ہے۔ ستاروں کی موسمی تبدیلیاں جو شمالی اور جنوبی نصف کرہ ارض سے نظر آتی ہیں اس حقیقت کا مزید ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کہ ہماری کہکشاں (گلیکسی)، ہی اس توسیع کا مرکز ہے چونکہ مکانی زمان (SPACE TIME) خود ہم اطراف، ہم سموت (ISOTOPIC) ہے۔ کسی اور کہکشاں سے بھی ایک مشاہدہ کرنے والے کو یہی نتیجہ نظر آئے گا۔

یقیناً یہ قدرتی امر ہے کہ خدا کی مخلوق' کائنات کے ہر کونے میں موجود ہو۔ اگرچہ ہمارے اس زمانے میں متواتر کوششیں ہوتی رہتی ہیں کہ لوگوں کو یہ یقین دلایا جائے کہ فضائے بسیط سے کسی قسم کی مخلوق زمین پر آگئی ہے۔ ان کے پھیلائے ہوئے نظریہ ارتقاء کا پول جب کھل گیا تو ملحد لوگوں نے پھر غیر دنیاوی (EXTRA TERRESTRIAL) زندگی اور ذہانت کی باتیں کرنا شروع کردیں۔

درحقیقت اگر اربوں کی تعداد میں موجود ستاروں کا معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب ناقابل برداشت حرارت اور بے پناہ توانائی کی آندھیوں کے حامل ہوتے ہیں۔ قادر مطلق نے ان جگہوں پر بھی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ ایسی مخلوقات کا وجود توانائی سے بنایا گیا ہے۔ یقیناً تمام کائنات ویران تو نہیں ہوسکتی۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ان جگہوں پر فرشتے اور جن اللہ کے احکام کی تعمیل کررہے ہیں۔ اس موضوع پر آئندہ موضوع نمبر 36 میں تفصیلی بحث ہوگی۔

اس آیت کی تشریح جس طرح ہم نے کی ہے اس ملتی جلتی تشریحات اسلام کے مشہور مفکرین نے بھی کی ہے۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اللہ کے خالق ہونے کی صفت کے تحت تخلیق کا عمل متواتر جاری رہتا ہے اور اب بھی تمام کائنات میں جاری وساری ہے۔ مثلاً ابن العربی نے بھی اپنی تحریروں میں یہی موقف لیا ہے۔ اگر ہم آسمانی طبیعیات (اسٹروفزکس) کے نکتہ نظر سے اس آیت مبارکہ کا اور اس کے ساتھ قرآن میں بیان کردہ سات آسمانوں اور کائناتوں کے صفحوں کا بغور مطالعہ کریں تو ہم انتہائی حیرت اور دلچسپی سے دیکھیں گے کہ اللہ نے کس طرح ہمارے زمانے کے آسمانی طبیعیات کے حقائق کو انتہائی مہارت اور کھلے طور پر بیان کیا ہے۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اسلامی تہذیب وثقافت کے زور پر' خراساں کے جابر' البیرونی اور عمر خیام (جو دراصل ماہر ریاضی تھا) نے علم طبیعیات اور ریاضی پر جو تحقیقات شروع کی تھیں' وہ ہمارے ہاتھوں سے چھن گئی ہیں۔ ہم تو یہ بات دیکھنے میں بھی ناکام ہوگئے ہیں کہ ملحد لوگوں نے اپنے اہم حقائق دراصل اسلام کے سائنسدانوں ہی سے حاصل کئے ہیں۔ یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ آج کے دن اور اس زمانے میں بھی ہمارے متعدد سائنسدان ایسے ہیں جنھوں نے ان مسلمان سائنسدانوں کے متعلق سنا تک نہیں ہے۔

موضوع نمبر 31

قادر مطلق کے کمپیوٹری مرکز میں کائنات اصغر کے ریکارڈ

THE MICROCOSMIC RECORDS IN THE COMPUTER CENTER OF DIVINE OMNISCIENCE

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ۗ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ : ''اس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے نہ زمین میں۔ نہ ذرے سے بڑی۔ نہ اس سے چھوٹی ایسی کوئی چیز ہے جو اس نمایاں کتاب (دفتر) میں درج نہیں ہے۔'' (سبا 34 آیت 3)

NOT EVEN THE LEAST LITTLE ATOM IN THE HEAVENS OR ON EARTH ESCAPES HIS KNOWLEDGE; NOR IS THERE ANY THING LESS THAN THAT, OR GREATER, THAT IS NOT IN AN OPEN BOOK.

CHAPTER 34 (SHEBA), VERSE 3

کائنات صغیر (MICROCOSMOS) کے سلسلے میں جو کہ علم طبیعیات کی بے حد خیال انگیز اور بے حد دلچسپ حدود ہیں، یہ آیت مقدسہ غیر معمولی اہمیت کے حامل پیغامات کو پیش کرتی ہیں۔

غیر ضروری تفصیلات میں جائے بغیر، ہمیں اس آیت میں دی گئی کیفیات اور اصطلاحات کا بغور اور احتیاط سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ ہمارے مطالعہ میں ''سب سے چھوٹے ایٹم'' کا ابتدائی ترجمہ ہمارے علم کے مطابق وہ سب سے چھوٹا ذرہ ہے جس کی طبیعیاتی علم کے ذریعے پیمائش ہو سکے (مثقال ذرہ) ایک دوسری تعریف، ''اصغر'' کے تصور کی حامل ہے۔ ہمارے ترجمہ کے لحاظ سے اس کا مطلب، بہت چھوٹا، کم سے کم ہے۔ بہر حال اصغر بے حد چھوٹا ہونے کے نزدیک تر ہے نہ کہ تھوڑا چھوٹا سائز، لاطینی زبان میں یہ کم از کم (MINIMUM) کے مترادف ہے۔

ترجمہ میں ایک اور مشکل مرحلہ 'نمایاں کتاب' یا کھلی کتاب کے تشریح کا معاملہ ہے۔ کھلی کتاب جسے لوح محفوظ بھی کہا جاتا ہے قرآن میں متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے شروع میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ کھلی کتاب کا مطلب وہ کتاب ہے جس میں ہر چیز درج ہوتی ہے لیکن کائنات کے رازوں کو سمجھنے کے سلسلے میں یہ تعریف ناکافی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے دور میں ان اصطلاحات کو بہتر طور پر سمجھنا خاصا آسان ہوگیا ہے۔ میں نے اپنی متعدد کتابوں میں اس نظریہ کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ یہ ایک طرح کا کمپیوٹر سینٹر ہے جہاں تقدیر (DESTINY) سے متعلق تمام قوانین اور احکامات کا ریکارڈ رکھا گیا ہے۔

اس آیت کی تشریح کے لئے میں کائنات اصغر (مائیکروکوسموس) کے طبیعیاتی ڈھانچے کا خلاصہ پیش کرنا چاہوں گا۔

کائنات اصغر (MICROCOSMOS) کیا ہے؟

دو ہزار سال قبل یونانیوں نے ایٹم کو مادہ کی چھوٹی سے چھوٹی اکائی سے تعبیر کیا گیا تھا۔ ریزہ (ذرہ) کی اصطلاح پانچ ہزار سال قبل مصر' اسیریا اور ہندوستان میں بھی مستعمل تھی۔ ایٹم جس کا تصور مادے کے سب سے چھوٹے یونٹ کے طور پر موجود تھا' (تقسیم نہ ہونے والا A-TOM) سب سے چھوٹی چیز کی نمائندگی کرتا ہے۔ مگر عربی زبان میں لفظ مثقال' ذرا مختلف معنی رکھتا ہے۔ میری تحقیقات کے مطابق یہ نظریہ سب سے پہلے قرآن میں ہی دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اگر چھوٹی سے چھوٹی قابل تقسیم چیزوں کو قادر مطلق کے کمپیوٹر میں درج کیا گیا ہے تو اس سے یہ عیاں ہے کہ یہ ذرے ریاضیاتی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔

آیئے۔ اب دیکھیں کہ جدید علم طبیعیات (فزکس) کائنات اصغر (مائیکروکوسموس) کو کس طرح بیان کرتا ہے۔

کائنات میں سب سے چھوٹی چیزیں' مادہ بشمول سب سے بڑی کہکشاؤں کے وجود کو تشکیل دیتی ہیں۔ جدید فزکس میں مادہ کی تمام خصوصیات کا تعین' ان بے حد چھوٹی چیزوں (INFINITESIMALS) جنہیں بنیادی ذرے کہا جاتا ہے' کے ذریعے ہوتا ہے۔ پھر مختلف چیزوں' جیسے فولاد' ہوا اور درختوں کی ساخت خود ان چھوٹے ذرات کے کائنات اصغر مائیکروکاسموس کی سطح پر وجود میں آنا شروع ہوتی ہے۔

کائنات اصغر ایک مرکزی ڈھانچے پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک ایٹم کے مرکزہ کو ایک درالحکومت سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ یہ زیادہ تر پروٹونز (PROTONS) اور نیوٹرون (NEUTRONS) سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ جوہر کی مضبوط قوت انہیں ایک ساتھ باندھے رکھتی ہے اور اس طرح مرکزہ اور نتیجتاً' مادہ کے وجد

کے تسلسل کو برقرار رکھتی ہے۔ اس جوہری "شہر" کے اردگرد منفی برق پارہ یا الیکٹرون کے بادل ہوتے ہیں جن کی توانائی کی سطح تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ ان کو کائنات صغیر کے آسمان بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس سے پہلے سات آسمانوں کی تشریح کے وقت اور اس سے پہلے موضوع نمبر 6 حنا اور کنا' کی تشریح کرتے ہوئے بھی میں نے کائنات صغیر (مائیکرو کوسموس) کی کچھ خصوصیات بیان کی ہیں۔ ایٹم کے دارالحکومت' مرکزہ (نکلیس) میں پروٹونز اور نیوٹرون کے ساتھ ساتھ یہ ابتدائی ذرے بھی چھپے رہتے ہیں یعنی میسون (MESON) نیوٹرینو (NEUTRINO) اینٹی نیوٹرینو (ANTI NEUTRINO) اور (BREMSSTRABLUNG) یعنی ایک مرکزہ میں کسی ذرے کے داخل ہونے پر ان کی انگیختگی' اور ایکسرے اور گاماریز کے قدرے (QUANTAS) جو جوہری توانائی کی مختلف سطحوں پر گرفتار یا پھنس جاتے ہیں۔ یہ سب خود ایٹم سے بہت ہی زیادہ چھوٹے ہوتے ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کی خصوصیات کو ذیل میں زیر بحث لائیں گے۔

عزیز قاری! کیا آپ کو اس آیت میں موجود یہ ناقابل یقین طبیعیاتی پیغام نظر آتا ہے؟ یہ ہمیں چودہ سو سال قبل سے یہ بتا رہا ہے کہ مادہ جن اجزاء سے بنتا ہے وہ ایٹم سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں اور ان کا اندراج قادر مطلق کے پاس پہلے سے موجود ہے۔

مگر یہ ذرے کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں کیوں درج کئے گئے ہیں؟ جب کسی چیز کا اندراج اس سائنسی مرکز میں کیا جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ اس کو ایک سائنسی تقدیر عطا کی جاتی ہے۔ ان ذروں کا طبیعیاتی ڈھانچہ اسی مرکز میں متعین ہوتا ہے۔ یہ ذرے اپنے اٹل اور ناقابل تبدیل حساب کتاب کی خاصیت اسی کمپیوٹر سے حاصل کرتے ہیں۔

یہ الفاظ محض اندازے یا اٹکل پچو نہیں ہیں اور نہ ہی یہ الفاظ میری اپنی ایجاد ہیں۔ دنیا کے پانچ سب سے زیادہ مشہور ماہر طبیعیات میں سے ایک ورنر ہائزن برگ کے مطابق انفرادی طبعی واقعات' جو ایٹم کے مرکزہ میں واقع ہوتے ہیں' ان کے متعلق پیش گوئی نہیں کی جاسکتی ہے۔ اس کو اصول بے یقینی (PRINCIPLE OF UNCERTAINTY) کہا گیا ہے۔ تو پھر یہ بے حد چھوٹے ذرے اپنا وجود کس طرح قائم رکھتے ہیں؟ یہ فوراً ہی توانائی کی شکل کیوں نہیں اختیار کر لیتے؟ یہ آیت مقدسہ اس سوال کا جواب بے حد صراحت سے مہیا کرتی ہے۔ کہ ایٹم سے بھی چھوٹے ذرے مطلق کے بنائے ہوئے مرکز میں پروگرام کئے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ انتہائی چھوٹے ذرے' کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں درج اپنے مخصوص پروگرام پر عمل کرتے رہتے ہیں اور کسی قسم کی افراتفری یا پراگندگی کا شکار نہیں ہوتے۔

اس آیت کا ایک اور اعجاز یہ ہے کہ یہ ہمیں ناقابل تقسیم اشیاء (مخلوقات) اور چھوٹے ذروں جیسے مثلاً

ایٹم، پروٹونز، نیوٹرونز اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کے متعلق علم عطا کرتی ہے۔ جو چاہے زمین پر ہوں یا آسمان میں۔ پرانے زمانوں میں رہنے والے انسانوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ آسمانوں میں موجود ذرے کا تصور بھی کرسکتے جبکہ اس کا ادراک تو زمین پر بھی مشکل تھا۔

کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں ان جوہر سے چھوٹے ذرات (SUBATOMS) کی تقدیر سے کس قسم کا طبعی عمل مراد لیا جاتا ہے؟ آیئے۔ اس کا جواب علم طبعیات کی ایک نئی شاخ میں تلاش کرتے ہیں۔

"نوودی مقناطیسی گونج" (NUCLEAR MAGNETIC RESONANCE) یا (N.M.R.) ہر ذرے اور ایٹم کی شناخت اس سے نکلنے والی تھرتھراہٹ (یا آوازوں) کے ذریعہ کرتی ہے۔ (N.M.R.) ایک مقداری مکینیکل عمل کی خاصیت ہے، جو پروٹونز یا نیوٹرون کے ایٹمی مرکزہ میں جفت اعداد کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایسے مرکزے لاصفر (NON-ZERO) سپن یا چکر کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ اپنے ساتھ ملحقہ مقناطیسی معیار اثر دوسرے لفظوں میں مقناطیسی میدان کے حامل ہوتے ہیں۔ جب ان کو ایک بیرونی، سکونی مقناطیسی میدان میں رکھا جائے تو یہ اس کے ساتھ سیدھ میں یا قطار میں بندھ جاتے ہیں۔ اس بندھن کے عمل کے دوران مرکزے (NUCLEI) مقناطیسی میدان کے اردگرد جھولتے ہوئے حرکت کرتے ہیں۔ یہ گونج دار حرکت (N.M.R) مظہر قدرت ہے۔ خارجی مقناطیسی میدان کے استعمال کی مثال، تار والے موسیقی کے ساز کی ٹیوننگ (TUNNING) سے دی جاسکتی ہے۔

مگر جب ایک دفعہ مرکزے خارجی مقناطیسی میدان کے ساتھ سیدھ میں آجاتے ہیں یا (ALLIGN) ہوجاتے ہیں تو مقناطیسی حرکت فی اکائی، کسی قسم کے جھولنے یا ٹکیں لینے والی خاصیت سے عاری ہوجاتی ہے۔ (N.M.R.) کے اشارے یا سگنل کے مطالعہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ اس توازن کو ہلایا یا ڈسٹرب کردیا جائے۔ یہ اس طرح ڈسٹرب یا بے قراری کی حالت میں آتی ہے کہ ایک دوسرے وقتی فرق والے مقناطیسی میدان کو، جو اصلی میدان سے ہزاروں گنا کمزور ہو، اور جو زاویہ قائمہ کی سمت میں ہو، اس کو اس کے ساتھ استعمال میں لایا جائے یا ملادیا جائے۔ اس میدان میں جو مثال ریڈیائی تعدد فیلڈ (RADIO FREQUENCY FIELD (RF) ہوتا ہے، کو ضروری طور پر مرکزوں کے ارتعاشی فریکونسی جسے (LARMOR FREQUENCY) کہتے ہیں سے پوری طرح تال میل کھانا چاہئے۔ اس دوسرے میدان کے استعمال کو ایک ساز کی تار کو چھیڑنے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اور مرکزے اس کا جواب، میگا ہرٹز (MEGAHERTZ) کی سطح پر ایک سر نکالنے کے انداز میں دیتے ہیں۔ یہ سر ہر قسم کے ایٹم اور ہر الگ سکونی میدان کی قدر کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ یہ ارتعاش برقی رو یا وولٹیج میں تبدیل ہوجاتی ہے اور ہر

مرکزے کی نشاندہی اس کی گنگناتی سر سے ہوتی ہے۔
چنانچہ ایٹم سے چھوٹے ذرے کی سطح پر کروں کی موسیقی بھی یہی چیز ہے۔ سورۃ یٰسین کی آیت نمبر 40 میں جو کہا گیا ہے کہ ہر چیز اور ہر ذرہ ایک مخصوص محور میں چکر لگا رہا ہے اور اللہ کی حمد گاتا ہے تو یہ سر یا موسیقی ہی اللہ کے نام کا ذکر ہے، چنانچہ یہ بھی قادر مطلق کی اس کھلی کتاب میں پہلے ہی سے لکھ دیا گیا ہے کہ ایٹم سے بھی چھوٹا ہر جوہر کون سی موسیقی یا ذکر پیش کرے گا" اور اگر آپ تصوراتی طور پر ایک "ایٹم کے شہر" میں داخل ہو جائیں تو آپ کو یہ خدائی ذکر، ایک حیران کن حد تک خوبصورت موسیقی کی شکل میں سنائی دے گا۔ اگر آپ یہ پہچان سکیں کہ کون سی سر کس عنصر سے مطابقت رکھتی ہے تو آپ یہ بھی پہچان جائیں گے کہ آپ کس شہر میں داخل ہوئے ہیں۔ مزید بر آں آپ کو روشنی کے وہ نکتے بھی دکھائی دیں گے جو مختلف رنگوں کے آسمانوں کے درمیان ایک پھلجھڑی کی طرح جمپ کرتے ہیں یہ ہر طرح کی خوب صورت روشنیاں اور آوازیں انتہائی گہری عبادات اور ذکروں کو بیان کرتی ہیں۔ جو ہماری روزمرہ کی سائنسی دنیا کے لحاظ سے ان کی حمد کرنے (یسجن) کے راز کا اظہار ہے۔
یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم، علم طبیعیات، (فزکس) آسمانی طبیعیات (اسٹروفزکس) اور علم حیاتیات کی عقلی اور استدلالی سائنسوں کو اتنی پسندیدگی اور اہمیت عطا کرتا ہے۔ اگر سائنس، قرآن کے عظیم بابرکت نکتہ نظر سے حیات کا مشاہدہ کرے تو اسے اس میں دیئے گئے لامحدود معانی نظر آئیں گے۔ اسے چھوٹی سے چھوٹی مخلوق میں حمد و ذکر کا شعور حاصل ہوگا۔ چاہے ٹیکنیشن یا سپروائزر لوگ اس کا احساس کریں یا نہ کریں آج (N.M.R.) لیبارٹیوں میں ذروں (مالیکیول) کے ذکر کی موسیقی کا مشاہدہ ان کی وڈیو سکرینوں پر کیا جا رہا ہے۔
آیئے، اب اس آیت کو مکمل طور پر پڑھ کر اس کی ان موشگافیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں جن میں چودہ صدیاں قبل ان اذکار، یا حمد کی موسیقی کی موجودگی بتائی گئی تھی۔ اس کی ابتداء میں اللہ نے پہلا سائنسی پیغام، انسانیت کو اور یوم حساب میں ایمان نہ رکھنے والوں کو دیا ہے کہ "میں ہی عالم الغیب ہوں۔" اس کے بعد اس نے اس پاک آسمانی کمپیوٹر کے متعلق بتایا ہے کہ جس میں ایٹم اور اس سے بھی چھوٹے ذروں کے وجود کے سائنسی ماخذ ملتے ہیں۔ یہ آیت سائنسدانوں کو الحاد سے اس طرح باز رہنے کو کہتی ہے کہ جس کو علم حاصل ہے وہ کفر نہیں کر سکتا۔ ایک آدمی جس نے، سکرین پر لائے گئے ان بے حد چھوٹے کروں کا اور ان کی موسیقی کا مشاہدہ کیا، وہ کس طرح انکار کر سکتا ہے۔ ان حقائق کے تناظر میں کفر کا وجود جہالت کی مہر ہے۔
یہاں ایک اور اہم نکتہ کائنات ہائے کلاں (MACROCOSMOS) سے متعلق ہے۔ جو قادر مطلق

کے سائنسی کمپیوٹر کے ریکارڈ میں ان سے متعلق ہے۔ یعنی جس کا تعلق ستاروں اور کہکشاؤں سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ تفصیل کہ فلاں ستارہ کائنات کے کس کونے میں اور کس وقت اور کس حالت میں ہوگا' اس حیران کن کمپیوٹر یعنی لوح محفوظ میں پہلے ہی سے درج ہے۔ اسی میں حیات بعد از موت کا حساب بھی درج کردیا گیا ہے۔ "پھر کیا وجہ ہے تم ابھی تک شک میں پڑے ہو؟"

ابتدائی ذروں سے متعلق بحث میں' میں نے دانستہ طور پر کوارکس (QUARKS) کے مضمون کو نہیں چھیڑا۔ اس لئے کہ یہ موضوع ذراتی فزکس کے ماہرین کے درمیان ابھی تک ایک نزاعی مسئلہ ہے' کوارکس کے متعلق یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ پروٹونز اور نیوٹرونز کے تعمیراتی بلاک ہیں) چنانچہ اس طرح قرآن کی اصطلاح "اصغر" کے معانی کی تلاش میں علم طبیعیات انتہائی چھوٹی چیز بلکہ سب سے چھوٹی چیز کی تلاش میں ابھی تک سرگرداں ہے۔

موضوع نمبر 32

اللہ کے رب العالمین ہونے کے اسرار

SECRETS OF THE "PROVIDER OF THE WORLD" ATTRIBUTE

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٠﴾ (العنکبوت ۲۹)

ترجمہ : کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رازق بھی وہی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔" (العنکبوت 29 آیت 60

MANY ARE THE CREATURES THAT DO NOT CARRY THEIR OWN SUSTENANCE. IT IS GOD WHO FEEDS BOTH THEM AND YOU : HE IS THE ALL-HEARER, THE ALL-KNOWER.

CHAPTER 29 (THE SPIDER), VERSE 60

سورۃ العنکبوت جو اللہ کے نام "رب" کی خصوصیات بیان کرتی ہے۔ قرآن کی بہت مشکل سورتوں میں سے ہے۔ اس آیت میں جو خاص پیغام دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کس طرح قادر مطلق اپنی ان مخلوقات کی مدد کو پہنچتا ہے جو خود اپنے لئے خوراک یا ذرائع حیات حاصل نہیں کر سکتے۔ حال ہی میں ایسی بہت سی شہادتیں ملی ہیں جو اس آیت کی سچائی کو ثابت کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں تفصیلات میں جانے سے پہلے میں علم حیاتیات کے تناظر میں اللہ کے نام "رب" کی اہم خصوصیات کا خلاصہ پیش کرنا چاہوں گا۔

ہر کوئی جانتا ہے کہ روئے زمین پر لاکھوں کی تعداد میں پودوں کی قسمیں ہیں اور جانوروں کی اقسام تو دس لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ زندہ رہنے کے لئے یہ مخلوقات لاکھوں کروڑوں سالوں سے خوراک حاصل کرتی رہی ہیں اور بعض اوقات تو ایک مخلوق دوسری اصناف کو کھا کر زندہ رہتی رہی ہے۔ اس موضوع پر جو بہت سے لوگوں کو عامیانہ جیسا لگے گا حالیہ سالوں میں گہری تحقیقات کی گئی ہیں اور جو نتائج حاصل کئے گئے ہیں۔ وہ واقعی حیران کن ہیں۔

اللہ کے حتمی وجود کی سب سے زیادہ اہم شہادتوں میں سے ایک وہ نشانی ہے جو مخلوقات کے لئے خوراک کے سلسلے یا خوراک کی زنجیر (FOOD CHAIN) بنانے سے متعلق ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب

مخلوقات ایک دوسرے کو کھاتی ہیں تو زمین پر اس قدر بڑی تعداد میں جاندار کس طرح سے زندہ اور موجود ہیں۔؟ ان میں سے سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ اہل مخلوق دوسری تمام مخلوق کو مار کر ختم کیوں نہیں کر دیتی؟ مگر کوئی جسمیہ یا مخلوق' چاہے وہ کتنی کمزور ہی کیوں نہ ہو اپنی نسل کو جاری رکھے ہوئے ہے اور بالکل غائب نہیں ہو جاتی۔ چند مستثنیات مخصوص اور غیر معمولی حیاتیاتی حالات کا نتیجہ ہیں۔ جن کا خوراک کی زنجیر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس سوال کے جواب دینے سے قبل میں آپ کو اس مطالعہ اور تحقیق کی طرف توجہ دلاؤں گا جو دیمک پر (جو ایک چیونٹی سے چھوٹا اس سے ملتا جلتا کیڑا ہے) حالیہ سالوں میں کی گئی ہے۔

دیمک' دوسرے حشرات الارض کی طرح انڈے دے کر اپنی نسل بڑھاتی ہے۔ ایک دیمک عام طور پر ایک ہزار سے دو ہزار تک انڈے دیتی ہے۔ ان میں سے نصف تعداد ہی حیات کی کشمکش میں داخل ہوتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دیمک کی ایک قسم ایک وقت میں بیس لاکھ کی تعداد میں انڈے دیتی ہے۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یہ انڈے بہت سے دوسرے حشرات کے لئے بے حد لذیذ اور مرغوب غذا ہوتے ہیں اور ہر ایک حشرہ کوشش کرتا ہے کہ وہ ان کو اپنی غذا بنالے۔ اسی وجہ سے اللہ نے اس دیمک کو جو مخصوص اہلیت ودیعت کی ہے وہ انڈوں کی تعداد کا بہت زیادہ ہونا ہے۔ چنانچہ ان بیس لاکھ انڈوں میں سے پانچ چھ سو کی تعداد کسی نہ کسی طرح بچ جاتی ہے۔ اس طرح اس کی نسل چلتی رہتی ہے۔ نوع اور نسلوں کے جاری رہنے کا یہ عمل اس حقیقت کے باوجود ہے کہ اللہ نے ایک مخلوق کو دوسری مخلوق کی خوراک بنا رکھا ہے۔ جو یہ چھوٹی مخلوق یعنی دیمک بھی ظاہر کرتی ہے۔

اللہ نے تمام مخلوقات پر اس قسم کے عددی توازن کو مقرر کر رکھا ہے کہ کوئی جاندار نسل بھی اس کی مقرر کردہ حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ علم حیاتیات کا یہ قانون اس وقت انسان کے علم میں نہیں آسکا تھا جب تک زراعت میں موجود کیڑے مکوڑوں پر کیمیاوی جنگ کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ ایسی کیمیاوی ادویات جیسے ڈی ڈی ٹی کے وسیع پیمانے پر استعمال سے یہ معلوم ہوا کہ کیڑے مکوڑوں کی نسلیں اس طرح قدرتی طور پر ایک ایسے توازن میں موجود ہیں کہ ان میں سے ایک قسم کے کیڑوں کی تباہی کی وجہ سے ماحولیات کے توازن پر اس قسم کا اثر پڑا کہ ایک اور قسم کی نقصان دہ مکڑی بڑی تعداد میں پیدا ہو گئی جس سے پورا توازن ہی بگڑ گیا۔

لوح محفوظ کے ریکارڈ جن کا ذکر قرآن میں اللہ نے متعدد مواقع پر کیا ہے تمام مخلوقات کا ایسا اہم ریکارڈ ہے۔ جیسے کہ یہ ایک کمپیوٹر میں بڑی احتیاط اور درستی سے درج (کوڈ) کیا گیا ہو۔ اس چیز کا پیشگی فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے کہ کون سی مخلوق کسی دوسری مخلوق کو کس تعداد میں اپنی خوراک بنائے گی۔ یہ حساب کتاب جو ذہن

اور تصور کو بھی چکرا دے، اللہ کی اس خاصیت کی آئینہ دار ہے جس سے اس کا رب ہونا ظاہر ہے۔ تمام صحیح الذہن ماہرین حیاتیات کے لئے اس عجوبے کی وجہ سے اللہ کی حمد و ثناء لازم ہو جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ فطرت بے ہنگم اور جنگلی صفات والی ہوتی جیسا کہ کفر میں پھنسے ہوئے لوگ ابھی تک سمجھتے ہیں، تو خوراک کا یہ اصول لاکھوں کروڑوں سال قبل ہی ختم ہو چکا ہوتا اور معدودے چند بچ جانے والی گوشت خور مخلوق ایک دوسرے کو کھا پی کر ہضم کر چکی ہوتی۔ اور زمین پر زندگی کے آثار وقت سے بہت پہلے معدوم ہو چکے ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اللہ، غیر اللہ کے ماننے والوں اور ملحدوں کو کثرت سے یاد دلاتا ہے کہ قرآن میں بتائی گئی رب، کی خصوصیات کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ زمین پر خوراک کی اس زنجیر یا سلسلے کو ایمان کا نصاب سمجھا جاتا ہے۔ ان ملحد، حیاتیاتی سائنسدانوں کے لئے جو ابھی تک تاریک ماضی میں رہ رہے ہیں، یہ انتہائی بدقسمتی کی بات ہے۔

غور و فکر سے عاری کچھ لوگ خوراک کے سلسلے میں حشرات اور جسمیوں کے ایک دوسرے پر اس انحصار کو ایک المیہ تصور کرتے ہیں۔ مگر نامیاتی زندگی میں جو تنوع اور بہتات کا ایک اظہار ہے۔ تباہ ہو جانا اور ایک انجام کو پہنچنا، تنوع اور بہتات کا ایک انمٹ اور غیر متغیر قانون ہے۔ ایک سالمے سے دوسرے سالمے (MOLECULE) میں بدل جانا ایک خدائی آرٹ کی نشاندہی ہے۔ مٹی کی لیبارٹری میں ایک مردہ تتلی ایک نہ رکنے والے سلسلے کے ذریعے ایک نازک گلاب کی صورت میں نکل آتی ہے۔

جہاں تک اس آیت کے خاص پیغام کا تعلق ہے بہت سی مخلوقات کے ذریعہ حیات کی بہم رسانی کے لئے اس قسم کا خدائی نظام موجود ہے جس کے مطالعہ سے ہر کوئی سالوں سال تک ششدر اور حیران رہ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک خاص قسم کا الو اپنی مخصوص جگہ پر بغیر حرکت کے بیٹھا رہتا ہے۔ اور ایک ایسی مخصوص قسم کی برقناطیسی اشعاع، (RADIATION) خارج کرتا ہے جس کے اثر سے ایک چڑیا اس کے بالکل سامنے آ کر بیٹھ جاتی ہے۔ اس طرح وہ الو اپنے شکار کو بغیر محنت کے پکڑ لیتا ہے۔ ایک خاص قسم کا ماہی خور پرندہ (پلیکان) کوئی مچھلی نہیں پکڑ سکتا جب تک وہ دلدل میں بالکل ساکت حالت میں مسلسل چھ گھنٹے تک اپنے شکار کا انتظار نہ کرے۔

مگر اس آیت میں دیا گیا پیغام ان عجوبوں سے بھی آگے تک پہنچتا ہے وہ مخلوقات جو ظاہرہ طور پر بطور خود زندہ نہیں رہ سکتیں اپنی خوراک کس طرح حاصل کرتی ہیں؟ حال کے چند سالوں میں اس سے متعلق و حیران کن دریافتیں کی گئی ہیں جو یہ ہیں۔

پہلی دریافت الاسکا میں حیاتی تحقیقات کے ایک گروپ نے کی ہے یہ ایک انتہائی شاندار فوٹو پر مشتمل

ہے جس میں ایک چھوٹے سے کیڑے کو برف کے اندر پھنسا ہوا دکھایا گیا ہے مگر اس کے منہ میں سبز پتے کا ایک ٹکڑا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اس آیت کی زندہ مثال دکھادی ہے کہ ایک کیڑے کو خوراک بہم پہنچانے کے لئے کس طرح اتنی گہری برف میں بھی نباتات کا انتظام کیا گیا ہے۔

ہماری دوسری مثال بھی حیاتیاتی سائنس کے علم میں انقلاب برپا کرنے کے لئے کافی ہے۔

مستعد اور چلتے ہوئے آتش فشانوں سے بہنے والے لاوے کے ذریعے' لاوے کی غار بن جاتی ہیں۔ چونکہ غاریں اس گرم لاوے سے وجود میں آتی ہیں جس کا درجہ حرارت 200 سے 3000 سینٹی گریڈ ہوتا ہے' ان غاروں میں نئی زندگی کی تخلیق کے ممکنات پر تحقیق کرنے والی ایک ٹیم نے ایک غار میں سانپ سے ملتی جلتی ایک مخلوق کا سراغ لگایا۔ پہلے تو انہیں خیال آیا کہ یہ باہر کی عام دنیا کا ایک سانپ ہے۔ مگر یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئے کہ اس مخلوق کا سانپ کی نسل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ وہ ایک دیوہیکل کیڑا تھا جو ڈیڑھ دو میٹر لمبا تھا۔ مگر حقیقی حیرانگی اس وقت ہوئی جب اس کا معائنہ لیبارٹری میں کیا گیا۔ اس لئے کہ یہ بے حد بڑا کیڑا' کسی اور کیڑے کی طرح کا نہیں تھا۔ اس میں نہ تو کوئی نظام ہضم تھا اور نہ ہی کوئی نظام تنفس تھا۔ اس مخلوق میں جو ایک چیز تھی وہ اس کا دل تھا۔ یہ کس طرح زندہ رہتا ہوگا؟ کیسے کھاتا ہوگا؟ اور کس طرح سانس لیتا ہوگا؟

اس مخلوق کی جلد پر تحقیق نے یہ معمہ حل کردیا۔ اس کی جلد پر رہنے والے خوردبینی جراثیم (BACTERIA) اسے خوراک مہیا کرتے تھے اور انہی کے ذریعے یہ مخلوق آکسیجن حاصل کرتی تھی۔ اس طرح ایک دفعہ پھر اللہ نے اس آیت مبارکہ میں بیان کردہ اسرار کو حیاتیاتی لیبارٹری میں ظاہر کردیا۔

اس دو میٹر لمبے کیڑے کی دریافت نے نظریہ ارتقاء کے حامیوں کے غلط استدلال کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جھوٹا ثابت کردیا ہے اس لئے کہ یہ کیڑا نہ تو اکیلے خلیے والے ایبا (UNICELLULAR AMOEBA) سے ارتقاء پذیر ہوا اور نہ ہی کسی اور جاندار سے اس لئے کہ یہ تو اس غار میں پیدا ہوا جسے آتش فشاں کی بے پناہ گرم آگ نے جلا کر بھسم کردیا تھا۔ یہ ایک انتہا قسم کا عجوبہ تھا' جو اللہ کی بطور رب اور رازق' والی صفات کو بیان کرتا ہے۔

انسان کو سائنس کا علم اس لئے دیا گیا کہ وہ اللہ کی کاریگری کا ادراک حاصل کرے۔ اس کے برخلاف جو بھی سوچ ہے وہ انسان کی خود فریبی اور سراب ہی ہے۔ اور اس کا نظریہ ارتقاء کی طرح معدوم ہو جانا لازمی امر ہے۔

موضوع نمبر 33

قوم لوط اور قوم عاد پر عذاب الٰہی

THE CALAMITIES THAT VISITED THE NATIONS OF LOT AND 'AAD

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾

(النمل ۲۷ آیت ۵۸)

ترجمہ : "اور برسائی ان لوگوں پر ایک برسات، بہت ہی بری برسات تھی ان لوگوں کے حق میں جو متنبہ کئے جاچکے تھے۔" (النمل آیت 58)

AND WE RAINED DOWN A RAIN ON (THOSE WHO LAGGED BEHIND); AND EVIL INDEED IS THE RAIN ON THOSE WHO HAVE BEEN WARNED

CHAPTER 27 (THE ANT), VERSE 58.

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ دراصل یہ اگست 1945ء کا ذکر ہے۔ ایک سمندر کے درمیان میں دو جزیرے تھے۔ ایسے جزیرے جیسے چمکتے ہوئے زمرد ہوں۔

ان جزیروں کو جو دو اہم بڑے شہر بھی تھے اور جن کا نام ہیروشیما اور ناگاساکی تھا۔ دو مختلف دنوں میں علی الصبح کے وقت ان کو ایک عظیم جنگ کی تباہ کاری کا نشانہ بننا تھا۔ ان کی قسمت میں اس قدر ہولناک تباہی تھی کہ اس کے متعلق تمام انسانیت ہمیشہ ذکر اور بحث و تمحیص کرتی رہے گی۔

مگر ان تمام بحثوں میں ایک اہم نکتے کی طرف غالباً کسی کا بھی دھیان نہیں گیا۔

جب ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے تو گرمی سے تپتے ہوئے ان دونوں شہروں کو ایک طاغوتی' شیطانی آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ابتدائی دھماکے سے بچ جانے والے لوگوں نے اپنے آپ کو گلیوں میں لا پھینکا۔ پھر اچانک آسمان میں کالے بادل چھا گئے جن سے ان پر ایک طرح کی بارش پڑنے لگ گئی۔ مگر ان پر اصل موت' تابکار کرپٹون (KRYPTON) کی صورت میں نازل ہونا شروع ہو گئی۔ ان شہروں میں جو دو لاکھ انسان ضائع ہو گئے ان میں سے اکثر نے موت کا بوسہ اس بارش کے قطروں سے حاصل کیا۔

یقیناً یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ یہ دونوں شہر خدائی سزا کے مستحق تھے یا اللہ نے ان کو خود سزا کے طور پر تباہ کیا۔ لیکن قرآن کی آیات میں موجود کچھ رموز ضرور عیاں ہو گئے۔

تمام مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ لوط کی قوم پتھروں کی ایک بارش کے ذریعے تباہ ہوئی' یہ سیلاب نہیں تھا۔ ہیروشیما کے تباہ کن واقعہ تک کے دور میں صرف اہل ایمان ہی موت کی بارش میں یقین رکھتے تھے جبکہ کافر نفرت سے اس کا انکار کرتے تھے۔ لیکن یہ بیان پوری طرح سے صحیح ثابت ہوا اور ملحد لوگ اپنا سا مونہہ لے کر رہ گئے۔ یہاں تک کہ اس عجوبے نے ان سائنسدانوں کو بھی حیرت میں ڈال دیا جنہوں نے خود یہ ایٹم بم بنائے تھے۔

عزیز قاری! اس مقام پر میں ایک نکتے کو پورے زور کے ساتھ بیان کرنا چاہوں گا۔ جب اللہ کسی قوم کو تباہ کرنے کا فیصلہ کرلیتا ہے تو وہ' لامحدود قوت کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کا صرف حکم ہی کرتا ہے اور اس کا قہر جس صورت میں بھی نازل ہوتا ہے اس کا علم نہ ہمیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی دنیا کے کسی بڑے سے بڑے سائنسدان کو اس کا اندازہ ہی ہو سکتا ہے۔ نتیجتاً" ہم یہ نہیں کہتے کہ لوط کی قوم ایک تابکاری بادل سے گرنے والی بارش کے ذریعے ہی تباہ ہوئی۔ مگر یہ بھی عیاں ہے کہ قرآن کی تمام آیات سائنسی اشاروں کی حامل ہیں۔ تابکاری کرپٹوں (KRYPTON) پٹیوں بادلوں سے گرنے والی بارش جو کہ موت کی بارش ہی ہے اس کو اس موت کی بارش سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو ہم جنسی کے مجرموں گمراہوں اور سرکشوں پر نازل ہوئی۔

قوم عاد کے بت پرستوں نے جب بادلوں کو دیکھا تو خوش ہوئے کہ یہ ان کے لئے راحت کا موجب ہوں گے۔ درحقیقت اس نکتے کو ابن عربی نے بے حد خوب صورت انداز میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے مطابق "یہ بارش ان کے لئے واقعی رحمت بن کر آئی اس لئے کہ اس کی وجہ سے ان کے کفر والی حیات بھی ختم ہو گئی۔" اس آیت مقدسہ نے بھی اس نکتے کو بلاغت سے بیان کیا ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے بھی فرمایا کہ جب ان کی موت نزدیک آئی' قوم عاد نے حق کو پہچان لیا اور سمجھ لیا کہ موت کا بادل ان کے لئے نجات ہی کی طرح تھا۔ اسی طرح ہیروشیما کے لوگوں نے بھی موت کے بادل کو اپنے لئے بچانے والی نعمت سمجھا۔

قرآن میں یہ بات صریحاً" بیان کر دی گئی ہے کہ جو قومیں اپنے کفر میں ضدی ہو جاتی ہیں۔ اور متواتر سرکشی کرتی رہتی ہیں وہ اللہ کے قہر سے تباہ ہو جاتی ہیں۔ جو لوگ اس میں یقین نہیں رکھتے انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ وہ خود جا کر اپنی آنکھوں سے ان قوموں کی تباہ شدہ زمینوں اور علاقوں کو دیکھیں۔ اسی قسم کے ایک بیان میں یہ فرمایا گیا کہ بہت سی قوموں کی تباہی ایک شدید آواز کے دھماکے کے ذریعے ہوئی۔ لغوی

معنوں میں یہ تیز و تند آواز' ایک زبردست دھماکے کے مترادف ہے۔
دھماکے سے پھٹنے والی تیز و تند آواز کے سلسلے میں یہ دلچسپی سے دیکھا جائے گا کہ اس کی مثال بے حد وسعت کے حامل ان مقناطیسی میدانوں کی اس ڈگمگاہٹ جیسی ہے جس کی طرف حالیہ سالوں میں سائنسدانوں نے توجہ کرنا شروع کی ہے۔ اگر مادہ ایک شدید مقناطیسی میدان میں داخل ہو تو یہ قدرتی طور پر تھرتھراتا ہے۔ جب یہ میدان انتہائی شدت اختیار کرتا ہے تو اس کا اثر انسانی دماغ پر بھی پڑتا ہے۔ جس سے پاگل پن یا اچانک موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس گونج کو ایک انتہائی درجے کی اس صوتی تیزی سے مشابہت دی جاسکتی ہے جو دھماکہ یا میزائل کے بالا صوتی رفتار پر سفر کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسے (SONIC WAVE) بھی کہتے ہیں اور جو ہلاک کرنے کا پہلو رکھتی ہے۔
قیامت کے دن کا دھماکہ بھی ایک ایسا زبردست ارتعاش ہو سکتا ہے جو مقناطیسی بڑھاؤ چڑھاؤ کے نتیجہ میں ایک شدید اور مہلک تھرتھراہٹ کا باعث ہو گا۔ یہ سوچ ہی قرآن کی دانائی اور حکمت کے عرفان اور تعریف کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ بطور خاص اس شخص کے لئے ہو سکتا ہے جو سائنس کی حقیقتوں کو سمجھتا اور تسلیم کرتا ہے۔

سورۃ الحاقتہ (69) کی آیت نمبر 6 میں اعلان کیا گیا ہے کہ قوم عاد ایک شدید اور جما دینے والی یخ بستہ آندھی کے ذریعے تباہ کردی گئی تھی۔ عام قدرتی حالات میں مشرق وسطیٰ میں اس قسم کی یخ بستہ ہوا ایک معمول کی صورت نہیں ہے۔ یہ کونسی ہوا ہے جس نے قوم عاد کو شدید سرد ہوا سے جما کر رکھ دیا؟
اس سوال کا جواب بھی مقناطیسی تغیرات سے متعلق سائنسی حقائق میں پوشیدہ ہے۔ حدت یا گرمی' جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے' ایک قابل پیمائش حرکت یا تھرتھراہٹ ہے۔ اس سلسلے میں چاہے کیمیاوی عمل ہو' برقی حرارت ہو' یا سورج کی شعاعوں کا معاملہ ہو' ذروں کے مالیکولز کی یہ حرکت ایک بنیادی عنصر ہے۔ پہلے یہ تصور کیا جاتا تھا کہ حرارت ایک علیحدہ قسم کی توانائی ہے۔ مگر حالیہ سالوں میں اس نظریئے نے قبولیت حاصل کرلی ہے کہ حرارت قدرت کی چار بنیادی طاقتوں میں سے ایک الیکٹرومیگنیٹک فورس (ELECTROMAGNETIC FORCE) یا برقی مقناطیسی قوت کے زمرے میں آتی ہے۔ وہ چار بنیادی طاقتیں یہ ہیں۔ کشش ثقل' برقی مقناطیسی' طاقتور نکلیائی توانائیاں اور کمزور نکلیائی توانائیاں۔ درحقیقت جب میں جہنم کے معنی کی تشریح کروں گا تو میں یہ ثابت کردوں گا کہ پتھروں کا جہنم کی آگ کا ایندھن بننا بھی' اس بالکل اچھوتے سائنسی نظریے سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔
ایک خطے میں مقناطیسی اثر اس کی حرکت کو بڑھا یا گھٹا سکتا ہے۔ چنانچہ اب تصور کیا جاسکتا ہے کہ جو

آندھی یا ہوا قوم عاد کے خلاف بھیجی گئی تھی وہ اسی مقناطیسی اثر (عمل) کے ذریعے یخ بستہ کردی گئی تھی۔

ماضی میں پرانے دقیانوسی دانشور جنھوں نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ ادھر ادھر کی سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر قرآن پر یہ کہہ کر تنقید کرتے تھے کہ قرآن میں یخ بستگی اور شدید سردی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر یہ کہ نہ صرف قرآن میں سردی کا باقاعدہ ذکر موجود ہے بلکہ یہ شدید سردی (زمہریر) کے لفظ کی صورت میں جو حبشی (ABYSSNIAN) زبان سے مشتق ہے، موجود ہے۔ اور استعمال ہوا ہے۔

جدید طبعیات کے نقطۂ نظر سے قرآن میں دیئے گئے قہرالٰہی اور حیات بعد از موت کے نظریئے بھی، تحقیق کے نتیجہ میں ناقابل یقین حقائق پیش کرتے ہیں۔ ان کا مطالعہ آئندہ صفحات میں فردا" فردا" کیا جائے گا۔ مگر اس مقام پر یہ یقینی امر ہے کہ قوم عاد اور قوم لوط کی مثالوں سے جدید انسان بطور خاص سائنسدانوں کو اہم پیغامات دیئے جا رہے ہیں۔ قرآنی ارشادات کی عظمت، آخرت تک آنکھوں کو خیرہ کرتی رہے گی، بشرطیکہ وہ آنکھیں شروع ہی سے اندھی نہ ہوں۔

موضوع نمبر 34

انسان خسارے میں ہے

MAN IS IN LOSS

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿۲﴾

(العصر ۱۰۳)

ترجمہ : "انسان در حقیقت خسارے میں ہے۔" (العصر 103- آیت 2)

SURELY MAN IS IN (ABSOLUTE) LOSS.

CHAPTER 103 (TIME), VERSE 2.

اس باب میں ہم قرآن کے معجزات میں سے ایک انتہائی حیران کن اور خوب صورت معجزے کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس سورۃ کے مجموعی معنی سے ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جس شخص میں ایمان نہیں ہے اس کے عمل میں راست بازی اور اصلاح نہیں ہوتی۔ اور اس میں صبر اور انصاف کی خوبیاں بھی نہیں ہوتیں۔ اس طرح وہ خسارے میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ مایوسی، محرومی، بدنصیبی، شکستہ حالی اور حیرانی کا شکار ہوتا ہے۔

قرآن کے اس عظیم الشان فیصلے کی تشریح سے قبل میں ماہرین علم نفسیات اور طبی نفسیات کے ان بیانات کا مختصراً" ذکر کروں گا جن کا مقصد خودی (نفس) کی تشریح کرنا ہے میں نے اس موضوع پر تھوڑا سا ذکر موضوع نمبر12 میں اس سے پہلے بھی کیا ہے۔

فرائیڈ (FREUD) کے نظریات کے زیر اثر کئی سالوں تک جنسی جذبات کو انسانی رویوں اور اخلاقیات کی حتمی بنیاد سمجھا جاتا تھا۔ مگر پچھلے پچیس 25 سالوں میں یہ متفقہ طور پر مان لیا گیا ہے کہ انسان میں سب سے زیادہ اثر پذیر جذبہ خوف ہے۔ انسانی وجود میں خوف کا عنصر اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ بہت سی حیاتیاتی علتیں اور خرابیاں یقینی طور پر خوف یا خوف سے متعلق مغالطوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

اس کا مشاہدہ بطور خاص بچے کی پیدائش کے وقت ہوتا ہے جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے ایک شہری عورت بڑی تکلیف سے بچہ جنتی ہے۔ بمقابلہ ایک دیہاتی عورت کے۔ شہری عورت کو بچے کی پیدائش کے دوران نسبتاً" زیادہ قسم کے مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسے کئی قسم کی دوائیں استعمال کرنا پڑتی

ہیں۔ جبکہ دیہاتی علاقوں کی عورتوں کے اس قسم کے مسائل نسبتاً کم ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کو زیادہ ورزش ملتی رہتی ہے۔

پچھلی دہائی کے دوران میں یہ معلوم ہوا ہے کہ جوں جوں پیدائش کا عمل آگے بڑھتا ہے ماں اور بچے کے درمیان ایک کمپیوٹر جیسا دو طریقہ عمل واقع ہوتا ہے۔ بچے کی پیدائش کے وقت ماں اور بچہ جیسے ایک کمپیوٹر سینٹر سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے ایک ہوائی جہاز اترتے وقت آٹومیٹک پائیلٹ سے مدد لیتا ہے۔ وہ غلطی جو اس نظام میں رخنہ ڈالتی ہے وہ خوف ہی کا جذبہ ہے۔ چونکہ شہری عورتیں دیہاتی عورتوں کی نسبت زیادہ بزدل ہوتی ہیں ان کے لئے بچہ جننے کا عمل بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے اور ان کے لئے کئی قسم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

روزمرہ زندگی کے نقطۂ نظر سے یہ مثال زیادہ بصیرت عطا کرتی ہے۔ اگر ہم تمام پیش آنے والے واقعات کو ذرا کھلے دل اور بے فکری سے نہ لیں تو ہم مستقبل کے بارے میں فکر اور ڈر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ جذبہ افراتفری پھیلاتا ہے۔ اور اندرونی افراتفری ہی دکھ اور مصیبت کا باعث ہوتی ہے۔

اللہ پر ایمان نہ رکھنے والے شخص کے لئے دو شدید خوف ہوتے ہیں۔ ان میں سے پہلا خوف، موت اور تباہی کا ڈر ہوتا ہے اور دوسرا خوف مستقبل کے اندیشے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو ان دونوں خوفوں نے جکڑ رکھا ہوتا ہے اور ایک قسم کی ناقابل برداشت آگ میں ڈال رکھا ہوتا ہے۔ ان خوفوں کی وجہ سے کئی قسم کے نفسیاتی دباؤ پیدا ہوتے ہیں اور ساتھ ہی مختلف قسم کی جسمانی بیماریاں مثلاً معدے کے السر (پھوڑے) دل کی شریانوں کا تشنج، فالج اور یہاں تک کہ سرطان (کینسر) وغیرہ بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس قسم کے انسان کے اندر ایسی افراتفری پیدا ہوتی ہے کہ اس کا حوصلہ بیٹھ جاتا ہے اور وہ دکھ اور درد کے جلتے ہوئے کڑھاؤ میں متواتر جلتا ہی رہتا ہے۔

موت اور مستقبل کے خوف کا شکار ایک انسان کیا کرتا ہے؟ وہ یا تو شدید قسم کی شراب خوری کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر منشیات (بالخصوص ہیروئن) اس کی زندگی کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے۔ اس طرح یا تو وہ اپنے اصولوں اور اخلاق کو لگڑ بگڑ جیسی فطرت والی بے رحم ہوس پرستی کے حوالے کر دیتا ہے یا پھر وہ پاگل پن کی سرحدوں کے نزدیک نصف دیوانگی کی حالت میں بھٹکتا رہتا ہے۔

خوف کے جذبے کے برعکس، بھروسے یا اعتبار کا جذبہ ہوتا ہے۔ ان محسوسات کی جلا اور ترقی ایمان کی منزل سے بلاواسطہ مطابقت رکھتی ہے۔ ایک کافر انسان بھروسے کی نقلی اور حقیقت سے دور محسوسات کی پیروی کرتا ہے۔ خوف سے بچنے کے لئے وہ مال و دولت کا پیچھا کرتا ہے چونکہ اس کی یہ عادت اسے کسی اور

چیز پر بھی اعتبار نہیں کرنے دیتی اور چونکہ یہ روگ اس کے تحت الشعور میں نقش ہوجاتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ کے لئے خسارے کا شکار ہوتا ہے۔ اعتبار اور بھروسہ سے عاری انسان کا فرار اسے شراب' ہیروئن' ظلم اور پاگل پن والے خیالات میں پناہ ڈھونڈنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر ان سے بھی اس کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس کا خسارا اور بڑھ جاتا ہے۔ یہی وہ بنیادی استدلال ہے جس کی وجہ سے اسلام شراب نوشی کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ ایک سمجھ دار اہل ایمان شخص کے لئے شراب میں سکون ڈھونڈنا عبث بلکہ پاگل پن ہے جبکہ ایک ملحد شخص ہی اپنے خسارے کی آگ کو شراب میں ڈبونے کی کوشش کرتا ہے اور ناکام رہتا ہے۔

دوسرا اہم جذبہ جو انسانی طرز عمل پر اثر انداز ہوتا ہے وہ نفرت اور کینہ پرور حسد کا جذبہ ہے۔ اسے نفرت اور لالچ کی وجہ سے اچھے اخلاق اور مخلص عمل کی برکات وفیوض کبھی حاصل نہیں ہوسکتیں۔ سورۃ العصر کی آیت نمبر3 میں اس حکم کے ذریعہ ایک عظیم معجزاتی دانائی بیان کی گئی ہے یعنی "سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے' اور نیک اعمال کرتے رہے۔" کے فرمان کے ذریعے چودہ صدیاں قبل ہی اس حقیقت کو بیان کردیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جو کوئی بھی ایمان نہیں لاتا' اس کو خوف تباہ کردیتا ہے۔ اور جس کا عمل صالح نہیں ہوتا اور جس میں ایمان پر مبنی ایمانداری نہیں ہوتی اس کے لئے نفرت اور لالچ کے جذبے کے ذریعے تباہی ہی ہے۔

حالیہ سالوں میں' بے حد اہم سائنسی مشاہدات میں سے ایک وہ نظام ہے جس کے تحت انسانی جسم میں جذباتی ردعمل کو ایک کمپیوٹر میں درج یا ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ انسانی جسم میں ہائیپوتھلمک (HYPOTHALMIC) حصہ (جو دماغ کے نیچے واقع ہوتا ہے) اور متعلقہ افعال اجزاء کے نظام (VEGETATIVE SYSTEM) کے درمیان تعلق کو تمیں سال قبل ہی دریافت کرلیا گیا تھا۔ مگر اس امر کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی تھی کہ جذبات کس طرح انسان کے مادی اور اخلاقی نظام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ حالیہ سالوں میں مزید تجربات نے واضح کردیا ہے کہ ذہنی دباؤ انسانی جسم پر کس طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کے نتائج کا خلاصہ ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

انسان کا جذباتی اور مادی یعنی جسمانی ساخت کا نظام بڑی حد تک ہارمون' (HORMONES) اور ہارمون پیدا کرنے والے غدودوں (ENDOCRINE) کے نظام سے منسلک ہے۔ بہت سے اہم عمل' جیسے خون کی شریانوں کے چوڑا ہونے سے لے کر بھوک تک کا عمل اس اینڈوکرائن کے نظام سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ یہ نظام اندرونی رطوبت والے غدودوں پر مشتمل ہوتا ہے جو جسم میں بہت سی سرگزشتوں' جیسے جلد کی مضبوطی اور تازگی سے لے کر محافظ نظام (IMMUNE SYSTEM) تک پر اثر انداز ہوتا ہے اور یہ غدود

خود اپنی جگہ پیچوٹری غدود (PITUITARY GLAND) جو دماغ کے نچلے حصہ سے منسلک ہوتے ہیں، کی مرکزی اتھارٹی کے حکم سے منظم ہوتے ہیں۔ اس غدود کی ایک شاخ پر ایک خاص قسم کی جھلی لپٹی ہوتی ہے جس میں دماغ سے آنے والی ایک نس بھی ہوتی ہے۔ یہ جھلی جس نے دماغ کو لپیٹا ہوتا ہے۔ پیچوٹری کے پیندے پر ایک طرح سے سینے کا پردہ جیسا (DIAPHRAGM) بناتی ہے۔ اگر یہ گھٹتی یا سمٹتی ہے تو یہ شریانوں کو بھی سکیڑتی ہے اور پیچوٹری گلینڈ سے رس کر جسم میں آنے والے ہارمونوں کا بہاؤ کم ہو جاتا ہے۔ اس کی بہترین مثال برانگیختگی سے پیدا ہونے والی، نامردی یا ضعف (IMPOTENCY) ہے۔ اگر یہ جھلی پھیلتی ہے تو پیچوٹری نسیں بھی کھل جاتی ہیں اور ہارمونز آزادی سے بہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کی بہترین مثال بلند ہمتی کے ذریعے بیماری سے شفا پانا ہے جیسے ہی پیچوٹری (PITUTARY) زیادہ رطوبت خارج کرتی ہے تھائیمس گلینڈ (THYMUS GLAND) (جو گردن کے علاقے میں ہوتا ہے) میں سے حفاظت بخش رطوبت کا اخراج بھی بڑھ جاتا ہے اور جسم کی قوت مدافعت بڑھ جاتی ہے۔ مزید یہ کہ ضابطے میں لانے والا یہ نظام خود بھی ہائیپو تھلمس میں بافت کے خلیے کے اندرونی اہم مرکز (NUCLEUS) کے زیر انتظام ہوتا ہے اور یہ مرکز مکمل طور پر جذبات کے اثرات کے زیر کنٹرول ہوتا ہے۔ نئی تحقیق نے ثابت کردیا ہے کہ جذبات جیسے مثال کے طور پر نفرت، لالچ اور خوف، ہائیپو تھلمس کے اس مرکز کے ذریعے ہارمون بنانے والے غدودوں کے نظام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں جبکہ اس کے برعکس محبت اور بھروسہ کے جذبات اس مرکز کو اس کے اس کام میں اہم مدد دیتے ہیں جس کے ذریعے وہ ہارمونی نظام کو زیادہ روشن اور بہتر کارکردگی سے چلاتا ہے۔

کیا آپ نے اس سائنسی مشاہدے کے عظیم الشان اشارے اور مقصد پر غور کیا ہے؟

جی ہاں! اللہ نے انسانی جسم کے شاندار نظام کو اس طرح بنایا ہے کہ یہ ایمان اور اخلاقی عمل کے قوانین سے ساتھ ربط وضبط رکھ کر چلے۔ زیادہ واضح طور پر کہا جاسکتا ہے کہ انسانی حیاتیات ایک حیران کن کمپیوٹری نظام ہے اور اس نظام کے پروگرام کے بنیادی اصول، ایمان اور اخلاق سے مطابقت رکھتے ہیں۔

جب ایک انسان کے ملحدانہ جذبات، خوف کی بنیاد پر پیدا ہونے والی نفرت اور لالچ سے بھر جاتے ہیں تو وہ اپنے اس انتہائی اہم نظام کو بالکل الٹا پیچھے کی طرف ریورس گیئر (REVERSE GEAR) میں چلانا شروع کردیتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو سورۃ العصر کی دوسری آیت مبارکہ ہمیں بتارہی ہے۔ ہمارا عظیم خالق ہمیں یہ بتارہا ہے کہ "اے انسانو! میں نے تمہیں اس طرح پروگرام کیا ہے کہ تم میں ایمان اور دیگر خوبیاں ہوں۔ لیکن اگر تم اس کے برخلاف عمل کرتے ہو تو پھر تم خسارے میں ہو۔" اس خالق نے ہارمون

پیدا کرنے والے غدوددوں کے نظام کو ایسا کمپیوٹری نظام عطا کیا ہے جو ہائیپو تھلمس سے لے کر پیچوٹری کی شاخ (STEM) اور ان کی جھلی کی صورت میں ایک طرح کے سرکٹ کا حامل ہے۔ چنانچہ اگر ہم اپنی زندگی رب العظیم سے محبت اور اس پر بھروسے کے جذبات کے ساتھ گزاریں تو یہ سرکٹ صحت مندانہ طریقے پر کام کریں گے۔ خون کی شریانیں کھلی اور صاف رہیں گی۔ اعضاء اور پٹھوں کو ان کی پوری خوراک ملتی رہے گی۔ جسم کا حفاظتی نظام (IMMUNE SYSTEM) پوری تندہی سے چلتا رہے گا۔ اور اعصابی نظام سکون اور خوشی کے ذریعے مکمل ہم آہنگی کا مظہر ہو گا۔

لیکن اس کے برعکس اگر آپ مختلف قسم کے خوف، پریشانیوں، نفرت اور لالچ میں مبتلا ہیں تو آپ انتہائی بد قسمت ہیں۔ اور آپ خسارے میں ہیں نہ تو شراب نہ ہی ہیروئن نہ ہی بے لگام جذبات، نہ ہی کوئی اور پاگل پن آپ کو اس بے یقینی اور مصیبت سے نکال سکتا ہے جس میں آپ گرفتار ہیں۔

انسانی حیاتیات لادینی کے انتشار کو رد کر دیتی ہے۔ اور قرآن میں جس کی آیات کے حسن کی حد کو کوئی بھی پوری طرح یا مکمل طور پر نہیں دیکھ سکتا، اس رب نے چودہ صدیاں قبل ہی ایسا عظیم پیغام عطا کیا ہے کہ جو تصور سے بھی باہر ہے۔ کفر اور لادینی ہی خسارہ ہے۔ اور ایک اندھی گلی کا راستہ ہے۔ ایمان کی طرف آیئے، خوبی (اچھے اعمال) کی طرف آیئے۔ اور اس طرح صبرو سکون کا راستہ یقیناً مل جائے گا۔

"اے انسان! تو خسارے میں ہے۔ تو بند گلی کے اندھیرے میں بھٹک رہا ہے۔ اس کا علاج ایمان، اخلاق اور سچ پر عمل اور توکل ہے۔

کیا ہی خوب ہوتا کہ سکون دل اور دل بستگی کا سامان کسی دوا کی دکان سے مل جاتا جہاں اس کو خریدنے کے لئے لوگ جوق در جوق جاتے۔ لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ اس کا نسخہ اور اس کی دوا صرف اور صرف اسلام ہی کے دواخانے میں ہے۔

جو کوئی بھی اس کا احساس کرے گا کہ وہ محرومی کی آگ میں جل رہا ہے اور اسے کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی، تو وہ ایک دن اس علاج یعنی اسلام کی طرف ضرور رجوع کرے گا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اسلام کے دواخانے میں موجود ہوتے ہوئے بھی ہم میں سے بہت سارے لوگ علاج کے لئے کسی اور طرف کا رخ کر لیتے ہیں۔

موضوع نمبر 35

کائنات کا محور، تبدل، اور عمل ورد عمل

THE AXIS OF THE UNIVERSE, TRANSFORMATION AND RECIPROCITY

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ﴿۱۱﴾

(الطّارق (۸۶) آیت ۱۱)

ترجمہ : "قسم ہے ہٹتے بڑھتے چلنے والے آسمان کی (عمل ورد عمل والے آسمان کی"

BY THE RECIPROCATIONG HEAVEN.....

CHAAPTER 86 (TAREQ), VERSE 11

قرآن میں سورۃ الطارق بھی تفسیر کے لحاظ سے انتہائی مشکل سورتوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ آیات نمبر13 اور نمبر14 میں اعلان کیا گیا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا آخری اور فیصلہ کن کلام ہے اور یہ اس لئے نہیں ہے کہ نا اہل لوگ اس کی تشریحات کریں۔ آیت نمبر13 میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ ایک چچی تلی (محکم) بات ہے، تو یہ سورۃ الطارق کو خاص اہمیت دینے والا کلام ہے جس کی ہر ایک آیت مقدسہ عظیم سائنسی سچائیوں کو بیان کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مفسرین نے یہ مناسب سمجھا کہ ان آیات کی تشریح اس زمانے کی سائنس سے ربط جوڑے بغیر کی جائے یہ ایک صحیح طریقہ تھا۔ مگر بعد کی صدیوں میں اس احتیاط کو نظرانداز کردیا گیا۔

پہلا سائنسی پیغام جو یہ سورۃ دیتی ہے وہ خود لفظ "الطارق" ہے۔ شروع کے زمانوں میں اس کا معنی طارق ستارہ نہیں تھا۔ لیکن بعد کے مفسروں نے الطارق کے معنی بہت سے چمکدار ستارے کئے۔ بہرحال اس سورۃ کی آیات نمبر2 اور 3 صاف ظاہر کرتی ہیں کہ طارق ستارہ قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔

موجودہ دور کے سماوی طبعیات (اسٹروفزکس) کے تحت دریافتوں کو مدنظر رکھ کر یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ طارق کے معنی کوثر یا نیم نجمی ریڈیائی منابع، یعنی زائد کہکشانی منابع لئے جائیں جو کہکشاؤں کی نسبت لاکھوں گنا زیادہ روشنی خارج کرتے ہیں۔ ایک اور نقطۂ نظر سے، یہ پانچویں یا چھٹے آسمان کی مقرر کردہ فضاؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک کوثر (QUASAR) کہکشاؤں کے لئے ایک بیجوں والی کیاری کا کام سرانجام دیتی ہے۔ اور یہ اربوں کی تعداد کی حامل مزید کہکشاؤں کو جنم دیتی ہے۔

صرف پچیس سال قبل تک آسمانوں اور کائنات کے بارے میں علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ سماوی طبعیات کے وہ ماہرین جو الحاد میں مبتلا تھے اپنے تئیں ان خوش کن تصورات میں مبتلا تھے کہ کائنات محض ان دیو ہیکل ستاروں کے گچھوں کی صورت تھی جس کی وسعت میں یہ سب بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے نزدیک ایک مخصوص سائز کے سیارے اپنے اپنے سورجوں کے اردگرد طواف کرتے تھے اور جب ان سورجوں کی توانائیاں معدوم ہوجاتی تھیں یا خرچ ہوجاتی تھیں' تو یہ بھی لامکاں میں روپوش ہوجاتے تھے۔ کائنات کے متعلق جدید نظریات اس وقت پیدا ہوئے' جب کوثرز (کواسرز) اور کائناتی سیاہ شگافوں کی دریافتیں ہوئیں۔ سیاہ شگافوں کے متعلق موضوع پر میں نے اس کتاب کے شروع (موضوع نمبر2 میں) کسی حد تک تفصیلی بحث کی ہے۔

اسٹروفزکس کے ماہرین کے علم کے مطابق کائنات کے سلسلے میں نظریات یا قوانین کے چار اہم گروپ ہیں۔

1- ثقلی کشش (CENTRIPETAL) اور مرکز گریز (CENTRIFUGAL) قوتوں کے درمیان عمل اور رد عمل (RECIPROCITY) یعنی شدید قسم کے ثقلی میدانوں کی موجودگی کے باوجود سیاروں اور' دوسری اشیاء (مخلوقات) کے وجود کا طواف کرتی ہوئی حرکت کے ذریعے تحفظ مہیا ہونا یہ عمل اور رد عمل کا سلسلہ ہر لمحہ کشش ثقل کے ذریعے توازن کی حالت میں رہتا ہے۔

2- سیاہ شگافوں اور کوثرز کے درمیان عمل اور رد عمل کا سلسلہ ایک مرتا ہوا یا معدوم ہوتا ہوا استارہ کشش ثقل کی اس اکائی میں تبدیل ہوجاتا ہے جس سے کوئی چیز بچ نہیں سکتی۔ اور مادہ اور توانائی جو اس کے اندر گرجاتے ہیں ان کو کائنات میں ایک اور جگہ پہنچا دیا جاتا ہے' جہاں سیاہ شگاف 'کو سموس (فضائے بسیط کیڑے کے سوراخ (WORM HOLE) جیسے عمل کے ذریعے اپنے آپ کو سفید شگاف (WHITE HOLE) کے روپ میں دھار لیتا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ سفید شگاف ہی ہوتے ہیں جو کوثرز کی حقیقی طور پر وسیع توانائیوں کا جواز پیش کرتے ہیں اور یہ کوثرز اپنی باری پر نئی کہکشاؤں کو وجود میں لاتی ہیں۔

3- مقناطیسی صلاحیت یا کوانٹم فیلڈ (QUANTUM FIELD) جو سماوی فزکس میں مظاہر قدرت کو ان کے اصلی رنگ میں ظاہر کرتی ہے۔

4- کائنات کا ایک نامعلوم مرکز شعاع' فوکس (FOCUS) یا محور سے شروع ہو کر مرکز سے باہر کی طرف کا پھیلاؤ۔

میں نے بنیادی سماوی حقائق، متعدد آیات کی تشریح کے سلسلے میں اس سے قبل بھی بیان کئے ہیں۔اب میں سورۃ الطارق کی آیت نمبر۱۱ کے اسرار کی طرف آتا ہوں۔ "قسم ہے عمل و رد عمل (ہٹتے بڑھتے) آسمان کی۔"

یہ آیت اس پر زور دیتی ہے کہ آسمان میں عمل و رد عمل کا سلسلہ ہے۔ یہ عمل و رد عمل جسے RECIPROCITY کہتے ہیں، اصل میں کیا اعجوبہ ہے؟

عمل و رد عمل کا فعل دو متعلقہ مگر مخالف واقعات میں ہر ایک کے اپنے اندر ہونے والے محوری یا دوری تبدیلی کا واقع ہونا ہے۔ اس کی مثالیں کچھ اس طرح ہو سکتی ہیں۔ جیسے ایک نکتے یا مقام تک رسائی اور پھر اس سے واپسی۔ ایک بیماری کا دوبارہ ہو جانا۔ کسی مخلوق کا فنا ہو جانا اور پھر وجود میں آجانا یا کسی جسمیہ (جاندار) کی موت اور اس کی حیات نو، یہ سب عمل و رد عمل کے واقعات ہیں۔

یہ تو عیاں ہے کہ آسمانوں میں عمل و رد عمل (RECIPROCITY) کے عقدے کا حل سورۃ الطارق میں پنہاں ہے۔ دراصل کوثرز (کوسرز) ہی اس عمل و رد عمل کے فعل کا مظہر ہیں۔ فضائے بسیط کی گہرائی میں بہت سے ستارے سیاہ شگافوں میں فنا ہو جاتے ہیں۔ جبکہ کوا ثرز نئی کہکشاؤں کو جنم دیتی ہیں۔ یہ عمل و رد عمل کا فعل وقت کے اس عرصہ میں وقوع پذیر ہوتا ہے جس کا اندازہ اربوں سالوں پر محیط ہے اسی کی وجہ ہے کہ آسمان، عمل و رد عمل کے فعل میں ہیں۔ تخلیق، دوسرے قالب میں ڈھل جانا اور انجام کار تباہی سے ہمکنار ہو جانا، ایک ایسا سلسلہ ہے جو کائنات میں بغیر کسی وقفے کے جاری ہے۔

ایک اور بھی کم سمجھ میں آنے والا پہلو آسمان یعنی فضائے بسیط میں کائنات کے پھیلتے چلے جانے کا عمل ہے۔ مگر چونکہ سائنس نے ابھی تک اس معاملے میں کوئی حتمی بات نہیں کی ہے ہم بھی اس کی پیمائش جسامت کے متعلق مزید بحث یا خیال آرائی کو اس مقام پر ہی ملتوی کرتے ہیں۔ ایک اور تشریح اس طرح سے بھی کی جاتی ہے کہ اللہ کا کرم اور شفقت زمین کی طرف اترتی ہے جبکہ اللہ کے لئے تعریف اور شکر اوپر آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی اس وقت ہمارے موضوع سے باہر ہے۔

اس موقع پر میں ایک اہم نکتے کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ سماوی طبعیات کے علم (اسٹروفزکس) میں کائنات (COSMOS) اور فضائے بسیط (SPACE) کی اصطلاحیں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف قرآن میں لفظ آسمان ہمیشہ سماوی طبعیات کے سلسلے ہی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ ہے۔

جدید علم طبعیات چونکہ کائنات سے متعلق تمام تحقیقات، چار جہتوں ہی کے سیاق و سباق میں کرتی

ہے۔ اور اس علم میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ کائنات صرف مادہ ہی سے بنی ہوئی ہے۔ اور تمام دنیاؤں کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھتی ہے۔ اس کے برخلاف قرآن دنیاؤں کا نظارہ لاتعداد جہتوں سے کرتا ہے۔ جہاں یہ دنیائیں وہ مکمل نظام ہوتی ہیں جن کی اصل مضبوطی ان معلوم چار جہتوں کے علاوہ کئی اور جہتوں کے ذریعے سے بھی ہوتی ہے۔ اب وہ کائناتیں جنہیں ہم آسمان یا فضائے بسیط بھی کہہ سکتے ہیں ایک طرح کی پٹیوں کے آسمانی نظام سے بنی ہوتی ہیں۔ جہاں مقناطیسی قوتیں اپنا کام کررہی ہوتی ہیں۔ اور جہاں فزکس اور جیومیٹری کے اصول صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ صرف اس نازک فرق کو واضح کرنے کے لئے قرآن میں سائنس سے متعلق تمام آیات میں لفظ آسمان ہی استعمال ہوا ہے۔ مگر قرآن اپنی پہلی ہی آیت سے لیکر ہمیں دنیاؤں کا ذکر ان کی عظمت اور ان کی ان گنت خوبیوں اور صلاحیتوں سمیت کرتا ہے کہ "سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائناتوں کا رب ہے۔"

جیسا کہ اس سے پہلے میں نے موضوع نمبر21 میں بیان کیا ہے آسمانوں کی تخلیق اس جیومیٹری اور مادی نظام سے ہوئی ہے جو سات مقناطیسی پٹیوں پر مشتمل ہے اور درحقیقت جنت کا تصور ان آسمانوں کے نظام کے اندر نہیں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کو ایک ایسی دنیا تصور کیا گیا ہے جس کی پیمائش جسامت (DIMENSIONS) بالکل ہی الگ قسم کی ہیں۔ میں اس مضمون کی طرف آئندہ آنے والے جنت کے موضوع میں آؤں گا۔

دوسری دنیاؤں اور ان کی پیمائش جسامت کا سمجھنا واقعی بہت مشکل ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اگر ہم ایک ایٹم کے اندر رہ رہے ہوتے تو ہم یہ خیال کرتے کہ شاید فضائے بسیط صرف اس کی اپنی توانائی کے مدار تک ہی محدود ہے اور یہ کہ ساری وسعت اس بیحد چھوٹی سی دنیا ہی میں محیط ہے۔ چنانچہ ہم سورج کے متعلق تفصیلات کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس دنیا میں جہاں ہماری ہستی اگر ایک سیکنڈ کے دس لاکھویں حصے کے برابر وقت کی ہوتی تو ہم دنوں اور سالوں کو کس طرح سمجھ سکتے؟ آسمانوں اور دوسری جسامت کی پیمائشوں (DIMENSIONS) کہ جنہیں ہم ابھی تک بیان کرنے کی حیثیت میں نہیں ہیں کے درمیان عمل ورد عمل (ریسی پروسٹی) بھی اسی طرح ایک سربستہ راز تھے۔

سائنس کو یہ ایک نیا راز بتادیا گیا ہے کہ کائنات میں وقت ہر جگہ ایک ہی رفتار سے نہیں گزرتا۔ ہم نے یہ حقیقت کائناتی شعاعوں کے شدید اتار چڑھاؤ اور ان کے خفیہ اور پیچیدہ سفر کے مطالعہ سے سمجھی ہے۔ اگرچہ زمین پر ان کے ناپائیدار بنیادی ذرات کے گروہ (PI MESONS) کی عمر ایک سیکنڈ کے ایک ارب حصے سے بھی کم ہوتی ہے مگر کائنات کے دوسرے حصوں میں وقت کی فراخی یا (DILATION) کی وجہ سے

ان کا وجود کئی نوں تک باقی رہ سکتا ہے۔ یہ ایک دوسرے نئے نظام کا اعجوبہ ہے۔ یعنی وقت کے بہاؤ (فلو) کے حساب سے آسمانوں کے درمیان بھی عمل و رد عمل کا فعل موجود ہے۔ چنانچہ یہ ہیں وہ عظیم طبیعاتی سچائیاں جن کو یہ آیت مقدسہ عمل رد عمل کے فعل کی صورت میں ظاہر کرتی ہے۔

براہ کرم آپ اس موضوع کی تشریح کے سلسلے میں ہمیں درپیش آنے والی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور اس امر کا مشاہدہ کریں کہ کس طرح انتہائی جدید اور ترقی یافتہ علم طبیعات (فزکس) کا علم بھی کتنی شدید مشکلات سے گزر کر اس کو سمجھتا اور بیان کرتا ہے۔ میرے چند دوستوں نے جنھوں نے اس تشریح کے مسودے کو اسی صورت میں پڑھا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ میں مزید طویل تشریح کے ذریعے اس کو زیادہ سادہ اور آسان بنادوں۔ مگر میرے لئے زیادہ سچائی اس بات میں ہے کہ قرآن کی فطری عظمت کا مشاہدہ ماہرانہ فزکس کی نظر سے ہی کیا جائے۔ اور نہ تو مجھے اور نہ ہی کسی اور شخص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس میں ذرا سی بھی کمی یا تخفیف کرے۔

موضوع نمبر 36

حیات بعد از موت کے موقع پر آسمانوں اور زمین میں مخلوق کی حالت

THE SITUATION OF THOSE IN THE HEAVENS AND ON EARTH AT THE RESURRECTION

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿٦٨﴾ الزمر ۳۹

"اور اس روز صور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ سوائے ان کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ اور یکایک سب کے سب اٹھ کر (ارد گرد) دیکھنے لگیں گے!" (الزمر آیتہ 68)

WHEN THE TRUMPET IS BLOWN. WHOEVER IS IN THE HEAVENS AND ON EARTH WILL DROP DEAD. EXCPET SUCH AS GOD WILLS. THEN WHEN IT IS BLOWN AGAIN, THEY SHALL STAND UP, LOOKING ABOUT.
CHAPTER 39 (THE CROWDS). VERSE 68

جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے حیات بعد از موت ایک ایسا واقعہ ہے جو پوری انسانیت کا مقدر ہے۔ اس آیت مقدسہ کا ایک دلچسپ پہلو وہ فقرہ ہے جس میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ پہلو صور پھونکنے کے وقت وہ بھی مر جائیں گے جو آسمان میں ہیں۔ تمام مسلمان، بلکہ سب اہل کتاب ایمان رکھتے اور جانتے ہیں کہ وہ تمام جو زمین پر ہیں پہلے صور کے پھونکنے پر مر جائیں گے اور دوسرے پر اٹھائے جائیں گے۔ مگر قیامت کے دن آسمان میں وہ کون ہوں گے جو پہلے مار دیئے جائیں گے اور بعد میں دوبارہ زندہ کر دیئے جائیں گے؟ اس آیت کی تشریح کے سلسلے میں میرا پہلا مقصد تو یہ ہے کہ میں اپنی سمجھ اور بصیرت کے مطابق اس سوال کا جواب

دینے کی کوشش کروں۔ اور دوسرے یہ کہ "خلائی مخلوق" کے اس تصور پر روشنی ڈال سکوں جو حالیہ سالوں میں پیدا ہوا ہے، جو دراصل ایک شرارت اور بگاڑ کو ظاہر کرتا ہے جس کا اصل مقصد اللہ کی مقدس کتابوں کے فرمانوں کو جھٹلانا ہے۔

یوم حساب یعنی حیات بعد الموت کے دن پہلے صور پھونکنے کو "صعق" کہا گیا ہے صعق سے مراد اس شدید آواز والا دھماکہ ہے جو ہر چیز کو مار ڈالے گا۔ اور یہ اس سائنسی حقیقت کو بیان کرتا ہے جس کی نقل کی کوشش جدید فزکس بھی کر رہی ہے۔ یہاں تک تو ثابت کرلیا گیا ہے کہ ایک خاص تعداد ارتعاش یعنی فریکونسی اور شدت کی حامل آواز کی لہریں جانداروں کو ہلاک کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

حیات بعد الموت پیمائش جسامت اور (قویٰ) کے پورے نظام کو تبدیل کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ صرف خالق مطلق کا عمل ہے کہ ہر معمول کی جگہ کو برابر کر دیتا ہے۔ مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ حیات بعد الموت کا یہ پہلو کس وقت معمولات کو بدل دے گا۔ قیامت اس وقت شروع ہوگی جبکہ فرشتہ اسرافیل صور پھونکے گا۔ چونکہ اس مضمون پر تفسیریں خاموش ہیں۔ اس کتاب میں جو کہ سائنسی حقائق سے متعلق ہے، ہم بھی اس مضمون پر بحث نہیں کریں گے۔

دوسرے صور کو "رادفتہ" کہا جاتا ہے یہ اس بصری تعداد ارتعاش (فریکونسی) کو ظاہر کرتی ہے جس کا اثر دوبارہ روح پھونکنے جیسا ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے اس صور کی نوعیت ابھی تک ناقابل فہم اور پوشیدہ ہے۔ دوبارہ زندہ کر دینے والی آوازوں کی خصوصیات اور نوعیت ابھی تک سائنس کے علم میں نہیں آسکی ہیں۔

یوم آخرت پر تمام جانداروں اور بالخصوص انسانوں کا دوبارہ جی اٹھنا' بلاشک ایک خدائی معجزہ ہے۔ مگر اس کی بھی کوئی وجہ تو ہوگی کہ یہ کام اسرافیل اور اس کے صور کے سپرد ہی کیوں کیا گیا ہے؟ اس کی مثال اس طرح ہے کہ تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایک خاص قسم کے کچھوے اپنے بچوں کی نشوونما اپنے انڈوں پر اپنی نظریں گاڑے رکھنے کے عمل سے کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے نکلنے والی شاعوں میں ان کی نشوونما اور پکانے کی خاصیت ہوتی ہے۔ ہمارے دوبارہ جی اٹھنے کی کنجی، دوسرے صور کی صوتی لہروں کے ذریعے مردہ جسم میں روح کی سچائی اور زندگی کے اسرار کی مدد سے دوبارہ جان ڈال دینے پر مشتمل ہے۔

یہ تو عیاں ہے کہ پہلے اور دوسرے صور پھونکنے کے درمیانی نامعلوم وقت کے وقفے کے دوران اللہ، مردہ جسم کے خلیوں (CELLS) کو حیات کا خاص راز عطا کرے گا۔ اور پہلے ہی سے تیار کردہ جسم کو پہلے سے مقررہ روح کے ذریعے، دوسرے صور پھونکنے پر دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ چونکہ مردہ جسم کے جینی کوڈ

(یا فار مولا) لوح محفوظ کے کمپیوٹری ٹیپ پر پہلے ہی سے ریکارڈ ہو چکے ہوتے ہیں اس لئے جسم کے دوبارہ زندگی حاصل کرنے اور گلنے سڑنے کے عمل سے اس کی آزادی، تقریباً" ایک ساتھ واقع ہو سکتے ہیں۔ اوپر کہی گئی بات کو ہم صاف طور پر سورۃ یٰسین کے آخری صفحہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ اللہ تمام کافروں اور ملحدوں کو اپنے اس فرمان سے مطلع کرتا ہے۔

"کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے۔ بے شک وہ ہے۔ (اس لئے کہ) وہ ماہر خلاق ہے اور سب جاننے والا ہے۔"

"وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا۔ اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔"

آیئے اب دوبارہ ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ وہ کون ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو دنیا کے خاتمہ پر مر جائیں گے۔ لیکن روز حساب پھر زندہ کئے جائیں گے۔

جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے اس وقفے میں موت شدید صوتی ارتعاش کے ذریعے اس وقت آئے گی جبکہ ابھی تک فضائے بسیط ختم نہ ہو چکی ہو گی۔ ان مرنے والی مخلوقات میں فرشتے شامل نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ تو دوسری ہی قسم کی فضاؤں کی مخلوق ہیں۔ اور اس کے علاوہ یوم حساب کے دن ان کو کئی قسم کے کام کرنے ہوں گے۔ اس آیت کا یہ بیان کہ وہ جو آسمانوں میں ہیں، ایک اہم بات ہے۔ اس لئے اگر اس میں صرف آسمان، ہی کہا گیا ہوتا تو اس کو صرف زمین سے قریب ترین آسمان ہی سمجھا جاتا۔

اس فرمان میں جن کے مقام کو پوری طرح ظاہر کیا گیا ہے آسمانوں میں تباہ ہو جانے والی مخلوق میں سے ایک مخلوق یقیناً" جن بھی ہوں گے۔ چونکہ قرآن میں جنوں اور انسانوں کو ہی مخاطب کیا گیا ہے، اس لئے آسمانوں میں تو جن ہی مر جائیں گے جن کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اور ان کو بھی اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا۔

مگر جہاں تک انسانوں سے متعلق معنی ہیں یہ حصہ صاف طور پر اس معجزاتی اسرار کا حامل ہے جس کو صرف ہمارے وقتوں ہی میں عیاں کیا گیا ہے۔ جب قرآن کا نزول ہوا تھا۔ اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ ایک دن انسان آسمانوں بلکہ فضائے بسیط میں پرواز کرے گا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کا یہ ایک اور معجزاتی پہلو ہے۔ اگر یہ فرمان نہ ہوتا تو کافر اور ملحد لوگ گستاخی کرتے ہوئے مسلمانوں کا مذاق اڑانے کی جسارت کرتے اور کہتے کہ "جب قیامت آئے گی ہم سب تو فضا میں ہوں گے۔" یہ آیت یوم آخرت کے نزدیک بلکہ ہمارے زمانے میں فضا کی فتح کی پیش گوئی کرتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ پھر ہم قرآن کی ہر آیت بلکہ ہر لفظ کی

معجزاتی دانائی کا نظارہ کر سکتے ہیں۔

جن

جن کا تصور تمام آسمانی مذاہب میں نظر آتا ہے بلکہ یہ توان مذاہب میں بھی ہے جو یا تو افراتفری کا شکار ہیں اور یا جن کی شکلیں بگاڑ دی گئی ہیں۔ جن وہ مخلوق ہے جن کی تخلیق ایک دکھائی نہ دینے والی توانائی سے ہوئی ہے مگران میں عقل و فہم ہے ان کی ارتعاشی رفتار، جو 3000000 کلومیٹر فی سیکنڈ سے زیادہ ہے، اس بات کو ناممکن بنادیتی ہے کہ وہ کسی بھی پیمانے سے دیکھے یا محسوس کیئے جا سکیں۔ اس نظریئے کو کسی قدر سمجھنے کے لئے یہ کافی ہوگا کہ ہم عام مادے کی خصوصیات کو تصور میں رکھیں۔

ہر عام مادہ اور اسی طرح کی اشیاء، بنیادی عنصر ذرات (ELEMENTARY PARTICLE) سے بنتی ہیں۔ ان تمام کی رفتار روشنی کی رفتار سے کم ہوتی ہے۔ جب یہ چیزیں فضا میں ایک دوسرے کی نسبت سے جیومیٹری (ہندسی) حرکت حاصل کرتی ہیں۔ تو مختلف اشیاء کا وجود بن جاتا ہے۔ مگران اشیاء کی قوت مزاحمت حدت (HEAT) کے سامنے کم ہوتی ہے۔ اگرچہ ایک تنہا ذرہ حدت کو برداشت کرسکتا ہے لیکن فضا میں وہ نظام جوان ذروں کے تانے بانے سے بنا ہوتا ہے شدید قسم کی حدت میں بکھر کر غائب ہو جاتا ہے۔ ان کی جسمانی خصوصیات ختم ہو جاتی ہیں اور 5000 ڈگری سینٹی گریڈ پر ہی وہ انفرادی ایٹموں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور سماوی نقطۂ نظر سے جن کا وجود نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے کائنات میں ایک سوارب ستارے ہیں اور ان میں سے ہر دس لاکھ میں سے ایک کے اندر شاید درجہ حرارت ایک لاکھ یا شاید دس لاکھ ڈگری سے کم ہوگا۔

اللہ نے یقیناً "ستاروں پر یا ستاروں کے قریب بہت سی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ مگران کو زندہ رہنے کے لئے کس قسم کی خصوصیات کا حامل ہونا چاہئے؟ اس سوال کا جو عقلی یا استدلالی جواب ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کائنات میں رہنے والی ہستیوں کا وجود توانائی کا حامل (ENERGETIC) ہی ہونا چاہئے نہ کہ وہ مادی ہو اور جسے چھوا جا سکے۔ دوسرے لفظوں میں ان کا نظام، توانائی کی اکائیوں یعنی توانائی کی واضح اکائیوں یا کوانٹا (QUANTA) سے بنا ہوا ہونا چاہیئے اور یہ نظام ایسی توانائیوں سے بنایا گیا ہو جس پر انتہائی شدید ٹمپریچر (حدت) کا بھی کوئی اثر نہ ہو۔ یہ بالکل جائز بات ہوگی اگر اس سلسلے میں یہ توقع کی جائے کہ ایسے نظاموں میں ایسی مخلوق بھی ہوگی جو حساس اور باشعور ہوگی۔

قرآن کی متعدد آیات کی تشریحات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آسمانوں میں بھی مخلوقات کا وجود ہے۔ ان میں

سے زیادہ تر اللہ کی وہ تابعدار مخلوق ہے جو جن کے زمرے میں آتی ہے۔ قرآنی آیات یہ بھی بتاتی ہیں کہ آسمانوں میں اللہ کی مخلوقات اس کی عبادت کرتی ہیں اور اس کے اسم پاک کا ذکر بھی کرتی ہیں۔

چونکہ سائنس اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے کہ کائنات میں تمام ستارے شدید قسم کی حدت کے مراکز ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ ان پر رہنے یا بسنے کے لئے ایسے مختلف نظام ہونے چاہئیں جو توانائی کی اکائیوں یا کوانٹا سے بنے ہوں۔ یعنی جنات۔ آج کل تو لادین ملحد لوگ بھی یہ کہتے ہیں کہ کائنات میں کسی قسم کی غیر ارضی مخلوق کا وجود ضرور ہوگا۔ یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ مخلوقات انسانی جسم کی صورت میں نہیں ہوں گی، یقیناً" کائنات میں کئی ایک ایسے سیارے بھی ہوں گے جہاں مادی وجود رکھنے والی مخلوق کی زندگی ممکن ہو سکتی ہے۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ کائنات میں مجموعی طور پر ایسی مخلوق بہت زیادہ ہوگی، جو توانائی کی اکائیوں پر مشتمل ہوگی۔ کائنات میں فاصلے اس قدر وسیع اور زیادہ ہیں کہ صرف خالص توانائی کے وجود والی مخلوق ہی اس قابل ہو سکتی ہے کہ ایک ستارے یا سیارے سے دوسرے ستارے یا سیارے تک سفر کر سکے۔

ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کائنات میں ذی شعور زندگی کے وجود پر بحث مباحثہ کریں۔ بہر حال اوپر کی بحث سے تین نکتے سامنے آتے ہیں۔ یہ سب کے سب اہل ایمان کے لئے انتہائی اہم ہیں۔

(ا) جنات کا وجود ہے اور کائنات میں زندگی کے بنیادی وجود کے لحاظ سے، عام طور پر یہی زندہ مخلوق وہاں رہتی ہے۔ آسمانوں میں بسنے والی مخلوقات کی یہ اکثریت غیر مادی اور توانائی سے تشکیل شدہ ہے۔

(2) فضا میں انسان یا انسان سے ملتی جلتی کسی مخلوق کا ہونا تقریباً" ناممکن ہے۔ اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی اور کہکشاں میں، ہماری زمین کی طرح کی خصوصیات رکھنے والا کوئی اور سیارہ موجود بھی ہے۔ مگر یہ تو غلط بات ہوگی کہ اڑن طشتری جیسی فرضی اور خیالی چیزوں کا وجود گھڑ لیا جائے اس لئے کہ اس میں تو اربوں نوری سالوں کے فاصلے ہیں۔ تب کہیں جا کر وہ، ہماری زمین پر یا اس کے نزدیک پہنچ سکتی ہیں۔ یہ فرضی کہانیاں دراصل لادین ملحد لوگوں کے ذہنوں کی اختراع ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ آسمانی کتابوں میں لوگوں کے ایمان کو تباہ کریں۔ اور اس کی جگہ اس نظریہ ارتقاء کو لے آئیں جس کے جھوٹ کا حقیر بلبلہ ابھی ابھی ہی پھٹا ہے۔

(3) اس آیت کے ان الفاظ "اور وہ سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں" سے جو تصور ابھرتا ہے وہ جن یا ان سے ملتی جلتی کسی مخلوق کے وجود کا ہی ہے۔ چنانچہ دوسری آیت کریمہ، دو معجزاتی صفات کی نشاندہی کرتی ہے۔

(i) یہ کہ آخرت یا حیات بعد الموت کے نزدیک انسان فضائے بسیط کو مسخر کرلے گا۔

(ii) یہ کہ آسمانوں میں وہ ذی حس مخلوق جو توانائی سے بنی ہے' ایک طرح سے جنات ہی ہیں۔
مگر توانائی سے تشکیل شدہ اس مخلوق سے علیحدہ' فرشتوں کا وجود بھی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ فرشتوں کے متعلق اس طرح سمجھا جائے کہ یہ وہ مخلوق ہیں جو پانچویں یا چھٹی جہت یا پیائش جسامت (ڈائی منشن) میں وجود رکھتی ہیں۔ اگرچہ ان کا وجود دوسری قسم کی جہت میں ہے لیکن ان کا یہ وجود مادی کائنات کی فضا میں بھی اچانک ظہور پذیر یا منعکس ہو سکتا ہے۔ اس موضوع پر میں نے اس سے قبل کے موضوع نمبر 29 میں بھی اشارہ کیا ہے۔
بہر حال' آج کے دور کی سائنس کے لئے فرشتوں اور جنوں سے متعلق ہر دو موضوع بے موسے یا قبل از وقت ہیں۔ آنے والے سالوں میں امید ہے کہ میں مزید تفصیلات بیان کر سکوں گا۔

موضوع نمبر 37

زندگی اور موت کی تبدیلی ہیت (کایا پلٹ)

TRANSFORMATION OF LIFE AND DEATH

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾

الروم ۳۰

"ترجمہ : وہ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے۔ اور مردے کو زندہ میں سے نکال لاتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اسی طرح تم لوگ بھی (حالت موت سے) نکال لیئے جاؤ گے۔"

الروم 30 آیتہ 19

HE BRINGS FORTH THE LIVING FROM THE DEAD. AND BRINGS FORTH THE DEAD FROM THE LIVING; AND HE REVIVES THE EARTH AFTER IT IS DEAD; EVEN SO SHALL YOU BE BROUGHT FORTH.

CHAPTER 30 (THE ROMANS), VERSE : 19

قرآن میں بہت سی اور آیات ایسی بھی ہیں جو اس آیت سے ملتی جلتی سی ہیں۔ لیکن ہم اس کی تشریح بطور خاص کریں گے۔ اس سلئے کہ وہ لوگ جو حیات بعد الموت پر یقین نہیں رکھتے اس میں دیئے گئے انتہائی اہم سائنسی پیغامات کو دیکھ سکیں۔ یہ دیکھا جائے گا کہ بطور خاص اس آیت کی ابتداء ان الفاظ سے ہو رہی ہے۔ "وہ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے۔" اگر اس کی ابتداء اس کے فوراً "بعد آنے والے فقرہ سے ہوتی تو ہمیں یہ عام قسم کے حیاتیاتی مظہر قدرت کا بیان نظر آتا۔

مفسرین کی اکثریت نے اس آیت کے مجازی معنی لئے ہیں اور کفر کو موت سے اور ایمان کو زندگی سے تشبیہ دی ہے۔ یہ بھی قابل عزت خیالات ہیں۔ لیکن ان واقعات کو اگر آیت کے آخری حصہ میں دیئے گئے حیات بعد الموت اور یوم حساب کے بیان کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ اس کے پہلے اور اصلی معنی سائنسی اور حیاتیاتی پہلو کے حامل ہیں۔

آیئے اب ہم ان حیاتیاتی عجائب کا شمار کریں جہاں زندہ مردے سے نکلتا ہے۔

۱- کچھ جسمیئے (مخلوق) اسی لمحے مرجاتے ہیں جب وہ بچے کو جنتے ہیں۔ اس مخلوق کی یہ نہ بدلنے والی قسمت ہے۔ مثلاً۔

(الف) سانپ نما بام مچھلی دریاؤں کے ڈیلٹا میں پائی جاتی ہے۔ یعنی ان علاقوں میں جہاں دریا، سمندر میں گرتے ہیں۔ ایک قسم کی بام مچھلی، خلیج میکسیکو میں طویل سفر کر کے انڈے دینے کی جگہ تک پہنچتی ہے۔ اور بچوں کی پیدائش سے پہلے ہی مرجاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے وہ بچے مردہ سے نکلتے ہیں۔ ذہن کو چکرا دینے والی بات ہے کہ یہی بچے بحراوقیانوس میں اس ڈیلٹا تک پہنچتے ہیں۔ جہاں سے ان کی ماں آئی تھی۔ یہ اسی جگہ رہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس میں دس ہزار کلومیٹر کا فاصلہ پڑتا ہے۔ قدرت کے اس عظیم راز کی کہانی ابھی حال ہی میں دریافت ہوئی ہے۔ جو کھلے ذہن کے ماہرین حیاتیات کو ایمان لانے پر مجبور کرتی ہے۔

(ب) مکڑیوں اور تتلیوں کی کچھ اقسام انڈے دینے سے چند سیکنڈ قبل ہی مرجاتی ہیں۔ مکڑیوں کی کچھ اقسام ایسی بھی ہیں جن میں مادہ مکڑی، نر مکڑی کو جوڑا کرنے (ہم بستری) کے عمل کے دوران ہی مار ڈالتی ہے۔ اور نر کا مادہ منویہ اس کی موت کے بعد ہی مادہ مکڑی کے اندر بہہ کر داخل ہوتا ہے۔

(ج) انسانوں میں بھی کئی دفعہ ایک بچہ اپنی ماں کی موت کے چوبیس گھنٹے بعد تک بھی پیدا ہوا ہے۔ بلکہ ماں کی موت کے چند گھنٹوں کے بعد بچوں کی پیدائش کے واقعات تو خاصی بڑی تعداد میں ہیں۔

(2) وہ جو مردہ حالت سے واپس آتے ہیں۔ پچھلے دس سالوں میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ان ہزاروں لوگوں پر بہت دلچسپ اور سنجیدہ تحقیقات کی گئی ہیں جو طب کے اصولوں کے تحت مردہ قرار دے دیئے گئے تھے۔ مگر بعد میں وہ زندگی میں لوٹ آئے۔ ان تحقیقات کا مختصر خلاصہ جو روح کے وجود کا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں، درج ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

امریکہ میں مختلف یونیورسٹیوں میں علیحدہ علیحدہ قسم کے تجربات کیے گئے ہیں۔ ماہر نفسیات ریمنڈ موڈی (MOODY) نے ایسے بچانوے افراد کے تجربات قلم بند کئے ہیں جن کو ان کی موت سے زندگی میں دوبارہ واپس آنے کا موقع ملا تھا۔ امریکہ کے مختلف حصوں کے ان لوگوں کے وہ تجربات جو انہیں اس وقت ہوئے جب ان کے دلوں کی کوئی دھڑکن ریکارڈ نہیں ہو سکتی تھی، ہمیشہ ایک جیسے ہی نکلے۔ یعنی وہ لامحدود فضائے بسیط میں ایک دمکتی ہوئی لافانیت (RADIANT IMMORTALITY) تھی کنکٹی کٹ یونیورسٹی کے پروفیسر کینتھ رنگ کی تحقیقات نے بھی اسی قسم کے نتائج ظاہر کئے ہیں۔ کچھ سائنس دانوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس قسم کے نتائج اس لئے ملے ہیں کہ متعلقہ اشخاص کی زندگی کا پس منظر

عیسائیت سے اثر پذیر تھا۔ مگر جب کارلس اوسس (OSIS) نے اپنی ویت نام اور ہندوستان کی تحقیقات سے بھی یہی نتائج اخذ کیے تو پھر تو ان کو بھی معتبر سائنسی مطبوعات میں شائع کیا گیا۔ ڈاکٹر فریڈ سکونس (FRED SCHOONIS) نے ایسے لوگوں کے ای۔ سی۔ جی (ELECTROCRADIOGRAMS) کا بغور اور متواتر مطالعہ کیا۔ اور ریکارڈ کرنے والی مشینوں اور آلات کی مدد سے ان کی موت اور پھر زندگی میں ان کی دوبارہ واپسی کی مثالیں اکٹھا کیں۔ چنانچہ یہ بات علم میں آئی کہ جب ان مریضوں نے ایک مخصوص وقت کے متعلق یہ یاد کیا کہ ان کی موت واقع نہیں ہوئی تھی تو عین اسی وقت کے دوران ہی ان کے دلوں کی دھڑکنیں رکی ہوئی پائی گئی تھیں۔

یقیناً" یہ ایک ایسا حتمی پیغام ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسانوں کی روح کی موجودگی کے متعلق یاددہانی کرانا چاہتا ہے۔

3- اس آیت مقدسہ سے سب سے اہم معانی جو اخذ کئے جاسکتے ہیں وہ بلا کسی شبہ مردہ زمین میں سے جسمیہ (ORGANISM) کا نکلنا ہے۔ اس عظیم حقیقت کے بارے میں، میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں۔ یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ (DNA) کے باریک ترین ذرے کی بنیاد پر زندگی کا وجود میں آنا حقیقتاً" اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم معجزہ ہے۔ وہ عجوبہ جو آج کے کٹر سے کٹر ملحدوں کو بھی حیرت میں ڈال دیتا ہے وہ زمین میں سے پہلے زندہ (ڈی این اے) کی تشکیل ہے۔ چنانچہ بے جان زمین سے پہلے زندہ جسمیہ (مخلوق) کے نکلنے کا یہی عمل ہے۔

زمین پر گرے ہوئے ایک گلاب کے پھول سے ایک کیڑے یا تتلی کی حیات نو کی حقیقت اس فرمان کے رموز کی حامل ہے کہ وہ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے۔ جن لوگوں نے علم حیاتیات کا مطالعہ کیا ہے ان کے لئے آیت کریمہ کا یہ فرمان ایک سچا معجزہ ہے۔ ایک مرنے والا جسمیہ اپنے جسم کے تمام ذرے (مالیکیول) مٹی کی لیبارٹری کے سپرد کردیتا ہے۔ درحقیقت آیت کے دوسرے حصے کے معنی بھی یہیں سے مل جاتے ہیں۔ ایک جسمیہ اپنے جسم کے ذروں کو ریزہ ریزہ کرکے، ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی شکل میں چھوڑ دیتا ہے۔ یہ ایک طرح سے زندہ میں سے مردے کا نکلنا ہے۔ اس نکتہ پر ہم بعد میں دوبارہ آئیں گے۔

اس سلسلے میں ہم نے لاوا کے غار میں جس کیڑے کی مثال موضوع نمبر 32 میں دیکھی تھی۔ وہ بھی مردہ میں سے زندہ کو نکالنے کا ناقابل تردید ثبوت پیش کرتی ہے۔ 3000 ڈگری کی حدت سے بنی ہوئی اس غار میں

اگر کوئی نامیاتی باقیات (یعنی (ORGANIC RAMNANTS) نہ بھی ہوں، وہاں بھی ڈیڑھ سے دو میٹر لمبے عجوبے قسم کے کیڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح پانی سے زندگی کا پیدا ہونا بھی بجائے خود ایک اہم مثال ہے کہ کس طرح مردہ میں سے زندہ نکلتا ہے۔

4- قرآن کی آیات میں اللہ نے جو اکثر مقام پر یہ اعلان کیا ہے کہ "ہم زندہ کو مردہ سے نکالتے ہیں" وہ اپنے اندر ملحدوں کے لیے ایک انتہائی سنجیدہ جواب رکھتا ہے اسلیئے کہ ملحد لوگ ہمیشہ یہ کہتے ہیں کہ "زندگی تو صرف زندگی ہی سے نکلتی ہے۔" اوپر کی مثالیں صاف صاف بتاتی ہیں کہ یہ لوگ کس قدر غلطی پر ہیں۔

اس موقع پر میں ایک اہم نکتہ کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ ہر جسمیہ کے نمائندہ جینی کوڈ اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ ایک طرح سے سکونی حالت میں (STATIC) ہوتے ہیں۔ بلکہ بغیر زندگی کے ہوتے ہیں جب تک کہ ان کو حرکت پذیر ہونے کا حکم نہیں مل جاتا۔ درحقیقت بہت سے باریک ترین جرثومے (مائیکروب) اور وائرس ایک بے جان مردہ حالت میں ایسے چلے جاتے ہیں جیسے جمے ہوئے بلور ہوتے ہیں۔ اور یہ اس وقت تک اسی حالت میں رہتے ہیں جب تک حفاظتی دیوار کے حامل انتہائی چھوٹے اور ایک سیل کے حامل خلیوں (SPORES) اور اندرونی خوردبینی ڈھانچے کو پانی نہیں مل جاتا۔ انسانوں میں بھی اسی قسم کی چیزوں کا مشاہدہ ملتا ہے۔ اگرچہ ہر خلیہ مثلاً بیرونی جلد کی تہہ والا خلیہ (EPIDERMAL CELLS) ایک مکمل انسان کے جینی کوڈ کا حامل ہوتا ہے۔ یہ خلیئے خود اپنے طور کبھی بھی ایک انسان کی تشکیل نہیں کر سکتے کیونکہ سوائے ایک حصہ کے دیگر پورا کوڈ چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ کتابی علم کی نظر میں سکونی تاریں (STATIC WIRING) جیسی بات ہے۔ دوسری طرف جرثوموں (مائیکروب) کے حفاظتی دیوار والے خلیوں میں اور کرسٹل (بلور) کی شکل کے وائرس میں زندگی کی لہر کا دوڑ جانا ایسا ہی ہے۔ جیسے مردہ سے زندہ کا نکلنا ہے۔

نسلیہ یا نمونہ کے بارے میں یہی پیغام ہمیں حوا کی تخلیق میں نظر آتا ہے۔ بہت سے لوگ یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کس طرح حوا کو آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ اگر اللہ چاہتا تو حوا کو مٹی ہی سے ایک لمحہ میں پیدا کر سکتا تھا۔ پھر اس نے اسے آدمؑ کی پسلی ہی سے کیوں پیدا کیا؟

جدید علم حیاتیات کے ذریعے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ انسانی جسم میں دوبارہ پیدا کرنے کے قابل جو خلیئے ہیں وہ صرف ہڈی کے گودے کے خلیئے ہیں۔ آج کل یہ خلیئے گودے سے الگ کر کے لیبارٹری میں دوبارہ پیدا کیئے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ خلیئے بطور خود بھی صرف ہڈی کے گودے کے نئے

خلیئے ہی بنا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے پورے مجموعہ و قواعد (کوڈ) کو پوری طرح سمجھا جا سکتا تو ایک انسان کی پوری تقدیر کے متعلق بھی کوئی حتمی فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔ پسلی کی ہڈی سے حوا کی پیدائش ہمیں اس عظیم حیاتیاتی اسرار سے آگاہ کر رہی ہے۔ چنانچہ اس فرمان کہ "ہم مردہ سے زندہ کو نکالتے ہیں" کا ایک اسرار تو آدم کو مٹی سے پیدا کرنے سے تعلق رکھتا ہے، جبکہ حوا کی پیدائش کا اسرار اس کی پسلی سے تعلق رکھتا ہے۔

جہاں تک زندہ سے مردہ کو نکالنے کے راز کا تعلق ہے تو سب سے پہلے جو چیز ذہن میں آتی ہے وہ ہے زندہ چیزوں کے فنا یا مرنے کا تصور۔ ہمیں علم حیاتیات سے معلوم ہوا ہے کہ (DNA) کے ذرے (مالیکیول) جو بہت ہی چھوٹی اکائیاں ہوتی ہیں، توانائی کی نمائندگی کرتے ہیں، اور اپنی ہی قسم کی نقل تیار کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے زندہ رہ سکتے ہیں۔ ان کا موت سے ہمکنار ہونا یعنی ان کے وجود کی ہمیشگی کا ختم ہو جانا صرف اللہ ہی کے حکم سے واقع ہوتا ہے۔

ایک اور معنی انسانی جسم سے متعلق ہے۔ پیدائش کے بعد، انسانی جسم، دوسرے لفظوں میں آدمؑ کی تقدیر میں جنت ہے جو عام دوران زندگی تک محدود نہیں ہے۔ یہ زیادہ تر عام اعتقاد کے برخلاف بات ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانی جسم دوام کے راز کا حامل ہے۔ جب یہ حکم دیا گیا کہ "برہنہ ہو جاؤ اور نیچے اترو۔" تو تب زندگی کا ایک وقت مقرر کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں فنا یا موت، زندگی کے دوام میں سے نکلی ہے۔ اس آیت کے اس حصہ میں یہی اہم عرفان اور ادراک ہے۔ جس کا ان لوگوں کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے۔ جو حیات بعد الموت اور زندگی کے دوام میں یقین نہیں رکھتے۔

اللہ کے "زندہ" ہونے کی ایک خصوصیت توانائی بھی ہے۔ اور اس کا بنیادی راز اس کا دوام یا ہمیشہ رہنا ہے۔ اس سے موت کا بلاوا قادر مطلق کے حکم کا اسرار ہے۔ بہت سے صحت مند لوگ مر جاتے ہیں جن کی موت کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ دوسری طرف بہت سے ایسے بیمار لوگ ہوتے ہیں جو اہم جسمانی عمل کی استعداد بھی کھو چکے ہوتے ہیں مگر پھر بھی زندہ ہوتے ہیں۔ یہ اس فرمان کی ایک اور مثال ہے کہ "ہم زندہ میں سے مردہ کو نکالتے ہیں۔" ایک اور مثال انسان کو اپنے اندر جاندار سالموں، (ORGANIC MOLOCELUE) کا داخل کرنا یا ہضم کرنا اور پھر ان کو کاربن ڈائی آکسائڈ کی صورت میں سانس کے ذریعے باہر نکال دینا ہے۔

جیسا کہ میں نے اس سے پہلے کئی موضوعات میں توانائی کے مضمون سے متعلق کہا ہے کہ کاربن اور نائٹروجن اس وقت "زندہ" ہوتے ہیں جب ان کا برقی بار (چارج) منفی ہوتا ہے۔ اور جب یہ برقی بار مثبت

ہوتا ہے اس وقت یہ "مردہ" ہوتے ہیں۔ یہ دونوں، تمام جسمیوں (زندہ مخلوق) کی زندگی کے دوران اپنے اپنے نشان متواتر تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ ہم اس عمل کی تیاری کو مٹی کی لیبارٹری میں دیکھتے رہتے ہیں ("مردہ زمین کو زندگی دینا") ان مثالوں کی روشنی میں ہمیں بتایا جاتا ہے کہ قادر مطلق کے حکم پر دوبارہ زندہ ہونے کا عمل بڑی آسانی سے واقع ہو جائے گا۔

ان مثالوں کے باوجود بھی یوم آخرت اور دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہ لانے پر اصرار کرنا، حیاتیات کے بنیادی حقائق سے لاعلمی ہی ہو سکتی ہے۔ توانائی اور موت سے متعلق اصولوں کے سلسلے میں مزید معلومات اس کتاب کے موضوع نمبر 10 اور موضوع نمبر 13 میں بھی آچکی ہیں۔ سائنس تو ہمیشہ سے وہ خدائی دانائی اور ادراک ہے جو مردہ دلوں میں، زندہ ایمان کو پیدا کرتی ہے۔

موضوع نمبر 38

زمین کا نا قابل یقین کمپیوٹری نظام

THE INCREDIBLE COMPUTERIZED BALANCE OF THE EARTH'

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲ الحجر ۱۵ آیت ۱۹

ترجمہ : ”ہم نے زمین کو پھیلایا ایک ڈھنگ سے۔ اس میں ہر نوع کی شے ٹھیک نپی تلی مقدار کے پیدا کی ہے۔“ (الحجر 15- آیت 19)

WE HAVE SPREAD OUT AND ORDERED THE EARTH, SET UPON IT MOUNTAINS, FIRM AND IMMOVABLE; AND PRODUCED THEREIN ALL KINDS OF THINGS IN HARMONIOUS BALANCE.

CHAPTER 15 (HIJR), VERSE 19

اس آیت کو پہلی دفعہ پڑھنے پر اس کے عطا کردہ عظیم سائنسی پیغام کو سمجھنا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ آیت ایسے ایسے حقائق کو بیان کرتی ہے جو آج کل کے جھوٹے لوگوں اور ملحدوں کے ذہنوں پر ایک ہتھوڑے کی طرح ضرب لگاتے ہیں۔ جب ان ملحدوں کو جو زمین کے وجود کو کائنات کا ایک حادثہ سمجھتے ہیں۔ اس آیت کے حقائق کے معنی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اس وقت ان کی خجالت کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اس کتاب کے شروع کے ایک مضمون میں زمین کی بناوٹ کے سلسلے میں حیران کن سلسلوں کا مطالعہ کیا جا چکا ہے۔ اس کا 23.5 ڈگری پر اپنے محور پر جھکاؤ ایک ایسے پیچیدہ اور نازک حساب کتاب کا معاملہ ہے جسے نہ تو فزکس اور نہ فلسفے کے تخمینے اور فارمولے ہی حل کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر زمین کا جھکاؤ مثلاً 25 ڈگری پر ہوتا تو قطبین کے سرے چند ہی سالوں میں پگھل جاتے اور دنیا کے سمندر بہتی ہوئی برف سے اٹ جاتے۔ دوسری طرف اگر یہ جھکاؤ 22 ڈگری پر ہوتا تو قطب شمالی کی برف سارے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ اور زندگی کا وجود زمین کے خط استوا والے حصے میں ہی ممکن ہو سکتا تھا۔ اللہ جل جلالہ' نے اس آیت کے شروع ہی میں اس حقیقت کو کمال صراحت سے بیان کر دیا ہے کہ اس نے زمین کو نپے تلے طریقہ سے

بچھایا یا قائم کیا ہے۔ چنانچہ زمین کا پھیلانا اور اس کا حکم دینا' زمین کا اس کے محور پر 24 گھنٹوں میں گردش کرنے سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ اپنی گردش کو 30 گھنٹوں میں پورا کرتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس پر اس قدر تیز و تند خطرناک ہوائیں چلتیں کہ یہ زندہ مخلوق کے لئے طوفان زدہ صحرا بن کر ہی رہ جاتی۔ دوسری طرف اگر زمین اپنی گردش 20 ہی گھنٹوں میں پورا کرتی تو زمین پر اگنے والی نباتات کی اکثریت اپنی حیاتیاتی سرگرمی پورا نہ کرپاتی اور اس طرح وہ خشک سالی کا شکار ہو کر رہ جاتی۔

زمین کا پھیلانا اور اس کو ایک طریق یا ڈھنگ دینا' جیسا کہ آیت کے پہلے حصہ میں آیا ہے' تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب زمین اپنے محور پر خوش اسلوبی اور ہم آہنگی سے گردش کرے۔ ایک مشہور پادری پروفیسر کے الفاظ میں یہ لاجواب نتیجہ اور اگر یہ عمل کسی اتفاق سے حاصل ہو سکتا تو اس کے لیے کروڑوں کی تعداد میں آزمائشوں کو بروئے کار لانا پڑا۔

قرآن میں بہت سے مقامات پر اللہ نے اپنی پیدا کردہ ترتیب اور طریقوں سے متعلق جو حیران کن حقائق بیان کیے ہیں تو اس کا مقصد یہ ہے کہ جب ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو زمین اور کائنات کی تخلیق سے متعلق عظیم ریاضیاتی اور طبعیاتی معجزات انسانی ذہن کو لاجواب کردیں۔ تاکہ وہ اللہ کی عظمت کا شاہد ہو جائے۔ اس آیت کریمہ میں سب سے اہم جو پیغام دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زمین کی پیدا کردہ چیزوں میں بالکل صحیح تناسب اور توازن عطا کیا گیا ہے۔ وہ چیزیں کیا ہیں؟ اور ان چیزوں کے تناسب کے لئے کیا بے مثال ذرائع ہیں؟

آج تک جو سائنسی تحقیقات ہو چکی ہیں۔ ان کے تحت پودوں' حیوانوں اور بکٹریا (جراثیم) کے درمیان ایک متوازن عمل اور رد عمل کا سلسلہ قائم ہے۔ بیکٹریا کے ذمے یہ کام ہے کہ وہ حیوانوں سے نائٹروجن حاصل کرکے اسے پودوں تک پہنچاتا ہے۔ پودے آکسیجن بناتے ہیں جو حیوانوں اور دیگر جسمیوں کی ضرورت ہے۔ اور جانور کاربن ڈائی آکسائیڈ اور بیکٹریا کے توسط سے نائٹروجن کو پودوں تک پہنچاتے ہیں۔ اسے زندگی کی زنجیر بھی کہا جاتا ہے۔

زندگی کی زنجیر تو اسی صورت چلتی ہے مگر اہم بات یہ ہے کہ ہوا میں آکسیجن کا بیس فیصدی حد تک قائم رہنا بے حد ضروری ہے۔ یہی وہ مقام ہیں جہاں قدرت کی بے حد لطیف موشگافیوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ ہر قسم کا دھواں اور خارج ہونے والی چیزیں پودوں کے ذریعے آکسیجن میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے ایک سپر کمپیوٹر ہی کی ضرورت پڑتی ہے یہ کہ جس کے ذریعے مطالعہ کیا جاسکے اور مختلف قسم کے پودوں کی اقسام کا حسابی اندازہ لگایا جاسکے جن کی ضرورت ہوا میں بیس فیصدی آکسیجن کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے

پڑتی ہے۔ اس طرح ایک عظیم خدائی کمپیوٹر ہی چاہئے جو پودوں کی اس تعداد کا حساب رکھے' جو چمنیوں سے نکلتے ہوئے دھویں اور انسانوں کے آکسیجن کے خرچ کا بھی حساب رکھے' اور پھر ہوا کے لئے بھی مناسب مقدار میں آکسیجن کی فراہمی کا انتظام کرے۔ اس قدر ناقابل یقین حد تک حساب کتاب تو ایک معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ آیت مبارکہ یہ اعلان کرتی ہے "اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائیں۔" یہ بات چودہ صدیاں قبل اس وقت سے کی جارہی ہے' جب ان حقائق کا کسی کو بھی علم نہیں تھا۔

لاکھوں کروڑوں سال قبل' زمین پر وسیع و عریض نباتات کا ایک طرح سے کمبل چڑھا ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فضا میں آکسیجن کے توازن کو بڑھایا جائے۔ ایسے پودوں کی مناسبت سے ہی ڈائینوسورز (DINOSAURS) جیسے عظیم الجثہ جانور زمین پر چلتے پھرتے تھے۔ بالآخر آکسیجن کی شرح 20 فیصد سے تجاوز کرنے لگی۔ ان بڑے بڑے جانوروں کا ان پودوں کو کھا جانا اور ان جانوروں سے خارج شدہ کاربن ڈائی آکسائڈ بھی اس قدر کافی نہیں تھی کہ پودوں سے آکسیجن کی ضرورت سے زیادہ پیداوار کو کسی طرح روک سکے۔

چنانچہ اس مقام پر ایک عظیم ارضیاتی اتار چڑھاؤ وقوع پزیر ہوا۔ جس کے نتیجہ میں یہ عظیم نباتات اور ڈائینوسورز جیسے عظیم الجثہ حیوانات روئے زمین سے ہی غائب ہو گئے (موضوع نمبر 4) پھر اللہ نے مچھلیاں' پرندے اور دودھ دینے والے یا تھن دار جانوروں کو بنایا (نظریہ ارتقاء والوں کے مضحکہ خیز نظریئے یہاں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اور دوان گش (DUANE GISH) کے نزدیک یہ تازہ ترین قیاس یہ دعویٰ ہے)

جیسا کہ یہ آیت کریمہ اعلان کرتی ہے' نباتات کی تعداد اس قدر متناسب توازن میں ہے کہ ہر ایک درخت کے ذمہ یہ کام لگایا گیا ہے کہ وہ ہر چمنی سے نکلنے والے دھوئیں کو صاف کرے۔ انسان مجموعی طور پر اس قدر لاعلم اور بے حس ہے کہ وہ قادر مطلق کے اس نازک حساب کتاب کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ رب العالمین کے اسرار کا شعور بھی حاصل کر نہیں سکتا۔ اسلام نے درختوں کی اہمیت اور حفاظت اور ان کی مزید کاشت کاری کے لیے جو حکم دیا ہے اس سے اوپر بیان کردہ حقائق کا اظہار ہوتا ہے۔

اب مزید ناقابل یقین حساب کتاب (CALCULATIONS) کا ذکر کرتا ہوں۔ ہر ایک بیماری کے لیے رب عظیم نے ایک پودے (درخت وغیرہ) اور مائیکروب (خوردبینی مخلوق) کو بطور علاج مقرر کیا ہے۔ پھر

کیوں گمراہ جاہل زبانیں اس نظام کو یعنی زمین کی تخلیق کو، وہاں پر انسانوں کے بسانے کو اور ان کے لئے نباتاتی اور جراثیم اور بیکٹریا کے ذریعے علاج مہیا کرنے کو محض ایک حادثہ یا اتفاق کا نام دیتی ہیں۔

یہاں میں ایک اور حقیقت کا انکشاف بھی کرتا ہوں۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں گے۔ دنیا میں بالکل اتنے ہی فاکس گلو (FOXGLOVE) پودے موجود ہیں جو دل کے تمام مریضوں کے لئے ڈیجیٹلس (DIGITALIS) کا علاج مہیا کر سکتے ہیں۔ دنیا میں حشیش کے پودے اتنی ہی تعداد میں ہیں کہ ان سے تیار کردہ دوائیں تمام مریضوں کی درد انگیز بیماریوں میں ان کی مصیبت کو کم کر سکتی ہیں لیکن انہی پودوں سے حاصل کردہ ایک چیز بلیک مارکیٹ کی چیز بھی بن گئی ہے جس کی بنیاد خود غرضی اور لالچ ہے۔ اور یہ چیز کچھ بے وقوف بلکہ پاگل پن کی حد تک پہنچے ہوئے لوگوں کے لیے وقتی مگر خطرناک مسرت کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ یعنی منشیات۔

زمین میں چیزوں کی متناسب پیداوار کی ایک اور اہم مثال یوں ہے۔ آج سے ایک سو سال قبل تک انسان کی حرارت اور توانائی کی ضروریات صرف جلانے والی لکڑی کے ذریعہ ہی پوری ہوئی تھی۔ اگر کوئلہ اور تیل دریافت نہ ہوتے تو روئے زمین پر سے درختوں اور جنگلوں کا وجود ہی ناپید ہو چکا ہوتا۔ مگر عین اس نازک موقع پر قدرت کے کمپیوٹر نے لاکھوں، کروڑوں سال سے تیار کیا ہوا کوئلہ اور تیل فراہم کر دیا۔ اور اس وافر مقدار میں فراہم کیا کہ یہ دنیا کے تمام لوگوں کے لئے کافی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے انسان، اپنی انانیت کی بنیاد پر تیل کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہوئے تاریخ کی سب سے بڑی جنگ لڑ رہا ہے۔ اس میں اسلامی دنیا کا کیا رول ہے؟ چونکہ اس نے ابھی تک قرآن کو صحیح طور پر پوری طرح نہیں اپنایا تو وہ اس مسئلہ کی نزاکت کو سمجھ بھی نہیں سکی۔ اور نئی سائنسی ایجادات کی اہمیت کو بھی نہیں سمجھ سکی۔ چنانچہ یہ اپنے پچھواڑے میں ابلتی ہوئی دولت کو محض حواس باختہ ہو کر دیکھے جا رہی ہے۔

آیئے اب ہم زمین کے وجود میں دھاتوں کی موجودگی کے لحاظ سے صحیح توازن کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ہم زمین کے اندر کے مرکزی قالب اور اس کے ارد گرد سیال لبادے میں دھاتوں کے تناسب کے متعلق کوئی علم نہیں رکھتے۔ مگر زمین کی اوپری سطح (کھال) پر۔ جہاں ہم رہتے ہیں، مختلف قسم کے عنصر (ELEMENTS) اس تناسب میں تقسیم کیے گئے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ایک سائنسی کمیٹی نے خریداری کی ایک فہرست بنادی ہے اور اس کے مطابق چیزیں ایک لامحدود اور طاقتور کارخانے سے مہیا کی جارہی ہیں۔ تہذیب و تمدن کی جو سطح اللہ مقرر فرماتا ہے اسی تناسب سے زمین پر ہر ایک جوہر یا مادہ پایا جاتا ہے۔ عمارتوں کے بنانے میں سیلکان کے مرکبات، لوہا اور پوٹاشیم وغیرہ بنیادی اجزاء ہیں۔ اگر ان میں سے

ایک جز بھی موجود نہ ہوتو ہم دنیا کے شہروں کے موجودہ نظارے نہ دیکھ رہے ہوتے۔

ابھی کل تک ہمیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ پانی کتنی بڑی نعمت ہے۔ آج ہم جانتے ہیں کہ پانی میں موجود کیلشیم بائکاربونیٹ' نظام ہضم کو ترتیب دینے کے لئے بہترین چیز ہے۔ بیجد اہم اجزا' جیسے نمک کی زمین پر تقسیم اس تناسب سے کی گئی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے انسان کا نزول ایک پوری طرح سے لیس حیاتیاتی لیبارٹری میں ہوا ہے۔ کیا آپ نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ لاکھوں سالوں سے سمندروں کا پانی بھاپ بن کر اڑتا' اور پھر دریاؤں کے ذریعے سمندروں میں ہی واپس آتا رہا ہے؟ اس سارے سلسلے میں نئے اجزاء زمین سے بہہ کر سمندر میں پہنچتے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی سمندر کے پانی کی امیزش تبدیل نہیں ہوتی۔ اس خدائی کمپیوٹر کے عظیم الشان معجزے پر بھی غور کیجئے کہ لاکھوں واقعات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن زمین کی پیداوار پر اللہ نے جو متوازن تناسب قائم کیا ہے وہ تبدیل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ لوح محفوظ' جس پر یہ سب کچھ درج کردیا گیا ہے' ایک عظیم قانون قدرت ہے اور یہی قرآن کا قانون بھی ہے۔

دھاتوں میں سے کچھ دھاتوں کے نام ہی صرف پچھلے ڈیڑھ سو سالوں میں سنے گئے ہیں۔ جیسے کہ بریلیم (BELYLLIUM)' یورینیم' کاڈمیم (CADMIUM)' ٹنگسٹن (TUNGSTEN)' ٹنٹلم (TUNTALUM)' اور گیلیم (GALLIUM)' وغیرہ۔ جب یہ پہلے پہل دریافت ہوئی تھیں تو ہر ایک نے انہیں صرف لیبارٹری کی ایک سجاوٹ ہی سمجھا تھا۔ یہ تو بعد میں احساس ہوا کہ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کی تعمیر میں ان کا وجود ناگزیر ہے۔ بہت زیادہ ٹمپریچر کے تکنیکی کاموں کے لیے ایٹمی توانائی کے استعمال سے لیکر ان میں سے ہر ایک دھات ایک انتہائی اہم خاصیت کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور زمین پر ان کا وجود اس ترتیب سے ہے جس حساب سے ان کے ذمے کام لگائے گئے ہیں' اور جو ان کی تقدیر کے طور پر مقرر ہے۔

کرہ ارض کے سب سے زیادہ حیرت انگیز عجوبوں میں سے ایک وہ عجوبہ ہے جو اللہ نے انسان کو اس پر اتارنے سے قبل دنیا کے تابکار اجزاء کی موجودگی کے ذریعے عطا کیا۔ زمین کی سطح (CRUST) میں اس کا وجود اس قدر صحیح اور مکمل تناسب میں ہے کہ انسانوں کی کوئی سائنسی کمیٹی بھی اس کو اس طرح مہیا نہ کرسکے۔ چنانچہ یورینیم 235 جو ایٹمی توانائی مہیا کرتا ہے۔ اپنی اصلی قدرتی پائی جانے والی جگہ میں بالکل معصوم اور بے ضرر ہوتا ہے۔ لیکن جب اسے صاف یا (PURIFY) کیا جاتا ہے تو یہ ایک خطرناک چیز بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کاربن 14 حیاتیاتی سرگرمی کو ظاہر کرتا ہے۔ جو اصلی اور حیران کن حد تک خوبصورت چیز ہے وہ ہیں دھاتی چشمے۔ یہ ایسے پانی ہوتے ہیں جو تھوڑی اور متناسب مقدار میں تابکاری اجزاء کے حامل ہوتے ہیں۔ اور ساری دنیا میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کو صحت عطا کرتے ہیں۔

اب آپ زمین کی تابکاری کو بالکل دوسری (الٹی) طرف سے دیکھیں۔ گر زمین میں یورنیم صرف یورینیم 235 آئیسوٹوپ کی صورت میں ہی پایا جاتا تو دنیا اپنی تخلیق کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ایک طرح سے ایک جادوگر چڑیل کا کڑھاؤ بن جاتی۔ دوسری طرف اگر یورنیم 235 یورنیم 238 میں 0.7% کے حساب سے نہ پایا جاتا تو ہم ایٹمی توانائی حاصل نہ کر سکتے۔ اللہ نے یورنیم 235 کو ایسی خاصیت ودیعت کی ہے کہ یہ صرف اسوقت ایٹمی توانائی میں تبدیل ہوتا ہے جب اسے علیحدہ کردہ یعنی (SPEARTED) حالت ہو۔ لیکن یہ اپنے قدرتی سانچے یعنی یونیم 238 کی صورت میں بالکل بے ضرر ہوتا ہے۔

بہت سے حیاتیاتی واقعات ہو ہی نہیں سکتے جب تک فضا میں کاربن منفی چودہ (14-) موجود نہ ہو۔ اگر یہ عنصر جو ترتیب میں دس لاکھواں حصہ (PPM) یعنی (PART PER MILLION) ہوتا ہے' ذرا زیادہ مقدار میں پایا جائے تو یہ ایک زبردست خطرے کا موجب بن جائے گا۔ اور اگر قدرتی چشموں میں سوڈیم (24-) آئیسوٹوپ پائے جاتے تو پانی میں غسل لینا ایسا ہی ہوتا جیسے کوئی ہیروشیما میں ایٹم بم گرانے کے وقت وہاں موجود ہو۔ اگرچہ قدرتی دھاتی چشموں میں زیادہ عنصر سوڈیم ہی ہوتا ہے۔ لیکن سوڈیم (24-) کی بجائے دوسرے عنصر زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں۔ جی ہاں! عزیز قاری اگر ہم کتابوں پر کتابیں لکھتے چلے جائیں پھر بھی اللہ کی قدرت کا بیان اور تشریح ختم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ میں نے تو ایک مختصر خلاصے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ آیئے ہم بار بار ہوش ربا آیات مبارکہ کو پڑھیں جو ملحدوں کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہے اور آیئے اب اس کے اس حیران کن بیان پر غور کریں کہ "ہم نے زمین کی پیداوار' ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ پیدا کی ہے۔"

موضوع نمبر 39

اللہ کے تخلیقی انتخابات (شان) کالامحدود حسن

THE INFINITE BEAUTY OF GOD'S CREATIVE CHOICES (SHAN)

يَسْـَٔلُهُۥ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِى شَأْنٍ ﴿٢٩﴾ الرّحمٰن ۵۵

ترجمہ : "زمین اور آسمانوں میں جو بھی (مخلوقات) ہیں۔" سب اپنی حاجتیں اسی سے مانگ رہے ہیں۔ ہر آن وہ نئی شان میں ہے یا "(یا وہ قادر مطلق ہونے کی وجہ سے ہر لمحہ ہر چیز کو مرتب کرتا ہے۔ یعنی اس کی شان آشکار ہوتی ہے۔)"

(الرحمٰن آیت نمبر29)

EVERY CEARTURE IN THE HEAVENS AND ON EARTH APPEALS TO HIM FOR ITS NEEDS. EVERY MOMENT HE IS UPON A NEW MANIFESTATION (HE DISPOSES EVERYTHING AT EVERY INSTANT THROUG HIS OMNIPOTENCE).

CHAPTERR 55 (THE COMPASSIONATE), VERSE 29

سورۃ الرحمٰن ایسی سورۃ ہے جو اللہ کی تخلیق کے عظیم رازوں کو بیان کرتی ہے۔ یہ آیت اللہ کے پاک انتظام اور اس کی قدرت مطلق کے انتہائی اہمیت کے حامل رازوں کو بیان کرتی ہے۔ یہ ایسے واقعات پر روشنی ڈالتی ہے جو سائنسی طور پر ناقابل تشریح ہیں۔ اس آیت کے معنی کو سمجھنے کے لئے ہمیں پہلے فقرے میں اللہ کے اس ارشاد پر غور کرنا چاہیئے کہ "سب اپنی حاجتیں اسی سے مانگ رہے ہیں۔" اسی سے درخواستیں کرر ہے ہیں۔ اس معاملہ پر اب ہم سائنس کی متعدد شاخوں کے تناظر میں تحقیق کرتے ہیں۔

ایک ایٹم کا مرکزہ ایک انتہائی قسم کے نازک توازن کا حامل ہوتا ہے۔ قار مطلق نے ناقابل بیان توانائیوں کو ایک مرکزہ میں جکڑ رکھا ہے۔ اس کا کیا نتیجہ ہو گا اگر اس مرکزہ کو جان بوجھ کر باہر سے مادی طور

ڈسٹرب یا چھیڑ دیا جائے؟ مشہور ماہر علم طبعیات ہائزن برگ کے کوانٹم کے اصول (نظریہ) کی رو سے ایک مرکزہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے سلسلے میں حتمی طور پر کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ ذرا سوچیں کہ اس وقت کیا ہوگا جب مثال کے طور پر مرکزہ میں تبدیلی کی اہلیت رکھنے والا ایک عدلیہ (نیوٹرون) اس مرکزہ میں داخل ہو جائے؟

اگر قادر مطلق کا وجود نہ ہو، جیسا کہ بد قسمت ملحد سمجھتے ہیں، تو مرکزہ کا توازن ناقابل مرمت حد تک بگڑ جائے گا، اگرچہ اس کی رفتار کم ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ مرکزہ میں داخل ہونے والے نئے نیوٹرون اس توازن کو اس حد تک مزید بگاڑ دیں گے کہ مرکزہ میں مقید توانائیاں ایک بم کی طرح بھک سے پھٹ جائیں گی۔ درحقیقت اللہ نے یورینیم 235 والے مرکزہ کو ایسی ممکنات کی یاددہانی کے لئے ہی تخلیق کیا ہے۔ اور اس آئسوٹوپ کو قدرتی طور پر پائے جانے والے یونیم میں چھپایا ہوا ہے۔ اگر نیوٹرون ایسے ایک مرکزہ میں داخل ہو جائے تو آپ کو ایک ایٹم بم مل جاتا ہے۔ مگر یہ انتشار (DISINTEGRATION) یا فی اکائی تکسر ہی مکمل طور پر فنا ہونا نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ایک محدود پیمانے پر انشقاق (FISSION) ہوتا ہے۔

چنانچہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایٹمی مرکزہ پر نیوٹرون سے بمباری کی جائے۔ مگر عام طور پر انشقاق (فشن) کا یہ طاقتور رد عمل واقع نہیں ہوتا۔ جہاں تک توازن کو واپس لانے کا معاملہ ہے تو اس کے لئے تو سائنسدانوں کی ایک کمیٹی سینکڑوں سالوں کی محنت شاقہ سے بھی اسے حاصل نہیں کر سکتی۔

اس صورت میں پھر کیا ہوتا ہے؟

وہ مرکزہ رب جلیل سے استدعا کرتا ہے۔ اور اللہ اپنی لامحدود شان کے ذریعے اسے اسی لمحے علم عطا کرتا ہے۔ اور مرکزہ (NUCLEUS) ایک ناقابل بیان مہارت سے نیوٹرون کو پروٹون میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مرکزہ کو ایک اور عنصر (ELEMENT) میں پہنچا دیا جاتا ہے اور توزن دوبارہ قائم ہو جاتا ہے۔ اب آپ سوچیں کہ یہ سارا عمل کتنے وقت میں پورا ہوتا ہے؟ جی ہاں ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصہ کے عرصے میں!

آیئے اب دوسری مثال کی طرف بڑھتے ہیں۔ بیس سال قبل ماہر فلکیات نے دیکھا کہ بہت دور ستاروں کے نظام کی حامل دو کہکشائیں ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اربوں کی تعداد میں ستاروں پر مشتمل یہ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرانے ہی والی تھیں۔ اور اس طرح قیامت برپا ہونے والی تھی۔ ایسے عظیم ٹکراؤ تو چھوڑیئے وہ توازن جو اربوں ستاروں، سیاروں کی کشش ثقل اور مرکز گریز توانائیوں سے وجود میں آتا ہے صرف ایک سورج کے اضافے کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اربوں کی تعداد میں یہ ستارے اپنے

اپنے وجود کو ایک دوسرے سے مخصوص فاصلوں پر رکھ کر اور خاص رفتاروں سے گھومنے پر قائم رہتے ہیں۔ یہ تصادم ان کے تمام توازن کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔

مگر کوئی بھی ممکنہ واقعات پیش نہ آئے۔ اور دونوں کہکشائیں ایک دوسرے کے اندر سے بغیر کسی گزند کے گزر گئیں۔ یہ عقلی معجزہ کس طرح ہو گیا؟

سورۃ الرحمٰن کی آیت نمبر29 اس کا پیشگی جواب مہیا کرتی ہے کہ "آسمانوں میں جو ہیں وہ مجھ سے استدعا کرتے ہیں اور مجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔" چنانچہ ان کہکشاؤں نے بھی خاموشی سے اپنے رب جلیل سے مدد کی درخواست کی اور اس کے جواب میں اللہ جل شانہ' نے اپنی لامحدود قدرت کے ذریعے اور انسانی عقل سے ماورا انتظام سے ان کہکشاؤں کو ایک دوسرے کے اندر سے با آسانی گزار دیا۔ اس سلسلے میں سائنس تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئی اور ان کہکشاؤں کے ستاروں اور سیاروں کے توازن آج تک باعث حیرت بنے ہوئے ہیں۔

صرف یہی ایک سمجھ نہ آنے والا واقعہ ہی اللہ کے قادر مطلق ہونے کا اور اس کی لامحدود شان ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس کی شان ہر لمحے میں عیاں ہوتی رہتی ہے۔

اب میں اس حیاتیاتی عجوبے کا ذکر کروں گا جس کی تشریح اور توجیح کے سلسلے میں مکمل ناکامی تمام سائنسوں کی قسمت بن چکی ہے۔

رحم مادر میں جو جنین بچہ یعنی امبریو (EMBRYO) تین ہفتے پورا کرلیتا ہے وہ اس سطح کے مشابہہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک مکھی کا پر ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا تین جہتی (THREE DIMENSIONAL) وجود نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ یہ ایک سے ایک جڑے ہوئے خلیوں (سیلوں) کے ایک سلسلے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اینڈوڈرم (ENDODERM) اور اکٹوڈرم (ECTODERM) کے خلیے ساتھ ساتھ ایک ترتیب کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ مختلف خلیے جو آگے چل کر ہارمون خارج کریں گے' وہ بھی اسی ترتیب میں رکھے جاتے ہیں۔ اور پھر اسی طرح پٹھوں' اعصابی نسوں اور ہڈی کے خلیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان خلیوں کی یہ ترتیبیں جو حجم میں مکھی کے ایک پر سے بڑی نہیں ہوتیں' کس طرح ایک ساتھ وقوع پذیر ہوتی ہیں؟ مثال کے طور پر' وہ چار بنیادی خلیے جو معدہ بنائیں گے' ان تربیتوں کے مختلف اور الگ الگ علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک خلیہ مزید تخلیق کے عمل سے نظام ہضم کے پٹھوں کو بنائے گا۔ دوسرا خلیہ

معدے کے اعصابی نظام کو بنائے گا۔ تیسرا رطوبت مہیا کرنے والے ٹشو بنائے گا اور چوتھا معدے کے اندر کا استریا تہہ کی تشکیل کرے گا۔

اگر صرف ایک معدے ہی کا مسئلہ ہوتا تو ان خلیوں کا یہ میل یا اتحاد شاید ممکنات کی حدود میں آسکتا تھا۔ مگر ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ تمام اعضا اسی قسم کی حالت میں ہوتے ہیں۔ جگر، دل، گردے اور تمام دوسرے اعضاء کی حیات صرف اس وقت ممکن ہو سکتی ہے جب ان کے اپنے اپنے خلیسے، اپنے مخصوص مرکز پر پہنچ جائیں۔ اب اس مکھی کے پر کے برابر ایک پتے پر کیا کیا اور کیسا عمل کیا جائے کہ ہر عضو اپنے ٹشو (خلیاتی ریشہ) کی تشکیل کے لئے تین یا چار بنیادی خلیوں کو ڈھونڈ کر ایک مقام پر اکٹھا کر سکے؟

ماضی میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ مرکز پر اکٹھا کرنے کا یہ عمل خلیوں کے مڑنے یا تہہ ہونے پر ہوتا ہے۔ لیکن بعد کی تحقیق نے یہ ظاہر کیا کہ تمام اعضاء کے لیے اس عمل کا بیک وقت ہو جانا ممکن نہیں۔ مزید یہ کہ جب سائنس نے رحم مادر میں امبریو (کچا) کی بناوٹ پر تحقیقات کیں تو وہ ایک شاندار عجوبے کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ ایک پتے جیسی شکل یعنی ٹشو کے مرحلے پر یہ امبریو (کچا) اپنے ہی اوپر ایک چکر والی گردش کرتا ہے اور یہ چکر اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ ہر خلیہ اپنے اپنے ساتھی کو ڈھونڈ لیتا ہے اور ہر عضو کے مقام کو آشکار کرتا ہے۔

یہ چکر اور تہہ ہونے وار کا عمل خلیوں کے زاویوں اور چکر کی رفتار (ROTATIONAL VELOCTIY) کے ایک ایسے مخصوص تعلق یا نسبت سے آگے بڑھتا ہے، جس کا حساب کتاب عقل انسانی سے بالاتر ہے۔ اور ایک ہی عضو کے مختلف ترتیبوں کے حامل خلیسے، بغیر کسی معمولی سی غلطی کے، مخصوص مرکز پر اکھٹے ہو جاتے ہیں۔ یہ معجزاتی چکر یا تہہ ہونے کا عمل کس طرح واقع ہوتا ہے؟

اس کا جواب دوسری آیت عطا کرتی ہے۔ "آسمانوں اور زمین میں ہر چیز اسی (اللہ) سے استدعا کرتی ہے۔ جو ہر لمحہ اپنے عالم کل ور قادر مطلق ہونے کو آشکار کرتا ہے۔"

جی ہاں! یہ ایک پتے کی شکل کا بیحد چھوٹا ٹشو اپنے رب سے مدد کا خواستگار ہوتے ہوئے کہتا ہے کہ "میں کس طرح خلیوں کو اکٹھا کر کے ایک عضو بنا سکتا ہوں؟ اور پھر یہ صرف اللہ کی شان ہی ہوتی ہے جو ٹشو کی سطح کو وہ مخصوص چکر کی گردش اور تہہ ہونے کا عمل مہیا کرتی ہے جس کے ذریعے تمام خلیسے مستقبل کے عضو کی تیاری کے لئے اپنے مقام پر اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ اس گردش اور تہہ ہونے کے عمل میں ایک مائیکرون (میٹر کا دس لاکھواں حصہ) کے برابر ہونے والی غلطی سے معدے کا تیزابیت خارج کرتا ہوا خلیہ اگر آنکھ والے حصہ میں پہنچ جائے تو پیدا ہونے والا بچہ نابینا پیدا ہوگا۔

اس آیت کی عظیم الشان دانائی کے اندر' اللہ کی شان کے اسرار کے تحت ہر لمحہ اور ہر آن' اربوں کی تعداد میں واقعات بغیر کسی غلطی کے وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ہر چیز کا علم رکھنے والا خالق حقیقی ہر لمحہ اپنے عظیم کام میں مصروف ہے۔

اللہ کی ہر لمحہ عظیم شان کا راز ایک اور اہم سائنسی علم میں بھی پنہاں ہے۔ اس علم یا ادراک کا بیان ذرا کٹھن کام ہے۔ اس کا مطلب کچھ یوں ہے کہ اللہ کی شان کی نشانیاں اور انتظامات' کائنات کے ہر مقام پر' ہر لمحے تغیر پذیر حالات میں بھی مضبوطی اور درستگی کے حامل ہیں۔

ہر آن' ایک کہکشاں اور کہکشاؤں کے جھرمٹوں کی حرکات اور رفتاریں ایک طرف اور کائنات کی مسلسل ہونے والی وسعت دوسری طرف' مختلف حالات کو پیدا کرتی ہیں۔ یعنی جیسا کہ ماضی میں سمجھا جاتا تھا' اس کے برعکس ایک ستارہ یا سیارہ' کائنات کے ایک مخصوص مقام پر جامد یا تبدیل نہ ہونے والی مادی حالت میں مقید نہیں ہوتا۔ وہ مقناطیسی اور جیومیٹری والی ہیئتیں اور صورتیں جو اس پر اثر انداز ہوتی ہیں' ہر لمحہ خود ہی تغیر کا شکار ہوتی ہیں۔ اب عظیم خدائی علم کل اور انتظام کامل ان مسلسل تبدیل ہونے والے حالات میں ہر آن نئی شان کا ظہور کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کائناتی شعاعوں کی ایک خاص قسم ہے جسے ناپائیدار بنیادی ذرات کا گروہ یا (PI.MESON) کہتے ہیں۔ اس کی بقایا زندگی کا دورانیہ ایک سیکنڈ کا دس لاکھ اربوں حصہ (MILLION - BILLIONTH) ہوتا ہے۔ اللہ کی شان ان ذروں کی اس قدر تھوڑی زندگی کو' جہاں کہیں ضرورت ہو' وقت کی رفتار کو پھیلاؤ (DILATE) کر بڑھا دیتی ہے۔ علکم فزکس نے ان ذرات کی اصل (ACTUAL) اور فی الواقع (VIRTUAL) دوران حیات کی پیمائش کی ہے۔ چنانچہ اللہ کی شان کے اظہار کے طور پر ہر آن تغیر پذیر قوت' توانائی' سائنس اور انتظامات اسی لمحے ہی میں مسلسل نئی زندگی حاصل کرتے رہے ہیں۔ ناپائیدار بنیادی ذرات کے گروہ (PI.MESON) کی مختصر ترین زندگی سے ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آیت کریمہ میں جو لفظ "ہر آن" ہے اس کا مطلب سیکنڈوں سے نہیں بلکہ ایک سیکنڈ کے کئی اربوں حصہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

ایک نشانی یا ایک عالم کے ہر آن تغیر پذیر ہونے والا نظریہ جو اس آیت مبارکہ نے عطا کیا ہے لفظ شان میں چھپا ہوا ہے۔ اس لیے کہ "شان" کے تصور کو اس کی اس خاصیت سے شناخت کیا جانا چاہئے' جس سے وہ تمام مخلوقات کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔

انسانی جگر کا ایک خلیہ ایک بالکل نئے کیمیاوی جوہر کو وصول کر کے اس کو اسی لمحے ایک بے ضرر مرکب

میں تبدیل کر دیتا ہے۔ کیمیاوی تریاق کی کون سی کتاب اس خلیے کو ایسا کام سکھاتی ہے؟ کون سا انسائیکلوپیڈیا ہے جو اسے یہ سکھائے کہ وہ اس کیمیاوی جوہر کو کس طرح بے ضرر بنادے جسے اس نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو؟ یہ مسئلہ کو کس طرح حل کرتا ہے؟

یہ (یعنی خلیہ) اپنے قادر مطلق سے استدعا کرتا ہے اور مدد مانگتا ہے۔ اور اللہ کی پاک شان اسے ضرورت کے مطابق کیمیا کا مناسب علم عطا کرتی ہے۔

چنانچہ اس طرح سورۃ الرحمٰن میں سائنس کا ایک بنیادی اصول عطا کیا گیا ہے۔ جس کسی کو اس کا علم اور ادراک نہیں ہے وہ کائنات کو بغیر آنکھوں کے ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ اور یہ شعور و آگاہی تو اللہ کی عظمت پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔

موضوع نمبر 40
ہواؤں کے پوشیدہ اسرار
THE SECRETS BORNE ON THE WIND

وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝

ترجمہ : "اور ہواؤں کی گردش (سمتوں کے بدلنے) میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔" الجاثیہ آیت 5

IN THE CHANGING (DIRECTIONS) OF THE WINDS ARE (SCIENTIFIC) SINGS FOR A PEOPLE WHO ARE WISE.
CHAPTER 45 (KNEELING), VERSE 5.

قرآنی آیات میں موجود بہت سے سائنسی حقائق کو اکثر و بیشتر عام قسم کے پیغام سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہماری کم علمی کی وجہ اور اس کی نشانی بھی ہے۔ لیکن بطور خاص اگر یہ بیان ہو کہ "اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔" تو اس کا بلاشبہ یقین کر لینا چاہئے کہ وہ آیت سائنس کے انتہائی اہم حقائق کی حامل ہے۔ چونکہ موجودہ آیت کریمہ بھی یہ پیغام دے رہی ہے اس لئے اس کو بھی یقیناً "اسی زمرے میں ڈالنا چاہیے۔

آیئے! اب دیکھیں کہ ہوائیں کس طرح وجود میں آتی ہیں۔ ایک سادہ تعریف جو ہر کوئی جانتا ہے یہ ہے کہ مراکز میں الگ الگ ٹمپریچر ہونے کی وجہ سے حملی رو (CONVECTIONAL CURRENTS) ہوائیں بلند ہوتی ہیں۔ یہ بیحد عامیانہ سا خیال ہے جو ہر ایک چیز کو ضرورت سے زیادہ سادہ اور آسان ظاہر کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر طرف سے آنے والی ہوائیں کرہ ارض کے ہر مقام تک پہنچتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے شہروں کی زہر آلود فضا بھی انہیں مناسب رفتار والی ہواؤں کی بدولت صاف ہوتی رہتی ہے۔ ہواؤں کا یہ ایک بیحد وسیع نظام ہے جو بادلوں کو لاکھوں کی تعداد میں انسانی مرکزوں تک لے آنے کا انتظام کرتا ہے۔ اس سے ہوا صاف ہوتی ہے۔ اس سے ضرورت کے مطابق برف پگھلتی یا جمتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ حرارت کے مراکز یا پیش نظر نظام کس قدر گرم یا سرد ہونے چاہئیں تاکہ زندگی کی نعمتوں کو اوپر بیان کردہ

آبادی کے لاکھوں مراکز میں پہنچایا جاسکے؟

ملحد لوگ ایسا ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جیسے انہیں ہواؤں کے یہ حیرت انگیز نمونے نظر ہی نہیں آتے اور وہ انہیں ہواؤں کے وہ عام رخ سمجھتے ہیں جن میں گرمی یا ٹھنڈک ہوتی ہے۔ مگر اللہ قرآن کے معجزاتی فرمان کے ذریعے ان کی اس چال کو شکست سے دوچار کردیتا ہے۔

ان لوگوں کے لئے جو غور کرنے والے ہوتے ہیں ہواؤں کی مختلف سمتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

ہواؤں کے مضمون کو سمجھنے کے لیے آیئے، ہم ان کا مطالعہ دوسری سمت سے کریں۔

(الف) اس وقت کیا ہوتا جب زمین ایک قسم کا وہ سیارہ ہوتی جس کا محور اس کے گردش کے راستے کی نسبت سے عمودی ہوتا؟ اس صورت میں کوئی ہوا تو نہ ہوتی البتہ انتہائی ناقابل برداشت آندھیاں، ہمیشہ کے لئے زمین کے قطبین سے خط استوار تک اور وہاں سے واپس کی طرف چلتی رہتیں۔ چنانچہ ایسا تب ہوتا اگر زمین ایک کدو کی شکل کی عمودی حالت میں قائم کی گئی ہوتی۔ لیکن اللہ نے زمین کو 23.5 ڈگری کے جھکاؤ پر بنایا ہے۔ اس طرح قطب شمالی اور قطب جنوبی کے ٹھنڈے ہونے کا عمل اور سورج کا اثر سال کے ہر دن میں مختلف ہوتا ہے۔ اس طرح ہواؤں کی رفتاروں میں کمی کا اثر بھی پیدا ہوتا ہے جیسے جیسے استوا کے علاقے اور ہر ایک زمینی قطب کے درمیان ٹمپریچر کا فرق کم ہوتا ہے۔ ہوائیں بھی زیادہ متناسب رفتار سے چلنا شروع ہوجاتی ہیں۔

(ب) چونکہ کرہ باد (فضا) کی اونچائی قطبین کی نسبت استوائی خطے پر مختلف ہوتی ہے، اس لیے کرہ باد کے اوپری اور نچلے حصے میں ہواؤں کی رفتار بھی ان دونوں حصوں پر مختلف ہوگئی ہے۔ اس عمل کے ذریعے گرم اور ٹھنڈے رخ کے نظاموں کے نئے اور زیادہ تعداد میں مراکز نے جنم لیا ہے۔ اور ہواؤں میں یہ خاصیت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ کسی ایک سمت میں چلنے کی بجائے مختلف سمتوں میں چلتی ہیں۔

(ج) کرہ ارض کی اوپری سطح کس شکل کی ہونا چاہیے یعنی پہاڑوں کی بناوٹ، میدان اور سطح مرتفع کس قسم کی ہو تاکہ دنیا کے آبادی کے تمام مراکز ہر سمت سے ہوائیں حاصل کرسکیں اور گرم اور ٹھنڈے رخوں کے متبادل نظام ان میں سے ہر ایک مرکز کے نواح میں پیدا ہوسکیں؟

اس کو دوسری طرح سے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔ فرض کریں کہ کرہ ارض ابھی نیا نیا ہی وجود میں آیا ہے۔ آپ ہزاروں کی تعداد میں سائنسدانوں اور اسی تعداد میں کمپیوٹروں کو جمع کرتے ہیں۔ پھر آپ ان کو کہیں کہ وہ ایسی بناوٹ اور نمونے کے پہاڑوں کے سلسلے میدان اور سطح ہائے مرتفع پیدا کریں کہ زمین کے کونے کونے تک گرم اور سرد ہواؤں کے پہنچنے کا نظام قائم ہوجائے۔ یعنی آبادی کا ہر ایک مرکز تمام سمتوں

سے ہوا حاصل کر سکے۔ ان سائنسدانوں کا گروہ اگر ایک ہزار سال تک بھی اس کوشش میں لگا رہے تو تب بھی پہاڑوں کے صرف ایک سلسلے کو صحیح طور پر ترتیب نہ دے سکے گا۔ مگر اللہ نے زمین پر پہاڑوں کے نمونوں کی ایک طرح سے کشیدہ کاری اس انداز میں کر دی ہے کہ زمین پر سال کے ہر دن ہوا کا ایک نیا رخ پیدا ہوتا ہے اور ہوا ہر سمت سے چلتی ہے چنانچہ جو نادان لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہوا کیا ہے یہ صرف گرم اور ٹھنڈی ہواؤں کا عامیانہ سا نظام ہے ان کو یہ آیت مبارکہ یہ جواب دیتی ہے کہ تم غور ہی نہیں کرتے' تم نے تو سائنس سے کچھ سیکھا ہی نہیں۔"

(د) ہواؤں کی یہ مہم یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اللہ نے کرہ باد کو دو اہم خصوصیات عطا کی ہوئی ہیں' تاکہ گرم اور سرد مراکز میں ٹمپریچر کا فرق ضرورت سے زیادہ نہ بڑھ جائے اور ہوائیں ناقابل برداشت نہ ہو جائیں۔ ان میں سے پہلی خصوصیت اوزون کی تہہ (OZONE LAYER) ہے۔ جو ضرورت سے زیادہ شمسی حرارت کو اپنے اندر جذب کر کے ٹمپریچر کو بے قابو نہیں ہونے دیتی۔ دوسری خصوصیت ہوا میں موجود کاربن ڈائی آکسائڈ کا کمبل جیسا اثر ہے جو زمین کو ٹھنڈا یخ ہونے سے بچاتی ہے۔ خاص طور پر رات کے وقت۔ سائنسی لحاظ سے یہ تمام عجوبے مجموعی طور پر ایسی صورت حال پیدا کرتے ہیں کہ ہوائیں رہائشی علاقوں تک پہنچ سکتی ہیں۔ اگر یہ توازن کو بحال کرنے والا نظام موجود نہ ہوتا تو وہ آندھیاں جو ہمیں خوفزدہ کرتی ہیں' ان ہواؤں کے مقابلے میں نرم رو نسیم سحر کی طرح ہوتیں۔ دراصل طوفانوں اور شدید آندھیوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمیں یہ دکھایا جائے کہ ہوائیں اصل میں کس طرح کی ہوتی ہیں۔ اگر ایک انسان کو ایک تپتے ہوئے گرم دن چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کا شعور ہو جائے کہ اس وقت چلنے والے ہوا کے ایک نرم رو ٹھنڈے جھونکے کے پیچھے کس قدر نازک حساب کتاب کی کارفرمائی ہے تو وہ فوراً" اٹھ کھڑا ہو گا اور بے اختیار سجدے میں گر جائے گا۔

ہواؤں کے مختلف اطراف سے چلنے میں کئی نکتہ رس وجوہات ہیں۔ یہ جو ٹھنڈی اور گرم ہواؤں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں تو اس کا پہلا اور اہم مقصد بارش کی تیاری کرنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہوائیں تیز ہو جاتی ہیں اور اپنے ساتھ ہوا سے آئین (IONS) کو گھسیٹ کر لے جاتی ہیں۔ اس طرح برقی توانائیاں جو حیات کی بنیاد ہوتی ہیں' بارش کے ذریعے ہوا سے زمین تک پہنچتی ہیں۔ جہاں پانی کا ایک چھوٹا سا قطرہ بھی بجلی سے چارج شدہ حیات بخش چیز بن جاتا ہے۔ ہوا کے ذریعے پودوں کے بیجوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا اور یہاں تک کہ پھولوں کے ریزہ (POLLEN) پر تخم پاشی کرنا (INSEMINATION) یعنی نباتات میں تخلیقی عمل کے متعلق بھی قرآن میں ذکر ملتا ہے۔

ہواؤں کا ایک بہت ہی اہم پہلوان کا آکسیجن اور تازہ ہوا کو شہروں میں لانا اور شہروں کی زہر آلود خراب ہوا کو جنگل کی طرف صفائی کے لئے لے جانا بھی ہے۔ وہ ہوا جو ہمیں خراب ہوا نظر آتی ہے۔ ایک حد تک درختوں کی خوراک کا ذریعہ بھی ہے۔ اس طریقہ سے ساری دنیا میں آکسیجن کی ایک خاص سطح برقرار رہتی ہے۔ یہ سب حیران کن عمل تو قادر مطلق کے عظیم کمپیوٹر میں پہلے ہی سے درج کردیئے گئے ہیں جو بغیر کسی خرابی کے چلتے رہتے ہیں۔

جی ہاں!اے عزیز قاری۔ آپ یہ یقین کرلیں کہ ہر علم کے مالک 'اللہ کے کمپیوٹر میں یہ پہلے ہی سے درج کردیا گیا ہے کہ کون سی ہوا کس علاقے میں پیدا ہوگی۔ کون سی ہوا کس شہر میں چلے گی' اور کس وقت چلے گی۔ اس سب کا انتظام اب سے لیکر قیامت تک پہلے ہی سے ترتیب شدہ ہے۔ یہ اصل سائنس ہے اس کے الٹ سوچنا' اور یہ دعویٰ کرنا کہ بادل تو محض پانی کے قطرے ہیں۔ اور ہوائیں صرف ہوا کا بہاؤ ہے عقلی سائنس کے نام پر ایک دھبہ ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس پر آیت کے آخری فقرے پر زور دے کر فرمایا گیا ہے کہ "اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ کی ایک اور اہم موشگافی یہ ہے کہ تمام علاقوں میں ہواؤں کا مختلف سمتوں سے چلنا خاص علامات کی حامل بات ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ متعدد اطراف کی ہواؤں کا وجود بہت سے طبیعاتی عجوبہ روزگار نشانیوں پر مشتمل ہے۔

جی ہاں! ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ ہمارا رب جلیل ہم سے بے پناہ شکرانے اور حمد وثناء کی توقع رکھتا ہے۔

موضوع نمبر 41

کائنات کا عظیم دھماکے سے وجود میں آنے کا نظریہ

THE BIG BANG THEORY

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾

(الفلق ۱۱۳)

ترجمہ : ''کہہ دیں پناہ مانگتا ہوں فلق کے رب کی۔ ہر اس شے کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔
(الفلق 113 آیت 2،1)

SAY : "I TAKE REFUGE WITH THE LORD OF THE FALAQ, FROM THE EVIL OF ALL HE HAS CREATED.

CHAPTER 113 (FALAQ), VERSES 1-2

یہ دو آیتیں جن کے معنی کی گہرائی تک ہم انہیں روزانہ تلاوت کرنے کے باوجود بھی نہ پہنچ سکیں، دراصل کائنات کی تشکیل کے متعلق چودہ صدیاں قبل سے اس علم کی حامل ہیں۔ جس کو جدید سائنس نے اب بیان کرنا شروع کیا ہے۔ مجموعی طور پر سورۃ الفلق میں انسان اور دوسری مخلوقات کی پیدائش پر بے حد اہم پیغامات دیئے گئے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ دلچسپ پیغام وہ ہے جو فزکس اور حیاتیات '(بیالوجی) کے علم کے نکتہ نظر سے پہلی آیت میں ہی عطا کردیا گیا ہے۔

جیسا کہ ہر ایک جانتا ہے لفظ خلق 'ان دو آیات کی تشریح کے سلسلے میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے قبل ایک موقع پر میں نے ذکر کیا تھا کہ اللہ جل شانہ' نے جو الفاظ منتخب کیے ہیں وہ بے حد اہم ہیں اس کا یہ فرمان کہ ہم ''اس کی رحمت میں پناہ ڈھونڈیں 'اس کی پیدا کردہ چیزوں کے شر سے'' یہ اللہ کی اس صفت کا بطور خاص اس طرح سے اظہار ہے کہ وہ ''فلق کا رب'' ہے۔

مزید تشریح سے یہ بات اور بہتر طور پر سمجھ میں آئے گی۔ ''فلق کے رب'' کا نظریہ اللہ کی پاس صفات کے اظہار کو اس کی پیدا کردہ تمام چیزوں کے تناظر میں بیان کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ''فلق کے رب'' کے مخصوص پوشیدہ معنی ہر تخلیق کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ دراصل یہی اصل معاملہ ہے۔ لفظ ''فلق''

میں ہی یہ رازپنہاں ہے اور یہی مختصرا" رب جلیل کے وصف کا بیان ہے۔

علم زبان کی اس شاخ کے مطابق جو زبان کی ساخت اور معنوں پر بحث کرتی ہے لفظ فلق کئی معنوں کا حامل ہے۔ مگر اس کا بنیادی مطلب "اچانک پھاڑا جانا اور ایک شدید دھماکہ" ہی ہے۔ یہ لفظ فلق کا مصدر ہے۔ ایک اور معنی کے لحاظ سے اس کا ایک مفہوم "پھٹ جانا" بھی ہے۔ یعنی یہ نظریہ ایک مخصوص قسم کے دھماکے کے نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ "فلق" ایک شدید ترین دھماکے کی پیداوار ہے۔ فلق ایک بیحد زیادہ اور غیر معمولی رفتار کے معنی بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں دو مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

"تفلق! انتہائی زیادہ رفتار سے دوڑنا

"مفلق! شاعر جو انتہائی مبالغہ آمیزی کرتا ہو۔

علم زبان کے اس مختصر بیان کے بعد اب ہم فلق کے ڈکشنری والے معنی کی طرف آتے ہیں۔ فلق ایک اسم ہے جس کی جڑ فلق ہے۔ اہمیت کی ترتیب کے لحاظ سے درج ذیل معنی پیش کئے جاسکتے ہیں۔

1- ایک مخلوق کا لاوجود سے بیحد تیزی کے ساتھ وجود میں آجانا۔

2- وہ پودا جس کا ظہور بیج کے پھٹنے سے ہوتا ہے۔

3- صد کا متبادل یا جوابی ہونا۔ یعنی ایک مخلوق جس کے ظہور کو پھٹنے کے عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لاوجود کے اندر سے وجود پذیر ہو۔ یہ تعریف اے۔ حامدی 'یزیر نے "سچ کا مذہب اور قرآنی لغت"

(THE RELIGION OF TRUTH AND LANGUAGE OF KORAN (TURKISH VOL. 9)

میں کی ہے۔

4- روزمرہ استعمال میں اس کی تشبیہ اس روشنی سے دی جاسکتی ہے جو اندھیرے سے پھوٹتی ہو یعنی صبح صادق (DAWN)۔

5- گانٹھوں والی وہ لکڑی جس سے پاؤں کے تلوں کو مارا جائے (اس سے لفظ فلقا" نکلتا ہے۔)

اس کی تشریح کے سلسلے میں مفسرین کی اکثریت نے عام فہم معنی ہی لئے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے اس کے تمثیلی معنی پسند کیے ہیں۔ (یعنی صبح' دن کا آغاز۔ سورج کا نکلنا) کچھ مفسرین نے دوزخ میں زبردست دھماکوں کا طبقہ مراد لیا ہے۔ ان معانی کی بنیاد پر ملنے والی احادیث بحث طلب ہیں۔ ابن سینا نے اس کے معنی اس بچے سے مراد لیئے ہیں جو ماں کے پیٹ سے برآمد ہوتا ہے۔

معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ لفظ فلق کے معنی ہیں وہ نتیجہ یا وجود جو ایک اچانک اور شدید دھماکے سے

پیدا ہو۔ الفظ کے دوسرے معنی ثانوی اور تمثیلی ہیں۔ اس قسم کے معنی یا القاب کی بنیادی وجہ پچھلے چودہ سو سالوں میں فزکس اور آسمانی فزکس (ASTROPHYSICS) کا کافی اور مناسب علم کا نہ ہونا ہے۔

آیئے اب ہم فزکس اور آسمانی فزکس کے علم کا کائنات کی تخلیق کے سلسلے میں مطالعہ کریں۔ اور اس کے توسط سے ہم یہ دیکھیں کہ وہ کیا عظیم الشان واقعہ تھا جس سے کائنات کی ابتداء ہوئی؟

جیسا کہ ہر ایک جانتا ہے کہ سائنسی حقائق اور دوسری طرف وہ معلومات جنہیں ملحد اور لادین لوگوں نے توڑ مروڑ کر بگاڑ دیا ہے، دو متضاد چیزیں ہیں۔ یہ ملحد لوگ کسی ایک سائنسی حقیقت کو چن لیتے ہیں اور اسے فضول قسم کے مفروضات میں الجھا کر لوگوں کو گمراہ کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ سائنسی حقائق جن کا تعلق کائنات کی تخلیق سے ہے ان کے متعلق میں ان لوگوں کے پیدا کردہ بگاڑ کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ اب ہم ذیل میں کائنات کے عظیم دھماکے سے وجود میں آنے۔ بگ بینگ تھیوری (BIG BANG THEORY) کو مختصراً بیان کریں گے کہ کس طرح تخلیق کائنات واقعی ایک ابتدائی (PRIMORDIAL) دھماکے کا ہی نتیجہ ہے۔

گزشتہ چوتھائی صدی کے دوران، کائنات کے وسعت پذیر ہونے سے متعلق اہم دریافتیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ پوری کائنات، فلکی اور کروی طور پر ایک غبارے کی طرح پھیل رہی ہے۔ اس کا تصور اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ کرے کی سطح ایک مرکز سے باہر کی طرف کو مسلسل پھیل رہی ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے کے ایک مضمون میں بیان کیا جاچکا ہے کہ قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ "ہم کائنات کو پھیلاتے ہیں" چنانچہ یہ دریافتیں اس عظیم آسمانی کتاب کے فرمان سے پوری طرح مطابق رکھتی ہیں۔

1950ء کی دہائی میں "بگ بینگ" کا نظریہ رالف الفر (RALPH ALPHER) بیتھے (HANSE BATHE) اور جارج گاموو (GEORGE GMOW) نے پیش کیا تھا انہوں نے اس کی بنیاد آئن سٹائن کے اس تصور پر رکھی کہ کائنات کو لازمی طور پر بڑھنا یعنی وسعت پذیر ہونا ہے۔ کئی سالوں تک اس نظریے پر گرما گرم بحثیں ہوتی رہیں۔ مادہ پرست ملحدوں نے اس کی جان توڑ مخالفت کی۔ اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ اس کے ذریعے مقدس کتابوں میں تخلیق سے متعلق تمام کہانیاں صحیح ثابت ہو جاتی تھیں۔

حالیہ سالوں میں دو دریافتوں نے "بگ بینگ تھیوڑی" کو حتمی طور پر صحیح ثابت کر دیا ہے۔ ان میں سے پہلی ایڈون پی۔ ہبل (HUBBLE) کی سماوی "لال تغیر" (RED SHIFT) کی دور ہٹتی ہوئی کہکشاؤں کی

دریافت ہے۔ مگر اس سلسلے میں فیصلہ کن واقعہ 1965 میں 3 ڈگری کیلون (3 DEGREE KELVIN) مائکروویو کی پس منظر میں نظر آنے والی اس اشعاع کے نکلنے کی دریافت تھی جو کائنات میں سرایت کر جانے والی اس ابتدائی شدید دھماکے کی باقیات ہیں۔ تب سے لیکر "بگ بینگ تھیوری" زیادہ دلکش انداز میں پیش کی جاتی رہی ہے۔ اور جدید دور کی آسمانی فزکس کی تمام حیران کن دریافتوں پر بحثوں کی بنیاد بنتی رہی ہے۔

فزکس کے علم کی مہیا کردہ ایک اور دریافت بھی ہے جس نے سائینسدانوں کے تصورات کو یہ معلوم کرنے میں مدد کی ہے کہ کس طرح عظیم دھماکہ یا بگ بینگ واقع ہوا۔ یہ سالمات جواہر سے عاری آزاد خلا (FREE VACUUM) کا تحلیل (DECAY) ہونا ہے۔ شروع میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ خلا یا ویکوم میں کوئی چیز موجود نہیں ہوتی لیکن اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ویکوم در حقیقت اس کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے۔

یہ جدید نظریہ ہائزن برگ کے "اصول غیر یقینی" (UNCERTAINTY PRINCIPLE) پر مبنی ہے۔ واضح اکائیوں میں موجود توانائی یعنی کوانٹم کے عمل کی غیر یقینی سے ایک الیکٹرون کی توانائی خود بخود گھٹتی بڑھتی یا ڈگمگاتی رہتی ہے۔ اگرچہ اس الیکٹرون سے دوسری توانائی کو دور بھی کر لیا جائے تب بھی یہی اصول ایک خلا کے مقامات یا نقطوں پر بھی صادق آتا ہے۔ اگر ان صفر درجہ کی تمام حرکات (ZERO POINT FLUCTUATIONS) کو گرفتار کر کے اکٹھا کر لیا جائے تو یہ قوی ہیکل اور مہیب توانائیوں کی شکل بن جائیں گی۔ اور اس کو کائنات کے دوسرے مقامات سے توانائی کا ادھار احاصل کرنا تصور کیا جائے گا۔ نتیجتاً "ایک ذرہ پید ہو کر اس ادھاری توانائی کے ذریعے' اسی ہی لمحے فوراً" تباہ ہو جائے گا۔ یہ نظریہ جو عقل سلیم میں آسانی سے نہیں آتا' سب سے پہلے 1948ء میں ڈچ ماہر طبعیات ہینڈرک کیسیمیر (HENDRIK CASIMIR) نے پیش کیا تھا ان ذرات کو "واقعاتی یا بھوت ذرے" کہا جاتا ہے اور اگر انکو باہر سے کافی اور مناسب توانائی مہیا کی جائے تو ان میں قوت دار جان پڑ جاتی ہے۔ ایسے ذرات کا وجود اسی سال امریکہ کے ماہر طبعیات ولس لیمب نے بھی ثابت کر دیا (دیکھئے اس کتاب کا موضوع نمبر 20) حال ہی میں فزکس کے نامور پروفیسر پال ڈیویز (PAUL DAVIES) نے بڑی بہادری سے اعلان کیا ہے کہ اس طرح لاوجود میں سے نئے مادے کا پیدا ہو جانا خود اللہ کی قدرت مطلق کا کھلا ثبوت ہے۔

ان جدید نظریات نے بگ بینگ تھوری کے متعلق ہماری سمجھ بوجھ کو مزید بڑھاوا دیا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شدت سے پھٹنے والا دھماکہ ہی کائنات کی بنیاد تھا۔ اور یہی ستاروں اور کہکشاؤں

کے مادی ڈھانچوں کو وجود میں لانے کا باعث بھی تھا۔ حالیہ گنتی اور شماروں کے مطابق اس عظیم دھماکے نے اپنا پہلا مرحلہ ایک سیکنڈ کے ایک ارب والے حصے کے اندر ہی پورا کرلیا تھا۔ اس وقت کہکشاؤں اور ستاروں کے بنانے والا مادہ ایک بیحد گرم پگھلا ہوا اور ایک ساتھ جڑا ہوا آمیزہ تھا۔ اس کا ابتدائی علیحدہ علیحدہ ہونے کا عمل ایک سیکنڈ کے پہلے ہزارویں حصہ میں ہی ہوگیا۔

اب ہم آسمانی فزکس کی ایک اور دریافت تک پہنچ چکے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہکشاؤں نے اپنا وجود کس طرح برقرار رکھا ہوا ہے؟ کچھ عرصہ قبل اس سوال کا جواب مہیا کرنا بیحد مشکل تھا اس لیے کہ ان کی کمیت (یعنی ان میں پائے جانے والے مادے کی مقدار) اور ثقلی قوتیں اس قدر مضبوط نہیں تھیں کہ وہ ان اکائیوں کی صورت میں نظر آسکتیں۔ نظر نہ آنے والے مادے کا وہ پراسرار نظریہ ابھی حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے' جو اس گتھی کو سلجھا سکے۔ اور ستاروں کے درمیان نظر نہ آنے والا مادہ اور کہکشاؤں کے قالب میں موجود سیاہ شگاف ملکر انکے آپس میں ایک ساتھ جڑے رہنے کی قوت یا خاصیت کو پیدا کردیتے ہیں۔ یہ سب سلسلہ اس پہلے اور ابتدائی دھماکے سے ہی قائم ہوا جسے عظیم دھماکہ' یا بگ بینگ کہتے ہیں۔

آیئے اب آسمانی فزکس کے حقائق کی روشنی میں اس آیت مقدسہ کا مطالعہ اس کی تمام تر عظمتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

"میں پناہ مانگتا ہوں (بگ بینگ والی تخلیق کے) رب سے' اس کی پیدا کردہ چیزوں کے شر سے۔"

چیزوں اور مخلوقات کی تشریح کے لیے قرآن نے "فلق" کی اصطلاح استعمال کی ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ ان کا وجود ایک ابتدائی دھماکے سے قائم ہوا۔ اس آیت کا سب سے زیادہ اہم پہلو وہ ہے جس کے تحت اللہ کے قادر مطلق ہونے کی صفت کا لفظ کا فلق سے تال میل پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ بہت سے مفسرین نے محسوس کیا ہے کہ یہی وہ آیت ہے جو اللہ کے خالق اور مالک کل ہونے کے اوصاف کو سب سے بہتر طور پر بیان کرتی ہے۔ کائناتی سطح کے ایک عظیم دھماکے کے نتیجہ میں ایک سیکنڈ کے دس اربویں وقت میں ہی کھربوں کی تعداد میں ستارے تخلیق ہوگئے۔ اور یہ صرف اللہ رب العالمین کی پاک صفت کے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ رب العالمین کی خصوصیت سے مراد اللہ کی طرف سے حکم کا ہونا۔ مادی ترتیب عطا کرنا' رہنمائی کرنا اور نشوونما کو مکمل کرنا ہے۔ دراصل تمام ملحدوں کو جس سوال نے مشکل اور پریشانی میں ڈال رکھا ہے وہ یہ ہے کہ عظیم دھماکے کی وجہ سے پوری کائنات میں مادہ ایک ہی طرح اور ایک ہی مقدار میں کیوں نہیں پھیل گیا؟ کارخانہ قدرت میں ہمیں نظر آنے والی یہ ناقابل یقین پیچیدگیاں اور اسرار کیوں پیدا ہوگئے ہیں؟ اس

کے جواب میں بے سوچے سمجھے اٹکل پچو خلل اندازی کا نظریہ (نظریہ ارتقاء) بہت پیچھے اور ناکافی رہ جاتا ہے۔ اس لیے کہ کمپیوٹر کی تحقیقات اور جدید علوم نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اگر یہ ایک اٹکل پچو قسم کی غیر سنجیدہ دخل اندازی ہوتی تو وہ نتائج کبھی حاصل نہیں ہوسکتے تھے جو کہ اب کائنات کے مادہ میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ اربوں کی تعداد میں کہکشاؤں میں لاکھوں قسم کے نمونے کس طرح سے بنے ہوئے ہیں؟ یہی وہ سوال ہے جس کا جواب یہ آیت مقدسہ بہم پہنچاتی ہے۔ ورنہ کائنات کی ناقابل فہم پیچیدگیوں کو کائنات کی ابتداء سے متعلق پانی کی بنیاد ہائڈرولک کے خوش فہمی پر مبنی سادہ نظریات کو بتاتا تو اس یونانی فلاسفر کی یاد دلاتا ہے جس کی خیال میں انسانی ذہن، جو کہ کائنات میں سب سے زیادہ پیچیدہ نظام ہے، محض جسم کو ٹھنڈا رکھنے کا ایک آلہ تھا۔

کائنات کی مادی شکل ایک دھماکے کے ذریعے اللہ کی اس مرضی سے پیدا ہوئی کہ "ہوجا" اور فلق یا اس دھماکے سے پیدا ہنے والی تمام موجودات، اللہ کی ربوبیت کے طفیل ایک ناقابل بیان حد تک عظیم آسمانی کمپیوٹر سے ہم آہنگ ہوگئیں۔

عظیم ابتدائی دھماکے کے ساتھ ساتھ یہ آیت مقدسہ انفرادی طور پر بیحد چھوٹے پھٹ جانے 'یا دھماکے' کے نتائج کو بھی بیان کرتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک پودے کے بیج کا پھٹنا بھی اس زمرے میں آتا ہے۔ اسی طرح کسی جاندار جسمیہ کے فلق کی مثال اس طرح ہے کہ حامل ہونے کے بعد اور ایک کے بعد ایک مرحلوں پر، ٹوٹ پھوٹ کے عمل کے ذریعے وہ بلاراست تقسیم کے عمل سے گزرتا ہے۔ اس کی مثال خلیہ کی تقسیم ہے جو غیر تولیدی حصوں میں ہوتا ہے۔ مگر ایک سے دو خلیے بن جاتے ہیں۔ اسے خطیت (MITOSIS) کہتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں ان کے لیے یہ اٹل حقیقت ہے کہ دھماکے یا پھٹنے پر ان کی حیات اور ان کا نظم وضبط صرف اللہ کی قدرت پر ہی منحصر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ لفظ فلق کی نسبت کو صرف مالک کائنات کی ذات سے ہی جوڑتی ہے۔ اس لیے کہ تمام مخلوق کی ابتداء یا پیدائش ایک پھٹن یا دھماکے سے ہوئی ہے اور لفظ "فلق" کے ڈکشنری کے معنی بھی اسی عمل کو ظاہر کرتے ہیں۔ پھر بھی ہر چیز کو سب سے پہلے اپنی زندگی اور بقاء کے لیے اللہ تعالی کے عظیم مادی اور حیاتیاتی کمپیوٹر جیسے انتظام پر مکمل انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ انحصار تا ابد باقی رہے گا۔

یہ سورۃ ہمیں یہ اصل نسخہ عطا کرتی ہے کہ ہم ہر قسم کے شر سے خالق مطلق کی امان میں پناہ حاصل کریں۔ اور اسی میں آج سے چودہ سو سال قبل ہی تمام مخلوقات کی ابتداء اور آغاز کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

یقیناً "یہ ایک ناقابل بیان بصیرت ہے۔

یہ سورۃ اللہ کی زبان میں کہتے ہوئے معلوم ہو رہی ہے کہ "میری ربوبیت میں ان تمام پیدا کردہ چیزوں سے پناہ حاصل کرو جو میرے حکم پر ایک دھماکے کے ذریعے وجود میں آئیں۔ میں ہی تمہارا مالک ہوں اور میں ہی ان کہکشاؤں کا حاکم مطلق ہوں جن کو ایک حیران کن دھماکے کے ذریعے، جو کہ ایک اکائی سے شروع ہوا، پیدا کر کے فضائے بسیط کی لامتناہی دوریوں تک پہنچا دیا گیا ہے۔ جو کوئی بھی مجھ میں پناہ لیتا ہے وہ تمام قسم کی برائیوں اور شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔"

موضوع نمبر 42
سور کے گوشت کے خطرات
THE PERILS OF PORK MEAT

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٧٣﴾

(البقرہ ۲۔ آیت ۱۷۳)

ترجمہ : "اللہ کی طرف سے اگر پابندی تم پر ہے تو یہ مردار نہ کھاؤ۔ خون اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو۔ یا کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھالے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو۔ یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے۔ تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (البقرہ 2- آیت 173)

HE HAS FORBIDDEN YOU ONLY CARRION, BLOOD, THE FLESH OF SWINE, AND ANIMALS SACRIFIED TO OTHER THAN GOD. BUT IF ONE IS FORCED BY NECESSITY, WITHOUT WILFUL DISOBEDIENCE NOR TRANSGRESSING DUE LIMITS, THEN HE IS GUILTLESS. SURELY GOD IS ALLFORGIVING, ALL-MERCIFUL.

CHAPTER 2 (THE COW), VERSE 173

روز مرہ زندگی میں سور سے دور رہنے کے لیے یہی وجہ ہی کافی ہے کہ یہ بیحد غلیظ جانور ہوتا ہے۔ اور اس میں مشہور قسم کے نقصان دہ طفیلی جراثیموں کی تھیلی (TRAICHINA SYST) پائی جاتی ہے۔ مگر بد قسمتی سے ان معاشروں میں جہاں کئی سالوں تک سور کے گوشت پر پابندی رہی ہے، کچھ لوگوں نے اب یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اس جانور کے ڈاکٹری معائنہ کے بعد اس کو کھایا جا سکتا ہے۔

آیئے دیکھیں کہ سور کے گوشت کی ممانعت کے پیچھے کیا وجوہات ہیں؟ پچھلے پچیس سالوں میں قرآن کے اس حکم کی تائید میں سائنس نے متعدد وجوہ ڈھونڈ نکالی ہیں اور خود سائنسدان بھی اللہ کے اس واضح حکم پر

حیرت زدہ رہ گئے ہیں جو اس نے قرآن کی آیت میں دیا ہے۔ اب میں سور کے جسم کے ان حصوں پر خلاصہ پیش کروں گا جو انسانی صحت کے لئے مضرر ساں ہیں۔

مشہور جرمن میڈیکل سائنسدان ہائزک ریکوگ (HEINRICH RECKWEG) نے سور کے گوشت میں ایک عجیب قسم کی زہریلی پروٹین سٹوکسن (SUTOXIN) کی نشاندہی کی ہے جس سے کئی قسم کی الرجی والی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ زہر اس قسم کی الرجی والی بیماریوں مثلاً اگیزیما اور دمہ کے دورے (ASTHMATIC RASH) کا باعث بنتی ہے۔ اگر سٹوکسن کی مقدار یا خوراک کم ہو تو بھی اس سے تھکاوٹ اور جوڑوں کے درد مرض لاحق ہو جاتا ہے اس نکتہ نظر سے اگر کچھ لوگوں کی اس بات کو تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے کہ سور کا گوشت سستا ہوتا ہے تو اس سے ہونے والی بیماریوں سے وقت کے ضیاع اور دوائیوں پر اخراجات کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ تو اس گوشت کی کوئی خوبی نظر نہیں آئے گی۔

جانوروں پر تجربات کے سلسلے میں سور کا اثر ہمیشہ نظر آجاتا ہے۔ اس جانور کے رطوبت چھوڑنے والے غدودوں کے نظام (LYMPHATIC SYSTEM) میں تیزی سے ہونے والی فرسودگی سے ایسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو اس وجہ سے ہے کہ یہ جانور نقصان دہ بیکٹریا سے بھری ہوئی خوراک متواتر، بغیر وقفہ کے کھاتا ہی رہتا ہے۔

خنزیر کے گوشت میں ایک عنصر میوکوپولائزک چیرائد (MUCOPOLYSAC CHARIDES) کافی زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس میں کندھک (سلفر) ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس کی وجہ سے جوڑوں کی بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سور میں بڑھنے کے عمل میں تیزی پیدا کرنے والے ہارمون کثیر تعداد میں مرکوز ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے گوشت کے عادی لوگوں کے جسم بھی بدنما اور عیب زدہ ہو جاتے ہیں۔

ایک اور پریشان کن بیماری جو سور کے گوشت کے ذریعے پیدا ہوتی ہے اسے شیپ وائرس (SHAPE VIRUS) کہتے ہیں۔ یہ وائرس انسانی پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اس لیے کہ خود سور کے پھیپھڑوں میں بھی یہ کثیر مقدار میں پائی جاتی ہے۔

اب میں صحت پر سور کے گوشت کے اور زیادہ خطرناک اثرات کی نشاندہی کروں گا۔

(1) سور کا گوشت خون میں چربی والے اجزاء کا تناسب کا ضرورت سے زیادہ مقدار میں اضافہ کر دیتا ہے۔ آج کل ایسی خوراک یعنی قیمہ بھری آنتوں (SUSAGES) اور' سالامی وغیرہ بہت مرغوب سمجھی جاتی ہیں۔

سور کھانے والوں کے جسم رفتہ رفتہ ایک انگیٹھی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں یورپ کے کئی شہروں میں یہ حقیقت با آسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ پروفیسر لیٹرے (PROF. LETTRE) نے تابکاری طریقے (RADIOACTIVE TAGGING) استعمال کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ خوراک جسم کے اسی حصہ میں مرکوز ہو جاتی ہے جس حصہ کی وہ خوراک ہے۔ چنانچہ اس نظریے کا ثبوت مل جاتا ہے کہ سور کھانے والوں کے جوڑوں میں چربی اکٹھی ہو جاتی ہے۔

اب میں اس مہلک بیماری کا ذکر کروں گا جو سور کھانے والوں کو لاحق ہو جاتی ہے۔ یہ چنونے یا کیڑوں والی بیماری ہوتی ہے جسے (TRACHINA) کہتے ہیں۔

سٹاہل (STAHL) نے اس موضوع پر اپنی کتاب "دی وارمی ورلڈ" (WORMY WORLD) میں یہ معلوم کیا ہے کہ دنیا میں تقریباً" تین کروڑ کی تعداد میں لوگ اس بیماری کے شکار ہیں۔ لاعلمی پر مبنی خیالات کے برخلاف اوپر بیان کردہ بیماری "ٹرائی کینا" دماغ میں صرف نقصان دہ گلٹی یا تھیلی ہی نہیں بناتی۔ بلکہ چونکہ سور سے پھیلائی گئی یہ وبا خون میں رکاوٹ یا منجمد کرنے کا عمل بھی پیدا کرتی ہے اس لیے اس سے ٹائیفائیڈ جیسا موذی مرض بھی ہوتا ہے۔ اور اس سے اچانک موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ سور کا گوشت جسم کے پٹھوں میں مرکوز ہو کر پٹھوں کی خطرناک بیماریوں کو جنم دیتا ہے۔ سور سے متعلق مخصوص "چوڑے خنزیری کیڑے" (TAPE WORM) والی ایک اور بیماری بھی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے یورپی ممالک میں سور کے پھیپھڑوں کا کھانا ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ مگر پھر بھی سور کے عام گوشت کے ذریعے بھی بیماری پیدا ہو سکتی ہے۔ انسانی صحت کو سب سے زیادہ نقصان اس بیماری سے ہوتا ہے جس میں اس جانور کے گردوں کی سخت چربی کے ذریعے آنتوں میں خاص قسم کے طفیلی کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ عام فہم بات ہے کہ جانوروں کے گوشت میں دو قسم کی چربی ہوتی ہے۔ پہلی تو وہ ہے جو صاف نظر آتی ہے اور گوشت کے اوپر لپٹی ہوئی ہے۔ جبکہ دوسری قسم کی چربی وہ ہوتی ہے جو خود گوشت کے پٹھوں کے ریشوں کے اندر ہی پائی جاتی ہے۔ جہاں تک چربی کا گوشت میں مرکوز ہو جانے کا معاملہ ہے دوسری قسم کی چربی سے بطور خاص ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں عام قسم کے گوشت کی چیزوں میں چربی کا تناسب درج ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

1-	بچھڑے کا گوشت	10 فیصدی
2-	بھیڑ کا گوشت	20 فیصدی
3-	بھیڑ کے بچے کا گوشت	23 فیصدی

4- سور کا گوشت 35 فیصدی

جانوروں سے حاصل کردہ چربی جو ہمارے جسم میں جاتی ہے اس کے متعلق یہ تحقیق ہو چکی ہے کہ انسانی خون میں یہ سب سے کم مقدار میں تحلیل یا گلتی ہے۔ چنانچہ اس کے کھانے سے خون میں چربی (LIPID) اور کولیسٹرول (CHOLESTEROL) کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اجزاء خون کے بہاؤ میں زیادہ عرصہ تک موجود رہیں تو یہ چپکنے سے رکاوٹ بناتے ہیں۔ اور خون کی شریانوں کو سخت کر دیتے ہیں۔ آج کل تو پوری طرح سے مان لیا گیا ہے کہ خوراک میں چربی کا زیادہ مقدار میں ہونا ہی دل کی شریانوں کی بیماریوں کا سب سے بڑا سبب ہے۔ خون میں چربی کی مقدار کا ضرورت سے زیادہ ہونا وقت سے قبل بڑھاپے، ضعف فالج اور دل کے دورے کی بلاشبہ ایک اہم وجہ ہے۔

آجکل قصائی کی دکان میں داخل ہونے والا ہر گاہک بغیر چربی کے گوشت کا طلبگار ہوتا ہے۔ مگر در اصل اس چربی کی زیادہ اہمیت نہیں ہے جو گوشت کے باہر ظاہری طور پر نظر آتی ہے۔ بلکہ اس چربی سے ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے جو گوشت کے اندر پٹھوں کے ریشوں میں چھپی ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں کیا کیا جائے جہاں قصائی دکان میں صرف سور کا گوشت ہی فروخت کر رہا ہے؟ اس سلسلے میں دو باتیں ہیں۔

(الف) یا تو اس گوشت کو خرید لیا جائے جو پوری صحت کو زہر آلود کر دیتا ہے اور بطور خاص خون کی شریانوں کو۔

(ب) یا پھر آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں تو ایک مسلمان ہوں اس لیے کچھ خریدے بغیر اس دکان سے باہر آجانا چاہیئے۔ اور اس طرح اپنی صحت کو خراب ہونے سے بچا لیا جائے۔

ہم صاف صاف دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن اس فرمان کے ذریعے ایک بلاوجہ قسم کی نکتہ چینی نہیں کر رہا۔ بلکہ یہ فرمان ایک طرح سے انسانی صحت کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

حیران کن بات یہ ہے کہ سور کے گوشت کے ان نقصانات کا وسیع طور پر علم ہو جانے کے بعد بھی اس کو متواتر کھایا جا رہا ہے۔ میرے خیال میں اس سلسلے میں معاشی عوامل کا خاصا دخل ہے۔ مگر بہت جلد یہ چیز صحت کے لئے ایک خطرناک مسئلہ بن جائے گی۔ آج کل تو یہ بالکل عیاں بات ہے کہ دل اور خون کے شریانوں کی بیماریاں ان معاشروں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں جہاں سور کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے۔ پھر بھی ابھی حال تک سور کے گوشت میں ضرورت سے زیادہ چربی کا وجود، عوام میں تشویش یا بحث مباحثے کا موضوع نہیں بنا ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ اب ایجنڈے پر آچکا ہے، اور یہ امید کی جاسکتی ہے کہ دنیا مستقبل

قریب میں سور سے اجتناب کرتے ہوئے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے گی۔

سور کے گوشت میں بہت زیادہ چربی سے ایک اور نقصان وہ ہے جس سے انسانی جسم میں وٹامن ای (VITAMIN-E) ضرورت سے زیادہ خرچ ہو جاتی ہے۔ ایسے گوشت کھانے والوں میں وٹامن ای کے فوراً" تحلیل ہونے کے عمل سے اس وٹامن میں اندرونی مخفی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ وٹامن ای بہت سارے دلچسپ کام سرانجام دیتی ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو اس کا جنسیاتی غدود پر اہم اثر ہے۔ موٹے لوگ، خاص طور پر سور کھانے والے لوگ وٹامن ای کی کمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً" جنسیاتی طور پرست اور نامرد ہو جاتے ہیں۔ چونکہ وٹامن کی کمی رفتہ رفتہ وٹامن اے کی کمی بھی پیدا کرتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف قسم کی جلدی اور آنکھوں سے متعلق بیماریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

(2) جیسا کہ میں نے اس باب کے شروع میں بیان کیا ہے مستقل اور متواتر گندی خوراک اور فضلہ کھانے سے سور کے جسم کا لمفی نظام متواتر حرکت میں رہتا ہے اور ان حفاظت دینے والے اجزاء سے بھرا رہتا ہے جس میں مخصوص سفید چربی البومن (ALBUMIN) پائی جاتی ہے۔ یہ اجزاء جو جسم کے حفاظتی (IMMUNE) نظام میں پیدا ہوتے ہیں اور جن میں متعدی امراض سے متعلق تحقیقات ہو رہی ہیں، دوسرے جسمیوں یا مخلوق کے لئے انتہائی زہریلے اور مہلک اثرات رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ایک جسمیہ یا مخلوق کے لیے انتہائی زہریلے اور مہلک اثرات رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ایک جسمیہ یا مخلوق اپنے جسم کے خلیوں کی حفاظت کے لیے جو مخصوص قسم کے پروٹین پیدا کرتا ہے وہی پروٹین دوسرے جسمیہ یا اس کے کھانے والوں کے خلیوں کے لیے زہر کا اثر رکھتا ہے۔ اس حقیقت کی بنا پر سور کے گوشت کے مسلسل استعمال سے مختلف الرجی کی قسم کی بیماریاں اور پٹھوں کی سوجن کی بیماری بھی پیدا ہو جاتی ہی۔ اگرچہ یہ حتمی طور پر ثابت نہیں ہو سکا لیکن یہ بالکل قرین قیاس بات ہے کہ یہی اجزاء ہمارے نسوں اور رطوبت پیدا کرنے والے لمفی نظام کے عمل میں انتشار کا باعث بھی بنتے ہیں۔

چونکہ خنزیر ایک ایسا جانور ہے، جو بہت سی بیماریوں کا شکار رہتا ہے، اس لیے یہ ناممکن ہے کہ اس کے گوشت کو کھانے اور ہضم کے ذریعے نقصاندہ سفید چربی والی البومنز، جنہیں انٹی بوڈی (ANTIBODIES) کہتے ہیں، بھی انسانی جسم کے اندر داخل نہ ہو جائے۔ الغرض سور کا گوشت ایک ایسی خوراک ہے جسے نشوونما کے لیے نہیں بلکہ خود کو زہریلا مواد کھلانے کے لیے ہی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ اس سلسلہ میں تمام قسم کے حقائق سامنے آچکے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اس کو محض شوق اور دکھاوے کے لیے ہی کھاتے ہیں۔

ان کا مسئلہ تو اور بھی زیادہ خراب ہے۔

اس آیت کے ذریعے ایک اور اہم سبق جو ملتا ہے وہ یہ ہے کہ سور کے گوشت کو خون اور مردار گوشت کے ساتھ ساتھ ہی حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اس کی مثال اس طرح ہے کہ نقصان دہ جراثیم اور دیگر جانوروں سے پیدا ہونے والے زہر (ٹاکسن) اس نکمے گوشت یعنی جگر یا دل کے گوشت میں ایک ساتھ جمع ہو جائیں اسی قدر نقصان دہ اجزاء سور کا گوشت مہیا کرتا ہے۔ ہماری توجہ بطور خاص خون میں پائی جانے والی رطوبت (سیرم) کا سور کے لمفی نظام سے پیدا ہونے والی البومن کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں سور کے گوشت کو مردار گوشت سے اس لئے ملا دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں جراثیم آلود گندگی پائی جاتی ہے۔ اور خون سے اس لئے ملایا گیا ہے کہ دونوں کے البومن میں نقصان دہ رطوبت (سیرم) پائی جاتی ہے۔

آخر میں، میں اس سائنسی نکتہ نظر کو پیش کروں گا جس میں سور کے گوشت سے متعلق ایک اور اہم بات کی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان دانشوروں نے دعویٰ کیا ہے کہ صرف سور ہی ایک ایسا جانور ہے جس میں اپنی مادہ کے سلسلے میں کسی قسم کے حسد یا غیرت کا جذبہ نہیں پایا جاتا اور اس لئے وہ اس کے لیے (مادہ کے لیے) لڑائی بھی نہیں کرتا۔ اسی نسبت سے سور خوری کرنے والے لوگ بھی جنسیاتی طور پر بے حس ہوتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اس سے قبل بیان کیا ہے، وٹامن ای کی شدید کمی جو سور کی چربی سے ہوتی ہے اس نظریئے کو مزید تقویت دیتی ہے۔

ایک اور اہم نشانی یہ ہے کہ ہماری مقدس کتاب یعنی قرآن لحم خنزیر کو چار مختلف آیات میں منع کرتی ہے۔ اس کے حرام ہونے کا حکم سورۃ البقرہ (2) کی آیت نمبر 173 سورۃ المائدۃ (5) کی آیت نمبر 3 سورۃ الانعام (6) کی آیت نمبر 145 اور سورۃ النحل (16) کی آیت نمبر 115 میں صریحاً" دیا گیا ہے۔ اس حکم کا چار مختلف سورتوں میں دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس حقیقت کو پرزور طریقے سے لوگوں کو بتایا جائے کہ ہر شخص اس مسئلہ پر پوری توجہ کرے۔ اس لیے کہ سور کے گوشت کے مسئلے کی نشاندہی ہمارے اپنے زمانے ہی میں ہو گئی ہے اور سائنسدانوں نے اس خطرناک خوراک پر تفصیلی تحقیقات کر لی ہیں۔

موضوع نمبر 43

دوزخ کا ایندھن

THE FUEL OF HELL

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾ (التحریم ٦٦)

ترجمہ : "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔" (التحریم آیت 6)

BELIVERSS. GUARD YOURSELVES AND YOUR FAMILIES FROM A FIRE WHOSE FUEL IS MEN AND STONES, AND OVER WHICH ARE HARSH. TERRIBLE ANGELS WHO DO NOT DISOBEY GOD IN WHAT HE COMMANDS THEM AND DO WHAT THEY ARE COMMANDED.

CHAPTER 66 (THE FORBIDDING), VERSE 6

اس آیت مبارکہ میں جس پیغام کی ہم تشریح کریں گے وہ ہے "وہ آگ کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔" اس موقع پر، آگے بڑھنے سے پہلے، ہمیں اس بات کو پوری طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ قرآن آج سے چودہ سو سال قبل نازل کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں یہ تصور کرنا بھی ناممکن تھا کہ ایک ایسی آگ بھی ہو سکتی ہے جس کا ایندھن پتھر ہوں گے۔

پہلے کی طرح، آیئے ہم آیت کے سب سے اہم نکات کی نشاندہی کریں۔

(ا) اول یہ کہ دوزخ اور آگ سے متعلق اس آیت میں اس کے ایندھن کی نشاندہی کی گئی ہے اور

ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

اگر یہ آیت صرف یہ بیان کرتی کہ جہنمی "آگ کا ایندھن انسان ہوں گے" تو ہمیں فوراً یہ خیال آتا کہ یہ بات ایک تشبیہ یا استعارے کے طور پر کی گئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ انسانوں کا ایندھن بننا ان کے اپنے اندر ایک عذاب میں جلنا ہے۔ مگر انسانوں کے ساتھ ساتھ چونکہ پتھروں کو بھی دوزخ کا ایندھن بنایا گیا ہے تو اس کی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں یہ بات استعارے یا تمثیل کی صورت میں نہیں کہی گئی۔ اور نہ ہی اس قسم کی کوئی تشریح کی جا سکتی ہے۔

(2) دوزخ کی آگ کے ایندھن کو اتنی صراحت سے کیوں بیان کیا گیا ہے؟ اس بات کو ذرا مخفی یا تمثیلی انداز میں بھی بیان کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ یہ وہ آگ ہے جس سے جنات کو پیدا کیا گیا۔ اور یہ کہ یہ وہ آگ ہے جس کو قادر مطلق نے پیدا کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس کے برخلاف اس ارشاد کے ذریعے ایک ایسا تصور پیش کیا جا رہا ہے جو آج سے چودہ سو برس قبل کے لوگوں کی سمجھ میں مشکل ہی سے آسکتا تھا کہ "وہ ایسے شعلے ہوں گے جن کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔"

اس آیت کی بنیاد پر اسلام کے بہت سے مفکرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دوزخ کا آغاز اس وقت ہو گا جب یوم حساب مکمل ہو چکا ہو گا۔ اس کے برعکس ان کے نزدیک جنت ہمیشہ سے قائم ہے۔

(3) اس آیت کا سب سے اہم پیغام وہ ہے جس کے ذریعے ایک انتہائی اہم سائنسی سوال پوچھا گیا ہے۔ یہ سوال کھلے طور پر یہ ہے، وہ کون سی توانائی ہے جس کا ایندھن پتھر ہیں؟ یہ آیت ہمیں دعوت دیتی ہے کہ فزکس میں حرارت اور توانائی کے نظریات کے تحت ہم اس سوال کے جواب کی تلاش کریں۔

(4) ظاہری طور پر اس کے جواب میں کوئلے کا نام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اول تو عربی میں کوئلے کا لفظ موجود ہونے کے باوجود بھی اس آیت میں استعمال نہیں کیا گیا۔ دوسرے اس آیت میں عام قسم کے پتھروں کو ہی ایندھن کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ مگر اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جب انسانوں کو ایک ایندھن بتایا گیا ہے تو یہ بھی ایندھن کی بنیادی خصوصیات کے مطابق ہے۔ روئے ارض پر کافی تعداد میں کاربن پایا جاتا ہے۔ اور چونکہ انسان کے جسم میں کاربن کے ایٹم خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں، تو اس مفہوم میں انسانوں کو ایندھن سمجھا جا سکتا ہے۔ دراصل اگر انسانوں کو پتھروں کی بجائے کوئلے کے ساتھ ملا کر بطور ایندھن کہا جاتا تو جدید سائنس اس بات میں حق بجانب ہوتی ہے کہ وہ اس کی ایک زیادہ آسان تشریح پیش کرتی ہے۔

چنانچہ ہمیں لازماً سب سے پہلے اس بات کی سائنسی توجیح ڈھونڈنا چاہئے کہ عام قسم کے پتھر ایندھن

کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں اپنے علم کو تازہ کرتے ہوئے جدید فزکس کے تحت حرارے (HEAT) اور توانائی (ENERGY) کے نظریات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے بنیادی طور پر حرارت ایک ارتعاش ہوتی ہے اور جوہروں (ایٹموں) کا ارتعاش 273 ڈگری سینٹی گریڈ یا صفر ڈگری کلون پر رک جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ وہ ایٹم، جو ہمارے فطرت کے ساتھ روزمرہ تعلق کے دوران ہمیں گھیرے رکھتے ہیں، متواتر ارتعاش کی صورت میں رہتے ہیں۔ دنیاوی یا ارضی مادہ کی کیفیات یعنی مجسم (SOLID)، مائع (LIQUID) اور گیس (GAS) مختلف سطحوں کی توانائی کو ظاہر کرتی ہیں۔ جب ایٹم میں توانائی کو داخل کیا جاتا ہے تو اس کا ارتعاش بڑھ جاتا ہے ایک مجسم میں ایٹم ایک خاص ڈھانچے کے اندر جمے (FROZEN) ہوتے ہیں۔ اور ان کے ارتعاش ان کو بہت معمولی سا موقوف یا ہٹاتے ہیں۔ مائع میں جو بندھن ایٹموں کو اپنی جگہ پر مجسم حالت میں برقرار رکھتے ہیں وہ اتنے قوی نہیں ہوتے کہ اس ارتعاش کو قابو میں رکھ سکیں۔ اور ایٹم اور سالمے (مالیکیول) ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر ایک دوسرے کے اوپر با آسانی پھسلتے رہتے ہیں۔ ایک گیس میں توانائی کی سطح مزید اونچی ہوتی ہے جس میں ایٹم اور سالمے اوپر اڑتے ہوئے کبھی کبھی آپس میں ٹکرا بھی جاتے ہیں۔ زندہ مخلوقات اپنا وجود انہی کیفیات، خاص طور پر پانی کی مجسم اور مائع حالت میں قائم رکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ وہ کیمیائی بندھن جو ان کی حیات کے لیے ضروری ہوتے ہیں اپنے آپ کو یک جا کئے ہوئے درجہ ہائے حرارت (ٹمپریچروں) میں داخل شدہ ہوتے ہیں۔ زمینی درجہ حرارت، محدود حدود، یعنی 80 اور 3000 ڈگری سینٹی گریڈ کے اندر ہی ہوتا ہے۔

بہرحال! فرض کریں ہم توانائی کو اس حد تک بڑھاتے رہیں کہ ہم ملین اربوں ڈگری تک پہنچ جائیں۔ اس سے وہ حالات پیدا ہو جاتے ہیں جو صرف قدرتی طور پر ستاروں کے اندرونی (قالب) میں ہوتے ہیں۔ اس کی مثال سورج ہو سکتا ہے یا پھر نئے ستاروں کے دھماکے (NOVAE) ہو سکتے ہیں۔ اب ہوتا یہ ہے کہ مضبوط نکلیائی قوت (وہ قوت جو نوات یا مرکزہ کو آپس میں جوڑے رکھتی ہے) اور چار مادی قوتوں میں سب سے مضبوط قوتیں اس قابل نہیں رہ جاتیں کہ وہ پروٹونز (پائیدار بنیادی ذرے) (PROTONS) اور عدلیہ (نیوٹرونز NEUTRONS) کو قابو میں رکھ سکیں۔ چنانچہ آخر الذکر، منفی برق پاروں (ELECTRONS) کے ساتھ مل کر ایک طرح کی "ایٹمی گیس" کی صورت میں ادھر ادھر اڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ مادہ کی یہ "چوتھی حالت" یا پلازما (PLASMA) ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر زیادہ توانائی بلکہ خود توانائی ہی کس طرح وجود میں آتی ہے۔ بنیادی

طور پر توانائی حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو کیمیاوی ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرا طریقہ ایٹمی یا نکلیائی ہوتا ہے۔ (چونکہ ہم یہاں آگ پر بحث کررہے ہیں اس لیے ہم نے یہاں توانائی کے میکانکی طریقے کو چھوڑدیا ہے' کیمیاوی اشیاء کے ایک دوسرے پر اثراندازی کے ذریعے ایسے ردعمل پیش ہوتے ہیں جو حرارت سے ماورا (ایکسٹروتھرمل) ہوتے ہیں یعنی جو توانائی کو خارج کرتے ہیں۔ یہ اس قسم کے ہوتے ہیں جیسے کاربن اور آکسیجن کے ملاپ سے اشتعالی سوختگی (COMBUSTION) کا پیدا ہونا اور ہم سب یہ جانتے ہیں کہ ایٹموں کے بیرونی خول میں منفی برق پاروں (الیکٹرونز) کے باہمی ادل بدل کے ذریعے ہی کیمیائی ردعمل ظاہر ہوتے ہیں۔

مگر مادہ سے توانائی حاصل کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔ اس کے لیے ہمیں سیدھا ایٹم کے قالب یا مرکزہ میں جانا ہوگا۔ ایٹموں کے مرکزے یا عناصر مختلف مقدار کی توانائی کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں۔ ان عناصر کو وقفے وقفے سے پروٹونز (ایٹموں کی تعداد) کے ذریعے بڑھایا جاسکتا ہے اور اکٹھا باندھنے والی توانائی کا خم (CURVE OF BINDING ENERGY) جو ہر مرکزہ کو دوسرے کے ساتھ جوڑے رکھتا ہے حاصل ہوجاتا ہے۔ پھر یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ خم لوہے کے اردگرد جو کہ سب سے زیادہ مضبوط عنصر ہے ایک ڈونگی یا لگن کی شکل کی ہوتا ہے۔ اور جیسے جیسے اس خم کے آخری کناروں کی طرف بڑھیں اسی قدر زیادہ سے زیادہ مقدار میں توانائی درکار ہوتی ہے۔ جس سے مرکزوں (نکلیا) کو اکٹھا یا یک جان رکھا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے ہلکے عنصر سب سے بھاری عنصر کے ساتھ بیحد کمزوری سے جڑے ہوتے ہیں۔ اور عناصر کے مرکزے جب لوہے کے ساتھ ملتے ہیں تو وہ زیادہ چست و توانا اور ساتھ ہی مستحکم روپ کے بھی ہوجاتے ہیں اور ہلکے عناصر کو آپس میں جوڑا جاتا ہے تاکہ انہیں مستحکم بنا کر ان سے توانائی کی کچھ مقدار حاصل کی جاسکے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہیت کے تبدیل ہونے سے معمولی مقدار کا مادہ بھی توانائی میں بدل جاتا ہے۔ اس قسم کی ممکنات تو آئن سٹائن کے زمانے بھی موجود سمجھی جاتی تھیں۔

اگر ہم ایک بھاری مرکزے (جیسے کہ یورینیم) کو نیوٹرون سے بمباری کرکے پھاڑیں اور مرکزے کو دو مرکزوں میں پھاڑ کر الگ کریں کہ جسے "نکلائی فژن" (یا انشقاق نودی) کہتے ہیں۔ تو نتیجتاً "توانائی کی بے پناہ مقدار حاصل ہوسکتی ہے۔ دوسری طرف جب ہم دو ہائڈروجن مرکزوں کو آپس میں ٹکرا کر ہیلیم کا مرکزہ حاصل کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی خاصی مقدار میں توانائی بھی حاصل کرتے ہیں۔ اس عمل کو "حر نکلیائی تعامل" یا تھرمونکلیر فژن (THERMONUCLEAR FISSION) کہتے

ہیں اور یہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان سارے مرحلوں میں بیحد اونچے درجے کے ٹمپریچر کی بات ہوتی ہے۔ فزن کا یہ طریقہ یا عمل ہی اٹم بم بنانے کا اصول ہے۔ جبکہ پگھلاؤ یعنی فزن (FISSION) کا طریقہ یا عمل تھرمونکلیئر یا ہائیڈروجن بم کا اصول ہے۔ آخر الذکر ہی وہ توانائی ہے جو ستاروں کے ایندھن کا کام کرتی ہے۔ بلکہ سورج کو تو اس جگہ سے مماثلت دی جاسکتی ہے جہاں ہر سیکنڈ کے وقت میں کئی ملین کی تعداد میں ہائیڈروجن بم پھٹ رہے ہوں۔

جب انشقاق یا فزن کے عمل کو کنٹرول میں لایا جائے تو اس سے ایٹمی بجلی گھر بن جاتا ہے۔ اب دیکھئے کہ ایسے بجلی گھر کا ایندھن نہ تو کوئلہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں تیل استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایندھن یورنیم 235 ہوتا ہے جو یونیم 238 سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس قسم کا یورینیم ایک مرکب کی صورت میں عام قسم کے ایک پتھر میں پایا جاتا ہے۔ البتہ اخراجات کے لحاظ سے صرف وہ پتھر جن میں یورنیم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے کان کنی کے قابل ہوتے ہیں۔

لیکن اس آیت مقدسہ سے مراد اس کے علاوہ بھی ایک اہم چیز ہے۔ یہ صرف ایک ایسے نادر رد عمل ہی کو بیان نہیں کررہی جو بیحد مخصوص حالات کے تحت حاصل کیا گیا ہو۔ ورنہ تو اس میں صرف پتھروں ہی کا ذکر ہوتا نہ کہ انسانوں کا بھی۔

توانائی کی وسیع مقدار مرکزوں (نکلئی) میں مقید ہوتی ہے۔ آئن سٹائن کی مساوات یعنی $E=MC^2$ کی رو سے یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ اگر صرف ایک گرام کی مقدار کے مادہ کو توانائی میں تبدیل کیا جائے تو اس سے حاصل ہونے والی توانائی اتنی ہوگی جتنی کہ 2500 ٹن کوئلہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر انسانوں اور پتھروں کے ایٹم کو براہ راست توانائی میں تبدیل کیا جاسکے تو ہمیں لامحدود اور ختم نہ ہونے والا ایندھن مل جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مقصد ہمیں سچائی سے آگاہی دلانا ہے جو مادہ کے جوہر میں پنہاں ہے اور گر اسلامی سائنسدان مثلاً البیرونی اور جابر جیسے لوگوں کے اس سنہری دور کو جاری رکھنے کا موقع مل جاتا تو ہم ایٹمی یا نیوکلائی فزن کو اب سے پانچ صدی قبل ہی دریافت کرچکے ہوتے۔

اس مرحلے پر میں اس سوال کی طرف توجہ دینا چاہتا ہوں جو بہت سے قارئین کے دماغوں میں پیدا ہوا ہوگا۔ میں نے اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے کہ کس طرح قرآن نے فزکس اور بیالوجی کے علوم سے متعلق حیرت انگیز پیغامات عطا کیے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام میں ان علوم کی طرف قابل ذکر ترقی نہیں ہوسکی۔

اس سوال کا جواب ڈھونڈنے سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا میں اسلام کے بابرکت ظہور کے 100 سے 300 سالوں کے اندر اندر اسلامی سائنسدانوں نے سائنس کے تمام میدانوں میں بنیادی

دریافتیں کرلی تھیں۔ البیرونی نے طبعیات (فزکس) میں، جابر خراسانی نے ریاضی میں اور ساتھ ہی ساتھ کیمیا میں عمر خیام نے ریاضی میں، ابن سینا نے حیاتیات (بیالوجی) اور طب (میڈیسن) میں ایسی بنیادیں فراہم کردی تھیں کہ جن پر جدید سائنس کی عمارت کی تعمیر ممکن ہو سکی۔ جب تاریخ کا مطالعہ انصاف اور غیر جانبداری سے کیا جائے تو یہ حقیقت صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ فزکس ریاضی اور بیالوجی کے علوم کی جڑیں مکمل طور پر اسلام کے سائنسدانوں کے کئے ہوئے کاموں ہی سے نکلی ہیں۔ اسلام کی ان دریافتوں کو یورپ نے اپنا کر ترقی کرلی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تہذیب وتمدن کی ترقی کی دوڑ میں ہمارے 900 سال پوری طرح ضائع ہو گئے۔

بعد میں اسلامی دنیا دو طرف سے حملوں کا شکار ہوگئی۔ ایک طرف تو اسے منگولوں کے حملوں اور ان کی فتوحات سے شدید نقصان اٹھانے پڑے۔ دوسری طرف سے اسے صلیبی جنگوں سے نقصان پہنچا۔ پہلی مصیبت تند و تیز اور سنگین خون آشامی لئے ہوئے تھی۔ جبکہ دوسری، ایک پرانی بیماری کی طرح صدیوں تک گھسٹتی رہی۔ جب سولہویں صدی عیسوی تک یہ طوفان تھا تو مغرب نے نئی زندگی حاصل کرلی۔ یعنی وہاں نشاۃ الثانیہ کے ذریعے علوم وفنون کے احیاء کا نیا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔ جبکہ دوسری طرف اسلام ہر قسم کی سیاسی کشمکشوں میں گھر کر رہ گیا۔ مسلمانوں کو نہ تو دین سے اور نہ ہی سائنس سے کوئی سروکار باقی رہا۔

آیئے اب ہم پھر تشریح کی طرف آتے ہیں۔ انسانوں اور پتھروں کا ایک مشت اور وسیع پیمانے پر ایک عظیم توانائی اور مہیت مقدار کی تپش میں تبدیل ہو جانے کے عمل سے گزار کر ہی اللہ انسان کو اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے نجات عطا کرے گا۔ مگر ابھی تک کئی ذہنوں میں یہ سوال حل نہیں ہوا ہوگا کہ اس شدت کی حرارت میں جہاں ایک ایٹم بم پگھل کر پلازما میں تبدیل ہو جائے، انسانوں کی زندگی کا نام ونشان ہی کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ اس سوال کے جواب کی اہمیت صرف اس آیت مبارکہ کے مفہوم کے اندر ہی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اس سوال سے بھی ہے کہ دوزخ میں محض عام قسم کی آگ کی تپش کے اندر بھی کس طرح انسانی زندگی برقرار رکھی جاسکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے سب سے ضروری بات اس حقیقت کی پہچان اور ادراک کا حاصل کرنا ہے کہ اس دنیا کے باہر بھی جب حواس خمسہ سے بالا نظام قائم ہو جائے گا تو زندگی کا سفر پھر دوسری طرح رواں دواں رہے گا۔ توانائی کی مخصوص اکائیوں (کوانٹا) اور ذروں (مالیکیولز) کے آپس میں بندھن قائم رکھنے کی صلاحیت اللہ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے۔ بطور خاص زندہ مخلوق کے معاملے میں یہ رشتہ ایک ایسے وقت کو ظاہر کرتا ہے، جو اس مخلوق کے جسم کی بناوٹ میں پہلے ہی سے پروگرام کردیا گیا ہے۔ مگر اس رشتے کو قائم کرنے کے لئے زندگی سے متعلق ارضی پروگرام مرتب کرنا ضروری چیز نہیں ہے یعنی یہاں سے

دوسری طرف بھی زندگی کے وجود کا اسی طرح ہونا ضروری نہیں ہے۔ دراصل یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ کائنات کو اربوں سالوں پر محیط نشوونما اور وسعت پذیری کا کوڈ (فارمولا) اس عظیم ابتدائی دھماکے کے پہلے سیکنڈ کے دس لاکھویں حصہ میں ہی مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس دھماکے نے چھٹے سیکنڈ تک کائنات بسیط کو پیدا کر کے اس سے بننے والی کہکشاؤں کو بھی اپنے اپنے مقامات پر مقرر اور متعین کر دیا تھا۔

چنانچہ دوزخ میں انسان مکمل طور پر بھسم ہو جائے گا تاکہ دوسرے ہی لمحے وہ دوبارہ وجود میں آجائے۔ یہ سلسلہ لامحدود طریقے پر ہمیشہ جاری رہے گا۔ اسلام کے عظیم مفکروں کے مطابق واقعات کے اس باقاعدہ تواتر کا مقصد یہ ہوگا کہ انسان میں سے اس کے برگشتہ اور گندے پہلوؤں کو نکال دیا جائے اور دوزخ ایک لیبارٹری کی طرح گمراہ اور گنہگار لوگوں کو پاک صاف کر دے گی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا پاک نظام ربوبیت' انسان کو' جو کائنات کا راہ گم کردہ بچہ ہے' پاک اور صاف کر دینے کے ساتھ ساتھ اس کو سزا بھی دیتا رہے گا' بالکل اسی طرح جیسا کہ اس دنیا میں بھی اس کو سزا دیتا ہے۔

چنانچہ یہی وہ معنی ہیں جو انسان کے ایندھن ہونے کے راز میں پنہاں ہیں۔

موضوع نمبر 44

دل کے رموز

SECRETS OF THE HEART

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ‌ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝۷

(البقرہ ۲ آیت ۷)

ترجمہ : "اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑگیا ہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔" (البقرة آیت 7)

GOD HAS SET A SEAL ON THEIR HEARTS AND THEIR HEARING, AND LAWERED A VEIL OVER THEIR SYES; GREAT IS THE PENALTY THEY INCUR.

(CHAPTER 2 (THE COW), VERSE 7)

یہ آیت قرآن کے سب سے زیادہ اہم سائنسی شاہکاروں میں سے ہے۔ یہ قطعی ناممکن ہے کہ اس کو سمجھے بغیر اور اس میں دیئے گئے سائنسی حقائق کا ادراک حاصل بغیر خود انسان کو ہی سمجھا جا سکے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دل گوشت کے ایک لوتھڑے کے سوا کچھ نہیں ہے اور یہ کہ مصنوعی دل بھی ان کی مدد کر سکتا ہے وہ ایک بہت بڑی غلط فہمی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جس کی بنیاد جہالت ہے۔ قرآن جو کائنات میں تمام دانائیوں کا منبع ہے' انسان کی تشریح اس کے اس سب سے زیادہ پر اسرار اور اہم مرکزی کی نسبت سے کرتا ہے۔ جو لوگ میری تحریروں میں ان پچاس آیتوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں جو عظیم سائنسی عجوبوں کو ظاہر کرتی ہیں یہ سوال پوچھ سکتے ہیں کہ قرآن کے ان معجزات کے باوجود لوگ فوراً" ایمان کیوں نہیں لاتے؟ کیا ان کے پاس دماغ اور عقل نہیں ہے؟ قرآن اس کا یہ جواب دیتا ہے۔ "ان کے پاس دماغ تو ہیں لیکن ان کے دل نہیں ہیں۔"

جیسا کہ ہم پہلے کرتے رہے ہیں آیئے سب سے پہلے ہم اللہ کے فرمان میں دیئے گئے پیغامات کی نشاندہی کرلیں۔

(1) دل کے ساتھ دو بنیادی حسی اعضاء یعنی آنکھ اور کان کے تعلق کو زور دے کر بیان کیا گیا ہے۔

(2) اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ دل ہی انسانی شعور اور ادراک کا مرکز ہے اور انسان سچائی اور حقائق تک کبھی نہیں پہنچ سکتا اگر خالق مطلق اس کے دل پر مہر ثبت کردے۔

(3) اگرچہ ظاہرا" آنکھ' کان اور دل اپنا اپنا کام کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن یہ جانچنے پرکھنے کی خوبی سے' جو کہ ان کی اصل ہے' عاری بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ان اعضاء کے ذریعے کائنات میں انسان جو سب سے زیادہ عظیم الشان کامیابی حاصل کر سکتا ہے وہ اللہ کی پہچان ہے۔ اگر وہ اس راز کو نہیں پا سکتا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ اعضاء اپنی اصل صلاحیتوں اور خوبیوں سے بالکل عاری ہیں۔ یہی وہ علم کی گہرائی ہے جو سائنس کے اندر موجود ہے۔

(4) انسان کو جو چیز انسان بناتی ہے وہ دل کا وجدان یا الہام ہی ہوتا ہے۔

(5) آنکھ اور کان محض حسی ذرائع ہی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اپنے عام کاموں کے علاوہ فیصلہ کرنے اور شعور کے حامل بھی ہوتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کو سمجھنے اور اس کی تشریح کرنے سے پہلے ہمیں اس عضو جسے دل کہتے ہیں' کے تمام پہلوؤں سے واقفیت حاصل کر لینا چاہئے۔ یہاں ذیل میں' میں دل کو سائنسی اصطلاحوں کے ذریعے بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں ایک تاریخی جواب پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے لیے میں ان لوگوں کے معاملے میں اس آیت کے عظیم الشان معانی میں پناہ ڈھونڈوں گا جو درپردہ طور پر ضمیر' محبت اور ایمان کے خلاف کام کرتے ہوئے سالہا سال سے یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ دل تو عام قسم کے پٹھوں کا ایک لوتھڑا ہے۔ نیچے بیان کردہ تفصیلی معلومات سے یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم اپنے اصل مضمون سے ہٹ رہے ہیں۔ اس لیے کہ دل کا صرف خون کی تقسیم کا کام ہی خدائی دانائی کا ایک عظیم مظاہرہ ہے۔

یہ دل کس نوعیت کا عضو ہے؟

اس کے ایسے کون سے مخصوص خواص اور کام ہیں جو اسے دوسرے اعضاء سے ممتاز کرتے ہیں؟ بناوٹ کے لحاظ سے تو دل' سینے پر مٹھی کے برابر ایک عضو ہے۔ مگر دراصل یہ ایک بیحد مختلف عضو ہے جو جسم کے سب سے دور اور آخری خلیے تک پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ وہ حصے جنہیں ہم خون والی رگیں کہتے ہیں' محض دل سے جڑے ہوئے پائپ ہی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو خود دل کی اپنی توسیع ہوتی ہیں۔ اعضاء کی تشریح کے علوم (اناٹومی) اور جنین کی نمو کا علم (امبریالوجی) بھی اس ناقابل تردید حقیقت کی شہادت دیتے ہیں۔ جیسا کہ ذیل میں تفصیل دی جائے گی۔ دل سب سے دور خلیے کو بھی ایک ایک مالیکیول

کر کے زندگی پہنچاتا ہے۔ اور ایسے حساب کتاب میں جس میں ہزاروں کمپیوٹروں کی ضرورت ہو یہ ذرہ بھر بھی غلطی نہیں کرتا۔ ہر جسم میں مختلف خواص یا حالات پائے جاتے ہیں۔ جن میں متواتر طور پر لحمہ بہ لحمہ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن دل ایک عظیم ریاضی دان کی طرح انتہائی مہارت سے ان کا شمار یا تخمینہ لگاتا ہی رہتا ہے۔ اس طرح یہ جسم کے تمام اعضاء کے تمام حیاتیاتی اعمال کو جاری و ساری رکھتا ہے۔ یہ شمار اور تخمینے بھی طرح بھی ایک کہکشاں کے طبعی ڈھانچے سے کم اہم اور کم حیران کن نہیں ہیں چونکہ دل کے متعلق سمجھ بوجھ کو اس نکتے کے سمجھنے کے بعد ہی آگے بڑھانا چاہیے تو اس مضمون کو میں چند مثالوں سے واضح کرنا چاہوں گا۔

فرض کریں آپ کچھ پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں دل دماغی یادداشت کے مراکز میں موجود شریانوں کو کھلا کر دے گا۔ اور آرام کی حالت میں ہونے والے معدے کی نسیں فوراً ''سکڑ جائیں گی۔ اگر اسی وقت آپ دودھ کا ایک گلاس پئیں تو یہ نسیں دوبارہ پھیل جائیں گی' یہاں تک کہ مناسب توازن دوبارہ برقرار ہو جائے گا۔ فرض کیجیے آپ دوڑ لگانا چاہتے ہیں اور آپ کے پٹھوں کو زیادہ خون کی ضرورت ہوگی' اس وقت دل اپنے دھڑکنے کی رفتار کو بڑھا دے گا۔ اس قسم کے صحیح صحیح اندازے لگانے کو دل کے ''زندہ'' ہونے کی نشاندہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا ان حقائق کو جھٹلاتے ہوئے آپ اب بھی دل کو سینے کے اندر ایک عامیانہ قسم کے گوشت کا لوتھڑا کہہ سکتے ہیں؟

اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ دل اپنی نسوں کی لمبائیوں کے ذریعے جسم میں دو کھلے شگافوں والے مقامات تک رہنمائی کرتا ہے۔ یہ مقامات ہیں پھیپھڑے اور گردے۔ پہلے مقام پر آکسیجن کے ذریعے خون کی صفائی ہوتی ہے۔ جبکہ دوسرے مقام پر خوراک کی باقیات صاف کی جاتی ہیں۔ آپ دیکھیے کہ یہ دونوں عمل دباؤ (پریشر) کی ایسی نازک ترین تراتیب سے سرانجام دیئے جاتے ہیں کہ جن کا تصور بھی مشکل ہے۔ پریشر میں چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی خون کے پھٹ کر باہر نکلنے کا باعث ہوگی یا پھر نسوں سے اس کی واپسی مشکل ہو جائے گی۔ ایک غیر معمولی ذہانت کے مالک GENIUS کی مہارت کے ذریعے جس طرح ہوتا ہے ان توازنوں کے تخمینے لگانے کے لیے دل بھی باری باری پھیلتا اور سکڑتا ہے اور یہ عمل خدائی شان کے حسن کی ہم آہنگی کے ذریعے ایک دن میں ایک لاکھ مرتبہ تک واقع ہوتا ہے۔ اور جدید ترین مگر حیران کن دریافت یہ ہوئی ہے کہ دل ہارمون پیدا کرنے والے غدود (ENDOCRINE GLAND) کا کام سرانجام دیتا ہے' اور ایک ایسے مائع کا اخراج کرتا ہے جو دوسرے ہارمونز کے ساتھ مل کر اس ہم آہنگی میں دل کی مدد کرتا ہے۔

دل اس وقت بھی حیات کے بیحد دلچسپ اور حیرت انگیز نمونے پیش کرتا ہے جب وہ رحم مادر میں خون کے نسوں کے ساتھ ساتھ بڑھنے کے عمل میں ہوتا ہے۔ یہ والو (VALVE) (پتلی جھلی دار نلکی) کی تشکیل کا عجوبہ ہوتا ہے۔ دل کے اندرونی اور بیرونی ٹشوز چار تہوں کی صورت میں ایسے شاندار اور پیچ دار چکروں کی تشکیل کرتے ہیں کہ جیسے شاہی پردے ہوں۔ ان سے ٹرائیکسڈ (TRICUSPID)، پلمنری (PLUMONORY)، اے اور ٹک (AORTIC) اور مائیٹر (MAIETRAL) والوز (VALVES) حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے دل خون کے اندر اور باہر پمپ کرتا ہے۔ یہ پردے بمعہ ان لڑیوں کے جو دل کے اندر تک پہنچتی ہیں دل میں تقریباً" ایک لاکھ مرتبہ اس طرح کھلتے اور بند ہوتے ہیں جیسے کہ اللہ عزوجل کے ہاتھوں ترتیب دیا ہوا ایک خوبصورت سین پیش ہو رہا ہے۔ ریشمی کپڑے کی پلیٹیں جیسے یہ والو، بیحد نزاکت سے ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں بند ہو جاتے ہیں۔ یہ سکڑنے کا عمل ایک سیکنڈ کے سویں حصہ میں واقع ہوتا ہے۔ اور یہ آہستہ آہستہ بتدریج کھلتے ہیں۔ یہ حرکت اس طرح لہراتی ہوئی سی ہوتی ہے کہ جیسے واپس ہوتے ہوئے خون کے لیے پردے بیحد خوبصورتی سے گرائے جا رہے ہوں اور پردے آہستہ آہستہ تھرکتے ہوئے سے لگتے ہیں۔ یہ سارا عمل ایک عبادت کی طرح ہوتا ہے "والو" کی یہ ریاضیاتی درستی ایک ایسا شاندار اور عظیم کمپیوٹر والا عمل ہوتا ہے کہ اگر اس سکڑنے کے عمل میں ہزاروں خلیوں میں سے ایک بھی غلطی کر جائے تو جان کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔

دل کا ٹشو ایک اور عظیم خدائی دانائی کا مظہر ہوتا ہے۔ تمام اعضا ایسے ٹشوؤں سے بنتے ہیں جو خود بھی مخصوص خلیوں سے بنتے ہیں۔ دل کے ٹشو ایک خاص جسامت رکھتے ہیں۔ بنیادی طور پر انہیں پٹھوں والے خلیے کہا جا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ جسامت میں دیگر تمام پٹھے والے ٹشوؤں سے علیحدہ قسم کے ہوتے ہیں۔ دل کے تمام خلیے اس طرح آپس میں مطابقت رکھتے ہیں یعنی (SYNCHRONIZED) ہوتے ہیں کہ جیسے وہ ایک ہی خلیہ ہوں۔ ان کا عمل لازمی طور پر علیحدہ علیحدہ نہیں ہوتا۔ مزید اہمیت کی بات یہ ہے کہ پٹھوں کے تانے بانے اس طرح عصبی ٹشوؤں (NERVES) سے گتھے ہوتے ہیں کہ دل کو عصبی پٹھوں والا ٹشو کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دل کے پٹھے کے اندر اور باہر دو عصبی مرکز ہیں۔ اور اس کے علاوہ دل کی دیواروں کے درمیان عصبی نسوں کا ایک بنڈل جیسا ہے۔ ان تین عصبی مرکزوں کو چھوٹے دماغوں سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ اور یہی چھوٹے دماغ ہیڑ اوپر بیان کردہ تمام کاموں کا حساب اور شمار کا انتظام کرتے ہیں۔ دل کا ایک علیحدہ دماغ میں واقع سیریبرل (CEREBRAL) کا نظام ہوتا ہے۔ یہ حقیقت اس امر کے باوجود ہے کہ ایک اور واضح نس بھی دل کو دماغ سے ملاتی ہے۔ علم اجسام کے بہت سے ماہرین نے اس

حقیقت کو مان لیا ہے کہ دل کا ہر ایک خلیہ خود اپنی بجلی (برق) پیدا کر سکتا ہے اور یہ آزادانہ طور پر ایک عصبیانہ (NEURON) کی طرح کام کرتا ہے۔ یہ دل کے اپنے الگ سے موجود نروس سسٹم کی برکت ہے کہ اگر دل تک دماغ سے آنے والی بجلی منقطع بھی ہو جائے تو تب بھی دل اپنا کام جاری رکھ سکتا ہے۔ اس اہم اور بیش قیمت نروس سسٹم کے علاوہ اورٹا AORTA کے نزدیک عصبی بافتوں یا نسوں کا ایک ایسا جنگشن جیسا ہوتا ہے جو دل اور ثمر بخش نروس سسٹم کے درمیان ایک رشتہ یا بندھن سا مہیا کرتا ہے۔ اور اسی جنگشن کے ذریعے غددوں سے متعلق اور جذبات کے اثرات سے متعلق پیغامات بھی دل کو پہنچاتا ہے۔

دل کی جھلی بھی خدا کی شاہکار نمونہ ہوتی ہے۔ اس دو تہوں والی جھلی کا یہ کام ہوتا ہے کہ جب وہ دھڑکتا ہے تو اسے نزدیکی واقع اعضاء سے محفوظ رکھے۔ اس مقصد کے لیے اس جھلی کی باہر والی دیوار ایک تو دل کو پسلیوں کے نزدیک سینے سے چھپکائے رکھتی ہے۔ دوسرے یہ اپنے اور اندرونی جھلی کے درمیانی جگہ میں ایک مختصر سی رطوبت چھوڑتی رہتی ہے۔

اس رطوبت کو دل کی پوری سطح پر اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ جیسے ایک بے حد نازک ٹیوننگ (TUNING) کی گئی ہے۔ اس سے دل کی باہر والی سطح سوکھنے نہیں پاتی۔ یہ رطوبت ضرورت سے زیادہ بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر ٹیوننگ ڈسٹرب ہو جائے اور رطوبت خشک ہو جائے تو ہمارا دل اس طرح زخمی ہو جائے گا۔ جیسے کہ وہ خار دار تاروں میں پھنس گیا ہو۔ اگر دوسری طرف یہ رطوبت زیادہ ہو جائے تو دل کی دھڑکن بند جیسی ہو جائے گی۔ اس جھلی کے خلیے صرف اللہ ہی کے حکم کے مطابق اس رطوبت کو بے تکان اور مسلسل ترتیب دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ حیاتیاتی عجوبہ جو دل کی بناوٹ کا اصل حصہ ہے۔

دل سے متعلق سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ پہلوؤں میں سے ایک، اسکی مخصوص برق مقناطیسی (ELECTROMAGNETIC) بناوٹ ہے۔ اپنے عمل کے دوران ہر عضو ایک بہت تھوڑی سی برقی کرنٹ پیدا کرتا ہے۔ مگر دوسرے ٹشو کے مقابلے میں دل میں اس کرنٹ کی مقدار یا طاقت اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ اسے جسم کے تمام حصوں میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ یہ برقی کرنٹ دل کے عمل کرنے کے طریقے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے اس کو ایک کاغذ پر گراف کی صورت دی جا سکتی ہے۔ اس سے اس وقت دل کی صحت کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اسے الیکٹرو کارڈیوگرام یا مختصر طور پر ECG کہتے ہیں۔

دل کے سب سے کم مشہور مگر اہم سائنسی پہلو اس کے مقناطیسی میدان ہیں۔ دل کو قدرت نے چھاتی

کے گڑھے میں بے ترتیبی یا بلا کسی مقصد کے نہیں رکھ دیا ہے۔ اس کے برخلاف یہ ایک الیکٹرونی عضو ہے جس کو ہزاروں زاویوں کے تخمینوں کے بعد اپنی جگہ پر لگا دیا گیا ہے۔ یہ اس طرح ہوتا ہے جیسے راڈار کا رسیور۔ اس کے بالکل صحیح جگہ پر لگانے کی وجہ سے اور تین مختلف جگہوں پر تین مختلف حصوں کی مدد سے دل ایک مقناطیسی میدان تشکیل دیتا ہے۔ ان میں سے پہلے وہ مقناطیسی سطح ہوتی ہے جو مرکز سے بائیں طرف جھکی ہوتی ہے۔ دوسری وہ عمودی سطح ہے جو دل کے دائیں کونے سے گزر کر انسانی دھڑ کے متوازی ہوتی ہے۔ تیسرا مقناطیسی میدان اس سطح میں ہوتا ہے جو بائیں کندھے سے شروع ہو کر، جگر کے اوپری کونے تک پہنچتا ہے۔ یہ تیسرا اور آخری محور ہی ECG ریکارڈنگ کی اصل سمت کو ظاہر کرتا ہے۔

چونکہ دل کے کام کرنے کا انتظام برقی طور پر ہوتا ہے اس لیے اس کے مقناطیسی نظام کا مستحکم ہونا بھی بے حد اہم ہوتا ہے۔ مگر یہاں ایک بہت اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔ دل کے عمل سے پیدا ہونے یا بننے والا مقناطیسی میدان سارے جسم کے خلیوں پر اس طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ یہ جسم کے ہر مقام کو اپنی توانائی کے نظام کی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ پھر دل تمام پر اسرار عجوبوں کی بنیاد ہوتا ہے۔ مثلاً قدیم چینی علم میں جسم کو آکو پنکچر والے مقامات سے لیکر اس جسمانی متضاطیسیت تک کو جو انسانی بدن کو گھیرے میں لیے ہوتی ہے اس کے اسرار ظاہر کرتے ہیں۔

میں اپنے قارئین سے درخواست کروں گا کہ آیت کریمہ کی اس موضوع کی تفصیلی معلومات سے مطابقت قائم رکھنے کے لیے میرے بیان پر غور کرتے رہیں۔ اس لئے کہ دل کی سائنسی موشگافیوں اور اہم نازک اعمال کو سمجھنے کے لیے پہلے ہمیں دل کی بناوٹ کو بھی سائنٹیفک طریقے سے سمجھنا چاہیے۔ میں ابھی اس بات کی وضاحت کروں گا کہ کس طرح دل مادی اور روحانی تجربات کے لیے ایک مشترکہ مقام (INTERFACE) ہے۔ اس کے مادی وجود کی حیران کن خصوصیات جسمانی مقناطیسی میدان کے ساتھ انتہائی بلندی پر پہنچ جاتی ہیں۔

اب دیکھیے کہ دل کو یہ مقناطیسی ڈھانچہ اس وقت کیسے ودیعت کیا جاتا ہے جب وہ اپنے حیات بخش جادو کے ذریعے جسم کے آخری خلیے تک بھی پہنچتا ہے؟ اور جس کے کسی حصے میں ہونے والے کسی بھی واقعے کی نشاندہی دل کے اس الیکٹرانی (ELECTRONIC) نظام کے ذریعے کس طرح ہوتی ہے۔ جسے اب حیاتیات کے علم الابدان (فزیالوجی) نے بھی تسلیم کرلیا ہے؟ اور دل کا اپنا الگ چھوٹا سا (ARTIOVENTRICULE) دماغ یا A-V کمپلکس) کیوں ہوتا ہی، جبکہ جسم کے دیگر تمام اجزاء ایک نس کی تار کے ذریعے دماغ کے ساتھ ملے ہوتے ہیں؟ یہ تمام عجائبات یہ ثابت کرتے ہیں کہ دل ایک عام قسم کا

پمپ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں تو اللہ کی ایک انتہائی حیران کن اور خوبصورت ترین صناعی پوشیدہ ہے۔

اگر ہم دل کے جذباتی پہلو کو دیکھیں تو ہم دیکھیں گے کہ دل کا جذباتی اثر عام قسم کے نروس سسٹم سے بہت بلند و بالا ہوتا ہے۔ ایک فرد جب وہ اپنے محبوب یا محبوبہ سے محو کلام ہو تو اسے بھوک یا درد کا احساس نہیں ہوتا۔ شجاعت کی دلسوز کہانی سنتے ہوئے آپ کی آنکھیں آبدیدہ ہوجاتی ہیں۔ اس تجربے میں دماغ یا نروس سسٹم کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ آپ کو اس موقع پر صرف دل ہی کے نزدیک کچھ اثرات محسوس ہوتے ہیں۔ یا دماضی آپ کے دل کو ایک زنبوز کی طرح مضبوطی سے بھینچتی ہے محبت کے زیر اثر آپ سینے میں ایک گرمی، جوش اور سرخوشی محسوس کرتے ہیں۔

آج کل کے روسی سائنسدانوں نے بھی دل اور ثمر بخش نروس سسٹم کے علاوہ اس تیسرے نروس سسٹم کی موجودگی کا خیال پیش کیا ہے۔ انہوں نے اس تیسرے نظام کو اس طرح سے پیش کیا ہے کہ انسانی سینے کے اندر یہ ایک ایسا حیران کن فعل ہوتا ہے جس کے مقام کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نروس سسٹم کا مرکز دل ہی ہوتا ہے جو دماغ سے بالا یا ماوراجذباتی واقعات کو اپنے ہی ساتھ ہم آہنگی عطا کرتا ہے۔ یہ حقیقت جس کی دہلیز پر سائنس ابھی ابھی پہنچی ہے انسان کی ہستی کا ایک بنیادی راز ہے۔ اب میں قرآن کے لامحدود اور عظیم کائناتی علم کی روشنی میں اس نظام کو بیان کروں گا۔

نروس سسٹم بالواسطہ طریقے سے تمام اعضاء کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ اگرچہ ایک طرف تو دونوں، یعنی مرکزی نروس سسٹم اور پھر جسم کی ایک مخصوص جگہ کا ثمر بخش (VEGETATIVE) نروس سسٹم دل کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف خود دل بھی اپنے طور پر ان سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اگرچہ ایسے بندھنوں کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، مگر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تارے کی شکل جیسی عصبی بافتوں کے اس جنگشن کے ذریعے جو شہ رگ کے نزدیک واقع ہوتا ہے دل تمامتر ثمر بخش، نروس سسٹم کو مدد پہنچاتا ہے۔ دل سے شروع ہو کر نروس سسٹم کے مراکز تک پہنچنے والے اثرات، گردوں کے نزدیک واقع ہارمون خارج کرنے والے غدوددوں (اڈرینل گلینڈز) تک پہنچتے ہیں۔ اور ان غدوددوں تک بھی پہنچتے ہیں جن کے عمل سے آنسو بن کر نکلتے ہیں۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ دل اپنے مقناطیسی میدان کے ذریعے ثمر بخش (ویجیٹیٹو) نروس سسٹم پر بھی اپنا کنٹرول قائم رکھتا ہے۔

انیسویں صدی عیسوی کی دقیانوسی تک بندی اب بہت دور کی بات ہو چکی ہے۔ اب ہم تو اس بات کو ماننے پر مجبور ہیں کہ دل کم از کم برقی مقناطیسی پیغام رسانی کا ایک اہم ذریعہ تو ضرور ہے۔

ہمارے جسم میں مرکزی نروس سسٹم اور دماغ جہاں ریکارڈ رکھے جاتے ہیں، ایک ایسا کمپیوٹری نظام ہے

جہاں سے جسم کے مختلف حصوں کو حرکت کے حکم جاری کیے جاتے ہیں۔ جبکہ جسم کے ثمر بخش (ویجیٹیٹو) حصے کئی پہلوؤں پر مشتمل ایسا نظام مرتب کرتے ہیں جو جذباتی اثرات اور دیگر بہت سے حیاتیاتی اعمال پر نظر رکھتا ہے۔ دوسری طرف ایک تیسرا نظام جو اہم پیمائشوں کو ظاہر کرتا ہے وہ دل ہے جو ہمارے پورے مادی اور روحانی وجود کو' ایک اکائی میں پروکر برق مقناطیسی بندھنوں (ELECTROMAGNTIC LINKS) کے ذریعے دماغ اور دوسرے نشوؤں سے جوڑتا ہے۔

ہمیں زمین پر بھیجنے سے قبل ہمارے پیارے رب نے ہمیں دو انتہائی اہم اوزار عطا کر دیئے ہیں۔ ایک ذہن یا فہم و فراست ہے جو دماغ کے کمپیوٹر میں آنے والی معلومات کی چھان بین کے عمل کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف دل ہے جو علم اور وجدان کو خود تخلیق کرتا ہے۔ اس کو اس سلسلے میں کسی اور عضو کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دل ہی اس علم و ادراک کی توجیہ اور تشریح کرتا ہے، ہم دماغ کے ذریعے بحث و تمحیص کر کے معلومات کو اس طرح استعمال میں لاتے ہیں کہ منطقی نتائج حاصل ہو جاتے ہیں۔ مگر دل کے ذریعے ہم علم کو پیدا بھی کر سکتے ہیں اور اس کا مشاہدہ بھی کر سکتے ہیں۔ اس عجوبے کا نام وجدان ہے۔ وجدان دماغ میں سٹور کی ہوئی معلومات ہی کا مرہون منت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تو اس خدائی راز کے ذریعے علم کا حصول ہوتا ہے جسے ہم شعور یا ادراک کہتے ہیں۔ ہمارے رسولؐ کائنات کی عظیم ترین ہستیؐ کا امی (ناخواندہ) ہونے کا راز بھی یہی ہے۔ اس لیے کہ آپؐ نے دنیوی احساس سے ماورا، عظیم سچائیوں کو اپنے پاک دل کے شعور کے ذریعے ہی بیان کیا۔

اسی وجہ سے سورۃ البقرہ کے شروع میں ایمان کو ایمان بالغیب کہا گیا ہے۔ یہ اس حقیقت کی بناء پر ہے کہ قرآن براہ راست دل کو مخاطب کرتا ہے اور اس کے جواب میں صرف دل ہی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ دراصل ذہن نہ تو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی محسوس کر سکتا ہے کہ کائنات کے تمام ذرے اللہ کے نام کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایٹم کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن دل 'اگرچہ وہ دیکھ نہ بھی سکے اس حقیقت کو محسوس کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حلق سے اترنے والے پانی کے ہر ایک ذرے (مالیکیول) کے حمد کی موسیقی کو بھی سن رہا ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی ہی حقیقت پر بنیاد ہے اس قرآنی ارشاد کی کہ جب دل پر مہر لگی ہوئی ہو تو آنکھوں اور کانوں سے دیکھنے اور سننے کی صلاحیتیں غائب ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح مرکز سے شروع ہو کر پورے ثمر بخش (VEGETATIVE) نروس سسٹم میں پھیل جانے والے عمل کے ذریعے دل ہی آنکھ اور کان کو ایسا شعور اور ادراک عطا کرتا ہے، جو روشنی اور آواز کے مادی حساب کتاب سے اعلیٰ اور علیحدہ ہوتا ہے۔ مزید برآں دل

اپنی برق مقناطیسی قوت کے ذریعے جو آنکھ اور کان کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہو' دیکھنے اور سننے کی صلاحیتوں میں اضافہ کردیتا ہے۔ آیئے اب اس اثر کو سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔

جب آپ ایک خوب صورت دوشیزہ کو دیکھتے ہیں۔ تو آپ کو فوراً" احساس ہوگا کہ کس طرح آپ کے دل کی مقناطیسی سطح یا میدان گونج اٹھتا ہے اور نتیجتاً" آپ کا احساس جاگ اٹھتا ہے۔ آپ کی محبوب ہستی کی آواز کا مادی پیمانہ چاہے کیسا بھی ہو کیا آپ اس احساس مسرت کو بیان کرسکتے ہیں جو وہ آواز آپ پر مرتب کرتی ہے؟ کیا آپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ جب آپ ہزار سال پرانی المیہ داستان بھی سنتے ہیں تو کس طرح آپ کے دل کی مقناطیسی سطح لرزاٹھتی ہے اور کس طرح فوراً" بعد آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں؟ یہ سارا سلسلہ دل سے ہی شروع ہوتا ہے۔ اور انسو پیدا کرنے والے غدود اور اس کی نالی (LACKRYMAL) اپنا کام صرف دل کے حکم پر ہی کرتے ہیں۔ یہ عجوبہ قسم کی صلاحیت صرف دل ہی کو حاصل ہے۔ دل اور اس کی شریانوں سے پیدا ہونے والی تکلیف سارے ثمر بخش (ویجی ٹیٹو) اعصابی نظام میں پھیل کر پورے جسم کی مقناطیسی سطح تک پھیل جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہی ہم پژمردگی' کمزوری اور شدید تکان محسوس کرتے ہیں۔ ہماری ہر بھوک بلکہ جنسی خواہشات تک بہہ جاتی ہیں۔

ایک بیحد اہم حقیقت ایک اور چیز کو کھلے طور پر ثابت کرتی ہے اور وہ ہے الہام یا پہلے سے آگاہی۔

پیشگی آگاہی یا الہام' محسوس کرلینے کا وہ آرٹ ہے جو دماغ کے کمپیوٹر کی سکرین پر ظاہر نہیں ہوتا۔ بے چینی یا مسرت کا احساس دل ہی کی حیران کن اور خوبصورت صلاحیتیں ہیں۔ دل ایک ایسا آلہ یا مانیٹر ہے جو وقت کے محور میں کائنات کی تمام سچائیوں سے متعلق کسی واقع کے ہونے سے پہلے ہی اس کا ادراک حاصل کرلیتا ہے۔ آپ کو ہر ایک پیغام دل کے ذریعے ہی ملتا ہے۔ دل کا یہ راز اس کے مادی وجود کی برقی مقناطیسیت سے بھی زیادہ اعلیٰ اور عظیم صلاحیت ہے۔ ایسے الہام اس قدر زیادہ صراحت سے دل پر آتے ہیں کہ سائنس کے لیے یہ انتہائی حیرت' تجسس اور مدح و ثناء کے مقام ہیں۔

اس مقام سے آگے دل کی سب سے زیادہ حیران کن صلاحیت آشکار ہوتی ہے۔ وہ ہے اس کی محبت کی خاصیت۔

محبت کا جذبہ جسے کوئی مادی چیز یا کوئی سکرین ظاہر کرنے سے قاصر ہے۔ ایک طرح سے خود دل کے وجود کی وجہ تسمیہ ہے۔ اس کی ہمارے پورے وجود پر حکمرانی ہوتی ہے۔ دل' آنکھ کے حجاب کے پیچھے سے انسانی وجود کے جس حسین پہلو کا نظارہ کرتا ہے وہ ہے محبت۔

محبت کی حسن و دانائی سے' جو صرف دل سے تعلق رکھتی ہے' انکار کرنا اس طرح ہے جیسے پوری کائنات

کی نفی کردی جائے۔ جب آپ محبت کا احساس اپنے اندر بھرپور طریقے سے محسوس کرتے ہیں تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ آپ کا دل اس وقت کس شدت سے دھڑک رہا ہوتا ہے۔

دل کی مادی خصوصیات سے ماورا خوبیاں' اس کے مادی عمل پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ ایک محبت بھرا دل، جسم میں 150000 کلومیٹر لمبی نسوں کے ذریعے خون کی ترسیل زیادہ طاقت اور بہتر طریقے سے کرتا ہے۔ اس حالت میں خون تقسیم کرنے والی نالیاں ایک بہتر کمپیوٹری نظام کے ذریعے زیادہ کشادہ اور زیادہ پرسکون ہوتی ہیں۔ نفرت بھرے دل اپنے آپ کو بھی تباہ کردیتے ہیں اور ان خلیوں کو بھی جن تک وہ تشنجی نسوں کے ذریعے حیات بخش خون پہنچاتے ہیں۔ محبت ایک راز ہے' یہ ایک خدائی امر ہے اور ایک ایسا پاکیزہ جذبہ ہے جو رب عظیم میں ایمان کی برکت سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

اللہ، جس نے انسان کو جو کائنات کی آنکھ کا تارا بنایا ہے' اپنے پاک اسرار سے دل کا معجزہ عطا کیا ہے۔ اس نے انسانی دل پر اپنے دستخط ثبت کردیئے ہیں۔ اب میں آپ کو انسان کے دل پر اللہ کا وہ آٹوگراف دکھانا چاہوں گا جسے میں پچھلے بیس سالوں سے مختلف مواقع پر شائع کرتا رہا ہوں۔

لفظ اللہ کے باہری جانب بائیں جھلی یا کان (آریکلا) اس طرح سے بنا ہوا ہے۔ "اﷲ" یہاں جو تصویر پیش کی جا رہی ہے وہ مشہور زمانہ سوبوٹا اٹلس (صفحہ 60-61' 1952' ایڈیشن میں دی گئی ہے اور یہی دستخط صاف صاف طریقے سے ایبٹ کے مشہور زمانہ ٹرانسپیرنٹ اٹلس آف اناٹومی میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس آٹوگراف کو دیکھنے کے لیے ایک مردہ شخص کے دل کو دو طرفوں سے کاٹنا پڑے گا۔ اس لیے کہ یہ دستخط تہوں کی صورت میں اس طرح پائے جاتے ہیں جیسے ہاتھ کی ہتھیلی ہوتی ہے۔

چونکہ دل ایک منٹ میں اسی دفعہ دھڑکتا ہے تو یہ ہر دھڑکن پر کھلتا ہے اور ہر مرتبہ ان دستخطوں کو ایک جھنڈے کی طرح کھول کر ظاہر کرتا ہے۔ یہ جھنڈا اربوں کی تعداد میں انسانوں کے دلوں میں اس طرح ہر آن لہراتا رہتا ہے۔ یہ ایسا آٹوگراف ہے جس پر خود اللہ نے اپنے نام سے دستخط کیے ہیں۔ یہ اس آیت مبارکہ کا خوبصورت معجزہ ہے جس کی ہم اس باب میں تشریح کر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رب جلیل نے یہ ارشاد کیا ہے کہ "میں نے دل پر اپنے دستخط کردیئے ہیں وہ دل جو میری تخلیق کا شاہکار ہے۔ اگر تم اسے ایمان سے بھر نہیں لیتے تو میں اس پر یہ مہر لگادوں گا۔"

یقیناً "بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کی ایک خوبصورت تخلیق میں اس طرح ایمان نہ رکھتے ہوں گے۔ ان کا دعویٰ ہوگا کہ یہ ایک زبردستی کی توجیہ ہے۔ اور یہ کہ یہ مشابہت محض اتفاقی اور سطحی قسم کی

ہے۔ یہ تو ایسے لوگ ہیں جو پوری کائنات ہی کو ایک اتفاق پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ان کو یہی آیات مبارکہ یہ جواب دیتی ہے۔ "جب تمہارے دلوں پر ہی مہر لگ گئی ہو تو تم اپنی آنکھوں سے کس طرح دیکھ سکتے ہو۔" وہ جن کے دلوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے وہ تو اپنی ناک کے نیچے بھی سچ کو نہیں پہچان سکتے۔

انسانی جسم میں موجود تیس ٹریلین ٹریلین ایٹمی مرکزے ہر وقت اللہ کے نام کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ یہ تسبیح تمام دنیاؤں میں نشر ہوتی ہے اور ہر جوہر کی مختلف صورت ہوتی ہے۔ چونکہ لادین لوگوں کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوتے ہیں تو ان کے دل اس مسحور کن خدائی موسیقی سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ جس موسیقی کے حسن کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس طرح اس آیت کا ایک اور معجزہ ظاہر ہوتا ہے کہ "ان کے کان بھی بند ہو چکے ہوتے ہیں۔"

ہوا میں اڑتے ہوئے ایٹموں کی شاندار مسحور کن موسیقی سننے کے لیے اور کائنات کے اجسام کی لامحدود تسبیحات کی لہروں کی لے (ایٹمی مقناطیسی گونج) اور دل کے رموز اہل ایمان لوگوں کو یقیناً سنائی دیتے ہیں (موضوع نمبر31) ورنہ تو انسان سوچے گا کہ کائنات گونگی بہری ہے۔

پوری کائنات میں شان الٰہی کا ظہور ہے۔ اگرچہ پردہ پڑی آنکھیں اس کا نظارہ نہیں کر سکتیں۔ یہ بات کہ مہر لگے کان کائنات کی لامتناہی موسیقی کو نہیں سن سکتے خدا کی عظمت کو نہیں چھپا سکتے۔ اللہ کا لامتناہی اور لامحدود آرٹ اپنے اسرار کو ہر وقت قائم رکھے ہوئے ہے۔ یہ صرف ان آنکھوں کو نظر آ سکتا ہے جن میں ایمان کے ذریعے صلاحیت حاصل ہو چکی ہو۔ شکر گزاری کی ابدی لہریں خود زمان و مکان سے بعید نہیں ہیں۔ بلکہ فضائی بسیط کی بڑے پیمانے کی اور انتہائی چھوٹے پیمانے کی کہکشاؤں کے درمیان رقص کناں ہیں۔

ایک دفعہ جب روحانی آنکھ پر پردہ پڑ جائے۔ جب کان اور دل پر مہر لگ جائے تب واقعی ہر چیز ختم ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص طویل سفر کر سکتا ہے وہ لکھ سکتا ہے۔ پڑھ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ حسابیت عدادوں کو سن سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے موسیقی محض آواز کا زیر و بم ہو گا۔ اور جو کچھ وہ پڑھے گا یا سوچے گا اس کے لئے یہ کمپیوٹر کی سکرین پر ہندسوں سے زیادہ کچھ نہ ہوں گے۔

وہ جو دل کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے کچھ دیکھا ہے۔ جو کچھ وہ دیکھ سکتا ہے وہ ایک کارٹون جیسی فلم سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہر قسم کے فساد، غلط فہمی اور لگڑ بگڑ جیسی شدید لالچ والی زندگی ایک مہر شدہ دل کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کے برخلاف جو کوئی دل کے خدائی راز کی کھڑکی سے مشاہدہ کرتا ہے وہ خدائی آرٹ کے حسن بے حساب و بے مثال کو اپنے سامنے پاتا ہے اور جو کھلے دل سے سنتا ہے اسے ہر شے اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے سنائی دیتی ہے۔

موضوع نمبر 45

زمین کے شق ہو جانے والے مقام

THE FRACTURES OF THE EARTH

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ (الطارق ۸۶) ۱۲-۱۳

ترجمہ : ”اور (قسم ہے) پھٹ جانے والی زمین کی۔ یہ ایک جچی تلی بات ہے۔“ (الطارق آیت 12)

BY (THE TOKEN OF) THE EARTH, WITH ITS FRACTURES : SURELY THIS IS A DECISIVE WORD.

CHAPTER 86 (TAREQ), VERSE 12

عربی لفظ صدع کے معنی پھاڑنا یا پھٹنا کے مترادف ہیں۔ اس کے اصل معنی کے متبادل جو معنی ہیں وہ شگاف ڈالنا ہیں۔

آیئے سب سے پہلے ہم مختصراً“ زمین کی بناوٹ کا مطالعہ کرتے ہیں یہ عجیب سی بات لگتی ہے کہ اگرچہ ہم فضائے بسیط کے دور دراز ستاروں اور کہکشاؤں کے متعلق خاصی حد تک معلومات رکھتے ہیں لیکن ابھی تک زمین کے اندر اس کے قالب تک کی خصوصیات کے متعلق بہت ہی کم سائنسی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ہمارے پاؤں کے نیچے اندر 6378 کلو میٹر زمین کے قالب تک کتنی اور کس قسم کی تہیں موجود ہیں؟ زمین کے مرکز تک کیا کیا واقعات ہوتے ہیں؟ اتھاہ گہرائی میں کس قسم کی چیزیں ہیں؟ یہ سب ہم ابھی حتمی طور پر تو نہیں جان سکے۔ لیکن کچھ معلومات کی بنیاد پر اور بالواسطہ شہادتوں کے مد نظر کچھ قرین قیاس تخمینے ضرور لگائے جاسکتے ہیں۔ زمین کی اوپری تہہ کے متعلق جو تحقیقات ہوئی ہیں ان کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی موٹائی 30 کلو میٹر سے زیادہ نہیں ہے۔ اور یہ حسب ذیل طریقے سے ہے۔

سب سے اوپر سطح، جس پر ہم رہتے ہیں۔ مٹی۔ پانی۔ آتش فشانی مادہ اور حرارت اور دباؤ سے تبدیل شدہ چٹانوں کی اس تلچھٹ پر مشتمل ہے، جسے زمین کی چھلکا Crust کہا جاتا ہے۔ سب سے بڑے پہاڑ کی طرف دیکھیں تو اس کی موٹائی (اونچائی) زیادہ سے زیادہ 40 کلو میٹر ہے۔ دوسری طرف زمین کے انتہائی اندر مرکز میں لوہے اور نکل پر مشتمل ایک ٹھوس قالب موجود ہے۔ اس کے قطر کا اندازہ 2400 کلو میٹر لگایا گیا

ہے۔ اس قالب اور زمین کے اوپری چھلکے کے درمیان زمین کی جو ساخت ہے اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اور اس موضوع پر خاصا بحث و مباحثہ ہوچکا ہے۔ مگر آتش فشانوں کے ذریعے، جو کہ اس سلسلے میں سمجھ بوجھ اور شعور کی بنیاد بنتے ہیں، کی مدد سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ زمین کی یہ درمیانی سطح دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اندرونی آخری قالب کے اردگرد ایک بیرونی قالب ہے جو مائع کی صورت میں لوہے اور نکل کا ملغوبہ ہے اور جس کی موٹائی 2300 کلومیٹر ہے اور جو زمین کی سطح کے 3000 کلومیٹر نیچے ہے۔

اس مائع تہہ اور زمینی خول کے درمیان انگیٹھی کے کارنس جیسی دو علیحدہ تہیں ہیں۔ اوپر والی کارنس 600 کلومیٹر گہرائی تک اور نچلی کارنس 3000 کلومیٹر تک چلی جاتی ہیں۔ یہ تہہ جس میں طاقتور تحرکاتی رو میں (CONVECTION CURRENTS) بہتی ہیں جو پگھلی ہوئی چٹانوں اور زمینی خول کو آپس میں ملائے ہوتی ہیں۔ یہ پگھلا ہوا ملغوبہ ایک ایسا گاڑھا مائع ہے جس پر زمین کا خول تیر رہا ہے۔ یعنی اس خول کو اس شہتیر سے مشابہت دی جاسکتی ہے۔ جو زمین کے گاڑھے ملغوبے کے سمندر کی سطح پر انتہائی کم رفتار سے حرکت کررہا ہو۔ مگر جیسے جیسے یہ خول حرکت کرتا ہے یہ مجموعی طور پر مضبوط اور کمزور دباؤ کے علاقوں میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہ عام طور پر گہری زمینی لکیروں کی طرح ہوتے ہیں جن کے کناروں پر پہاڑوں کے سلسلے بن جاتے ہیں۔

حرارت اور مقناطیسی اثرات کے تحت زمین کے قالب اور زمینی خول کے درمیان انتہائی گرم مائع ملغوبے کے عمل سے برے اعظموں اور سمندروں کی تشکیل بھی ہوتی ہے۔ اس ملغوبے کے کمپیوٹر جیسے عمل کے ذریعے سے ہی زمین کی موجودہ شکل نکلتی ہے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ زمین کی براعظمی سطحیں آپس میں جڑی ہوئی تھیں کنویکشن رووں نے بحراوقیانوس کے درمیان میں ایک شگاف (کریک) پیدا کیا۔ پھر یہ گڑھا دونوں جانب پھیلتا گیا اور براعظموں کو ایک دوسرے سے علیحدہ اور دور کرتا چلا گیا۔ اس مفروضہ عمل کی تفصیل سب سے پہلے الفرڈ واگنر (ALFRED WAGENER) نے پیش کی اور جسے کئی برسوں تک تیز و تند تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اسے براعظمی بہاؤ (CONTINENTAL DRIFT) کہتے ہیں کہ جس کی ابتداء ماضی میں 20 کروڑ سال قبل سے تصور کی جاتی ہے۔ یہ علیحدہ گی کا عمل پانچ کروڑ سال پہلے مکمل ہوا۔ اور کرہ ارض نے موجودہ شکل اختیار کی۔ لیکن اب بھی یہ باؤ اور علیحدگی کا عمل 5 سینٹی میٹر فی صدی کے حساب سے جاری ہے اور براعظموں کو علیحدہ کرنے والا شگاف (فشر) بھی ابھی تک موجود ہے۔

چنانچہ زمین کی سطح کئی جگہوں سے پھٹی یا کریک شدہ ہے۔ جیسا کہ دوسرے مضامین کے سلسلے میں دیکھا جاسکتا ہے قرآن حکیم نے آج سے چودہ صدیاں قبل ہی اس عظیم عجوبے کا ذکر اس اعلان کے ذریعے کردیا تھا

کہ "(قسم ہے) پھٹ جانے والی زمین کی۔" آیئے اب اس آیت کے معجزہ کو زمین کے نقشے پر دیکھتے ہیں۔

پہلا اور سب سے بڑا شگاف یعنی مڈ اٹلانٹک رج (MID-ATLANTIC RIDGE)۔ بحراوقیانوس کے شمال میں گرین لینڈ کے مضافات سے شروع ہوتا ہے۔ اور جنوب تک پورے اقیانوس تک پھیل جاتا ہے۔ دوسرا زمینی شگاف شمالی اور جنوبی امریکہ کے بحرالکاہل کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ یہ جنوبی ایشیاء سے شروع ہو کر کوہ ہمالیہ کے نیچے سے گزرتا ہوا ترکی جا پہنچتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے شگاف ہیں۔ یہ تمام شگاف رلزلوں کے علاقے شمار کئے جاتے ہیں۔ اگر ہم ان کی بناوٹ پر غور کریں تو ہمیں قرآن کا ایک اور معجزہ نظر آئے گا۔

اگر چیزیں اس طرح ہوتیں جیسا کہ بدقسمت ملحد لوگوں نے تصور کیا ہے تو کرہ ارض کے یہ شگاف زمین کے اندر پگھلے ہوئے گرم ملغوبے یا **میگما** کے پریشر کے تحت مزید بڑھ کر خود زمین کو ایک بیحد وسیع اور زبردست آتش فشانوں کے دہانے ہی بنا دیتے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ایک لمبے عرصے تک ویگز کے نظریہ کو قبول نہ کیا گیا۔ دراصل ہوتا یہ ہے کہ یہ آتش فشانی **میگما** جو اوپر کی طرف ایک کوئیں کی طرح سے نکلتا ہے اکٹھا ہو کر ڈھیر کی صورت میں ٹھوس حالت اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح سطح زمین پر فر **یکچر** زون بن جاتے ہیں۔ اور اس طرح پہاڑی سلسلے تشکیل پاتے ہیں۔ اور ایک خدائی اور سوئی کی خوبصورت کڑھائی کی طرح شگاف یعنی فشرز کے دونوں جانب خوبصورت کنارے بن جاتے ہیں۔ درحقیقت اسی قسم کا فرمان سورۃ النحل کی آیت نمبر 15 میں اس طرح دیا گیا ہے کہ "جس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھل نہ جائے۔" دوسرے لفظوں میں پہاڑ زلزلوں کے عمل کو معتدل کرتے ہیں۔ سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر31 بھی اسی حقیقت کو بیان کرتی ہے (دیکھئے موضوع نمبر38) دوسری طرف زمین کی کھال کی ایک تہہ دوسری تہہ کے نیچے گھس جاتی ہے جسے نکالا گیا علاقہ یا سبڈکشن زون (SUBDUCTION ZONE) کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب بحرالکاہل کے جنوب مغرب میں امریکہ کے ساحل پر ایک شگاف (فشر) میں سمندری کھال کی تہہ زمینی کھال کی تہہ سے ملی جسے پرووین، **چلین** پلیٹ (PERUVIAN CHILEAN PLATE) کہتے ہیں۔ تو اس کے نتیجہ میں اینڈین پہاڑوں کا سلسلہ اس زون کی ساتھ ساتھ بنتا چلا گیا۔

اس طرح سمندر کے درمیان ہی میں کارنس کی شکل کا ابھرنے والا مادہ تہہ در تہہ جمتا گیا اور دیو قامت **پلیٹوں** کے ڈھیر بنتے چلے گئے جو ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ ہٹتے بھی گئے۔ اس شگاف کے بننے کا ایک اور طریقہ وہ عمل ہے جس کے ذریعہ سے مشہور ٹونگا (TONGA) کھائی یا خندق بنتی ہے۔ یہ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ جب سمندری پلیٹ ڈوب گئی تو اس کے پہلو کی طرف ایک گہرائی سی بن گئی۔

زمینی سطح میں ان شگافوں اور ان کی حرکات کی وجہ سے پلیٹ ٹیٹرونکس' (TETRONICS PLATE) کا نظریہ سامنے آیا۔ اس کے تحت عمل پذیر شگافوں (فشرز) نے زمین پر اس کی خشکی اور سمندروں سمیت 95 کلومیٹر گہرائی تک پلیٹوں (PLATES) کی تشکیل کی ہے۔ اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ یہ پلیٹیں خود بھی مسلسل حرکت میں ہیں (اس نکتہ پر تفصیلات کے لئے موضوع نمبر 8 دیکھئے)

ارضیاتی تاریخ اس نظریہ کو تقویت دیتی ہے کہ حرکت پذیر بہتے ہوئے براعظموں کے ان شگافوں کے کناروں پر ایک دوسرے سے ملنے کی وجہ سے پہاڑوں کے سلسلے وجود میں آئے۔ یورال پہاڑ اس وقت بنے جب براعظم یورپ براعظم ایشیاء سے آکر ملا۔ اس کے علاوہ جنوب مشرق ایشیاء کے بڑے پیمانے پر سرکنے کے عمل کی وجہ سے سمندر کی تہہ میں ایسی سلوٹیں سی بن گئیں جن کی وجہ سے انڈونیشیا کے جزیروں کی زنجیر سی بن گئی۔ آج کل درمیانی بحراوقیانوسی پہاڑی (رج) اور بحرالکاہل میں بننے والی پلیٹیں تصویروں کی صورت میں بڑے بڑے انسائیکلو پیڈیاؤں میں شائع ہوئی ہیں۔ اور اس طرح اس آیت کریمہ کا زندہ ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کو پوری تفصیل اور گرافوں اور سکرین کی مدد سے بار بار ثابت کیا جا رہا ہے۔

س آیت کا ایک اہم پہلو وہ ہے جس سے سورۃ الطارق سے متعلق خدائی پیغام دیا جا رہا ہے۔ سورۃ الطارق کی آیات 1 تا 3 میں اللہ ہمیں فضائے بسیط کے اسرار اور کہکشاؤں کے متعلق علم عطا فرماتا ہے۔ پھر آیات نمبر 4 سے 10 تک ہماری توجہ انسان کی تخلیق کی طرف دلائی گئی ہے۔ پھر آیت نمبر 11 میں آسمانوں کے عمل اور رد عمل سے متعلق علم عطا کیا گیا ہے۔ اسی طرح زمین کے شگافوں سے متعلق بھی بتایا گیا۔ پھر جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ فضائے بسیط میں مقناطیسی تناؤ کا انتہائی اہم نظام ہمارے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔ اب پھر موجودہ موضوع میں اس آیت کریمہ کی نازک ترین موشگافیوں کو دیکھئے۔ طاقتور حملی روئیں (کنویکشن کرنٹس) جو زمین کے اندر میگما میں ہوتی ہیں ان کی وجہ سے سطح زمین کے پھٹنے کا حیران کن عمل اور زمین کی اندرونی مقناطیسی قوتوں کی موجودگی اللہ کے عظیم نظام کی یاددہانی کراتی ہے۔ زمین کے کریک ہونے کا عمل خود' عمل رد عمل' کے اصول کی یاد دلاتا ہے۔ یعنی زمین میں پیدا ہونے والے شگاف (فشر) زمین کے خول کی پلیٹوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کا کام دیتے ہیں اور عین اسی وقت ان کو آپس میں مدغم کر کے ایک کے اوپر ایک کی صورت میں تہہ جمانے کے عمل کی طرف لاتے ہیں۔ بہت سے سائینددانوں کے نزدیک' دراصل چھوٹی پہاڑیاں اور بڑے پہاڑ جنہیں ہم زمین کی جھریاں کہہ سکتے ہیں' خود ان ارضی درازوں اور ان کے رد عمل' زمین کا سلوٹوں میں ہونا اور اس کی سطحوں کا تہہ در تہہ ہونے کی وجہ سے بنتی ہیں۔ جو لوگ قرآن کو سطحی طور پر پڑھتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں الفاظ کا انتخاب شاید ایک شاعرانہ خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے ہی کیا

گیا ہے جب کہ اس کے تمام الفاظ سائنسی خصوصیات کے حامل بھی ہیں۔ جیسا کہ اس سورۃ میں ظاہر کردیا گیا ہے اور جو کہ رجع اور الصدع کے استعمال سے بھی ظاہر ہے۔

مزید برآں ارضی ساخت کے وہ سلسلے جو شگافوں (فشرز) کی وجہ بنتے ہیں خود بھی سمتوں کے متوازی الاضلاع مقناطیسی میدانوں کے عمل رد عمل کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی تسلیم کرلیا گیا ہے کہ زمین کے مقناطیسی قطبین اور مقناطیسی قوتوں کی سمت پرانے زمانوں میں مختلف قسم کی تھی۔ اس لئے کہ مائع حالت میں نکل اور لوہے کی دھاتوں کے زیر زمین متواتر طور پر بہتے رہنے سے مختلف وقفوں کے مقناطیسی میدان بنتے رہے ہیں۔ زمین کے مقناطیسی میدان کا ہمیشہ کے لئے شمالی اور جنوبی قطبوں کی سمت ہی میں رہنے کی وجہ ابھی تک تسلی بخش طریقے سے بیان نہیں ہو سکی ہے۔ دراصل یہ اسی وجہ سے ہی ہے کہ زمین کے انتہائی قالب کو ٹھوس اور نہ تبدیل ہونے والا مانا گیا ہے اور اس کے ارد گرد مائع میگما کا ایک سمندر بھی تصور کیا گیا ہے۔

یقیناً ان لوگوں کے لئے جو قرآن کی سائنس کو مکمل طور پر سمجھتے ہیں یہ باور کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ یہ مقناطیسی روئیں اور عمل رد عمل کے متعدد توازن کہ جنہوں نے سائنس کے ہوش اڑار کھے ہیں زمین کے متعلق اللہ کے اعلیٰ سپر کمپیوٹر والے نظام میں پہلے ہی سے درج ہیں۔ اس موزونیت کو صریحاً" سورۃ الحجر کی آیت نمبر 19 میں بھی بیان کردیا گیا ہے۔ درحقیقت اس آیت میں زمین کے شگافوں (فشرز) کی طرف توجہ دلانے کی وجہ یہ ہے کہ ہماری توجہ عظیم زیر زمین آتشی مقناطیسی گیند (فائیربال) کے توازن کے واپس یا الٹا ہونے کی طرف مبذول کرائی جائے۔ ارضیاتی واقعات کے عمل رد عمل (RECIPROCATING) کی حامل تحقیقات حسب ذیل سوالوں پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور پھر دل کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اس کارخانہ قدرت کے عظیم خالق کے حضور سر بسجود ہونے پر مجبور کرتی ہیں۔

(الف) زمین کے یہ عظیم شگاف (فشرز) کس طرح ایک دوسرے کو متوازن کرتے ہیں؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ میگما (زیر زمین دھاتوں کا ملغوبہ) جس پر بے پناہ پریشر ہے ایک بیحد عظیم آتش فشانی کے عمل سے زمین کو ایک طرف لڑھکا کیوں نہیں دیتا؟

(ب) اس کی کیا وجہ ہے کہ زیر زمین میگما کے سیال کی حقیقی اور مقناطیسی حرکت (CONVECTION) زمینی سطح کو اس قدر آرام دہ اور رہنے کے قابل بنائے ہوئے ہے۔

(ج) یہ کس طرح ہے کہ ایسی ایسی شدید عمل رد عمل سے ترتیب دی گئی ارضی جھریوں اور شگافوں

کے بننے کے دوران حیران کن حد تک خوبصورت ساحلی جھیلیں بن گئی ہیں۔ اور کس طرح وہ لاکھوں صدیوں سے بغیر کسی عیب کے ان تبدیلیوں کو برداشت کرتی رہی ہیں؟

(د) یہ کس طرح ممکن ہوا ہے کہ زمین کے اس مقناطیسی میدان سے مخصوص طرفوں کے جیومیٹری والے محل وقوع کا ظہور ہوا، جسے ایلن ریڈی ایشن بیلٹ (ALLEN RADIATION BELTS) کہتے ہیں۔ یہ بناوٹ زمین کو خطرناک آسمانی شعاعوں اور فضائے بسیط سے آنے والی مقناطیسی آندھیوں سے بچاتی ہے۔ مگر ان سب کا نازک توازن کس طرح قائم ہے؟

موضوع نمبر 46

سب سے زیادہ خوبصورت ساختیں

THE FAIREST OF STARTURES

وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ① وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ⑤ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ⑦ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ⑧ (سورۃ التین ۹۵)

ترجمہ : ”قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سینا اور اس پر امن شہر کی۔ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچا کر دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ پس اس کے بعد کون جزا و سزا کے معاملہ میں تم کو جھٹلا سکتا ہے کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟“ (سورۃ التین)

سورۃ التین میں ایسے موضوعات درج کئے گئے ہیں جن کی متعدد تشریحات ہو سکتی ہیں۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ اس کتاب کے مقاصد کے تحت میں اس سورۃ کی تشریح صرف سائنسی نکتہ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

مجموعی طور پر یہ آیت نہ صرف انسان کی جسمانی یعنی مادی زندگی کے متعلق رازوں اور اس سے متعلق لطیف موشگافیوں کو بیان کرتی ہے بلکہ اس کی روحانی زندگی کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ ساتھ ہی یہ انسانی زندگی کی مصیبتوں کو بھی بیان کرتی ہے۔ انسانی تخلیق سے متعلق حسن کو آیت نمبر 4 میں بیان کیا گیا ہے۔ اس حسن کی بنیادی تشریحات آیات نمبر ا نمبر 2 اور نمبر 3 میں موجود ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے کئی آیات کی تفسیروں میں ’ میں نے بیان کیا ہے کہ قرآن میں جب کسی مضمون کے شروع میں قسم کھائی گئی ہے اس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہاں ایک سائنسی پیغام دیا جا رہا ہے۔ انسان کی ”بہترین ساخت“ (احسن تقویم) کے اسرار کے

مطابق انسان کی تخلیق اور بناوٹ اللہ کی قدرت کے ناقابل تردید اہم قانون کا اظہار ہے۔ مجموعی طور پر انسان کا وجود بہترین ترتیب، وضع قطع اور ترکیب کا حامل ہے۔ یہ جسمانی اور روحانی دونوں ہی طریقوں سے اللہ کی خوبصورت ترین مخلوق ہے۔

چونکہ اللہ رب جلیل نے انسانی تخلیق میں آغاز حیات (GENESIS) کے بہترین عناصر ہی استعمال کئے ہیں اس لئے جسمانی طور پر بھی انسان بہترین ساخت کا حامل ہے۔ عمومی طور پر جینیس کا یہ نظام اللہ کی خصوصیات کا پرتو ہے۔ یعنی اللہ کی پاک خصوصیات نظر آنے والی چیزوں میں ناقابل فہم طریقے سے ظاہر ہوتی ہیں۔ تخلیق کے اس نظام میں تخلیق کی ہم آہنگی اور ترتیب میں اللہ خوبصورتی اور حسن کو جیسے گھڑتا ہے۔ اس لحاظ سے انسان میں تو یہ حسن سب مخلوق سے زیادہ ودیعت کیا گیا ہے۔

انسانی وجود کی انتہائی اور سب سے زیادہ خوبصورت وضع قطع اور حقیقی جوہر جو اس کے جسمانی (بیالوجی) اور طبعی (فزکس) طور پر ہم مرکز دائیروں میں پائے جاتے ہیں، اہل نظر لوگوں کے دلوں کو وہ اللہ کی حمد و ثناء سے لبریز کر دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ انسانی جسم میں تمام تر عناصر، چاہے وہ دھاتی ہو یا دھات نما ہوں، کا ہونا یہ نتیجہ نکالنے کے لئے کافی ہے کہ خود انسان کا وجود ہی "بہترین ساخت" ہے۔ حیاتیاتی ضروریات کے نکتہ نظر سے انسانی جسم میں تمام عناصر کا یکجا ہو جانا ابھی تک ناقابل فہم معمہ ہے۔ انسانی ضرورت کے لئے عناصر کی محدود تعداد مثلاً بیس کی تعداد ہی کافی ہے۔ جبکہ قدرت کے کارخانے میں پائے جانے والے تمام کے تمام 92 عناصر انسانی جسم میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں سے چند بے حد کم مقدار میں نشانی کے طور پر ہوتے ہیں۔

خلیوں (CELLULAR) کا وہ نظام جو تمام مخلوق کی بنیاد ہے انسانی جسم میں اپنی انتہائی بلندی پر نظر آتا ہے۔ جو بہترین ساخت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہر مخلوق (یا جسمیہ) میں خلیوں کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جو ایک محدود ہم آہنگی کا مظہر ہوتا ہے۔ یقیناً "یہ بھی اللہ کی خوبصورت تخلیق کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ مگر انسانی خلیہ، چونکہ بہترین سے بہترین کی نمائندگی کرتا ہے اس لئے اس کی خصوصیات اور قابلیت بھی غیر معمولی ہوتی ہیں۔ جگر کا خلیہ ایسے ایسے کیمیا (کیمیکل) بناتا ہے جو کوئی فیکٹری بھی نہیں بنا سکتی۔ مثال کے طور پر یہ روئے زمین پر پائے جانے والے ہر قسم کے زہر کی کیمیائی ساخت کو تبدیل کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسانی جسم پر زہر کا اثر صرف زیادہ تعداد میں زہر کھا جانے سے ہوتا ہے۔ اس میں انسانی جگر کی کمزوری کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

انسانی دماغ کا عصبی خلیہ، جو سائز میں دس مائیکرون (میٹر کا دس لاکھواں حصہ) سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔

اپنی یادداشت میں، یادداشت کے ذخیرہ کی اہلیت کی اکائی یعنی بٹ (BIT) کی تقریباً" دس لاکھ تعداد کو ذخیرہ کرسکتا ہے اور تخلیق شدہ مادہ کی یہ سب سے زیادہ اور آخری درجہ کی صلاحیت ہے۔

انسانی جسم کی حفاظت پر مامور خون کے سفید خلیوں کی سرگزشت "بہترین تخلیق" کے راز کی حامل ہے۔ اجنبی اور نئے پیدا ہونے والے خلیئے (سیل) کو یہ خلیے سینکڑوں کی تعداد میں گھیر لیتے ہیں۔ اگر یہ نیا خلیہ کینسر والا خلیہ ہو تو یہ اسے فوراً" مار ڈالتے ہیں۔ خون کے ان سفید خلیوں کو گلے کے غدود (تھائمس) میں تقریباً" تیس ہزار نشانیاں یا کنجیاں عطا کی گئی ہیں جن کی مدد سے وہ اس خلیئے کو شناخت کر سکتے ہیں۔ یہ کنجیاں اس قدر حساس ہیں کہ کوئی بھی کینسر والا خلیہ یا کوئی اور اجنبی خلیہ، اگرچہ وہ بیماری والا نہ بھی ہے، فوراً" ختم کردیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعضاء کی پیوندکاری کے سلسلے میں اس قدر مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ سفید خلیوں کا یہ عمل ایسی جدید اور اعلیٰ درجہ کی حیاتیاتی ترقی کو ظاہر کرتا ہی جو کسی اور مخلوق کے لئے ممکن نہیں ہے اور ایسی صلاحیت والی کوئی چیز کسی لیبارٹری میں نہیں بنائی جاسکتی یہ اس طرح بہترین تخلیق (احسن تقویم) کی نشاندہی ہے۔

اس سے قبل دوسری آیات کے سلسلے میں، میں نے رحم مادر میں انسان کی جسمانی نشوونما کے دوران کئی حیران کن نظاموں اور افعال کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں بھی ایسے ایسے غیر معمولی حیاتی اعمال پائے جاتے ہیں جو کسی اور مخلوق (جسمیہ) میں نہیں ہوتے۔ انسانی جسم میں تقریباً" لامحدود خصلتوں کے اسرار (کوڈ) کو مقرر کرنا عقل انسانی کو حیران کر دینے والی بات ہے اور عام فہم وادراک سے بالاتر ہے۔ یہاں تک کہ مہین ترین ابھری ہوئی سطح مثلاً انگلیوں کے نشان (فنگر پرنٹ) جو اربوں انسانوں میں سے ہر ایک شخص کا مختلف نقشہ بناتی ہے۔ انسانی مادہ منویہ (SPERM) کے چھوٹے سے چھوٹے کارڈ میں پہلے ہی سے درج (کوڈ) کردیئے جاتے ہیں۔ انتہائی چھوٹے سائز کے یہ کارڈ یا فارمولے ایک مائیکرون سے بھی نہیں ناپے جاسکتے۔ لیکن ہر انسان کے چہرے کی ایک علیحدہ تصویر بھی انہیں کارڈوں میں درج شدہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جینی ریکارڈ جو ناقابل یقین باریکیوں اور موشگافیوں کو ظاہر کرتے ہیں انسانی تخلیق کے لامحدود حُسن کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔

DNA مالیکیول پر جن کی پیمائش ملی مائیکرون میں کی جاسکتی ہے، انسانی فوٹوگراف کو ثبت کرنا یا کاڑھنا ساری کائنات میں بہترین ساخت کے آرٹ کی نمائش کرنا ہے۔ انسانی جسم جو احسن تقویم ہے، میں جینی رازوں کو انتہائی نزاکت اور کمال کے ذریعے ایک نقطے کے دس لاکھویں حصے میں درج کردیا گیا ہے۔ یہی وہ ناقابل یقین عجوبہ بات ہے جو مادہ کے اندر بہترین ساخت کے راز کو ایک آرٹ کی طرح پیش کرتا ہے۔ اس

حقیقت کو بطور خاص یاددہانی کے لئے قرآن اپنی لامحدود دانائی میں، پہلی اور دوسری آیات میں ایک معجزاتی پیغام عطا کرتا ہے۔

آپ اس حقیقت کا اظہار کس طریقے سے کر سکتے ہیں کہ مردانہ مادہ منویہ یعنی (SPERM) بے حد چھوٹے سائز کے اور لاتعداد ہوتے ہیں۔ جبکہ ماں یا مادہ میں صرف ایک تخم یا اووم ہی ہوتا ہے اور کس طرح ان دونوں کا معجزاتی ملاپ پندرہ صدیاں قبل کے انسان کی عقل و منطق کو پاش پاش کر دیتا ہے؟

"قسم ہے انجیر اور زیتون کی..... ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔"

چنانچہ تخلیق کے سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ بہترین ساخت، یعنی انسان کے مادہ منویہ اور دوسری طرف انجیر اور زیتون کے مادہ میں کوئی نہ کوئی مماثلت ضرور ہونا چاہئے۔ چنانچہ یہ ناممکن ہے کہ یہاں نر کے مادہ منویہ کی مشابہت انجیر کے بیجوں سے اور مادہ کے تخم کی مشابہت زیتون سے نظروں سے اوجھل رہ جائے۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ انجیر کے بیجوں کے سائز کی نسبت زیتون سے تقریباً" وہی ہے جو مردانہ سپرم کے خلیے کے مادہ عورت کے تخم (اووم) سے ہے۔

اب میں ان دو اہم پیغامات کا ذکر کروں گا جو اس سورۃ میں انسان کے بہترین ساخت پر پیدا ہونے سے متعلق ہیں۔ پہلے پیام کا تعلق اس موسم اور صحت سے متعلق ضروریات سے ہے جو کائنات کی سب سے زیادہ نازک مخلوق یعنی انسان کی پرورش کے لئے لازمی ہے۔ جیسا کہ بہت سے مفسرین نے سمجھا ہے انجیر، زیتون اور پہلی تین آیتوں میں طور سینا، یا طور سینین کا ذکر مفید فضا یا موسم کی موجودگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگرچہ عام طور پر طور سینا سے مراد وہ پہاڑی ہے جو سبزے کی بہتات سے پٹی پڑی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آب و ہوا اور موسم جو انجیر اور زیتون کی پیداوار کے لئے موزوں ترین ہے اور جس جگہ کے موسمی حالات سرسبز پہاڑی (طور سینین) کے لئے مواقف ہوں وہ خطہ انسانی صحت کے لئے بھی بہترین آب و ہوا مہیا کرتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جنوبی یورپ، شمالی افریقہ بحیرہ روم (MEDITERRANEAN) کی پٹی اور امریکہ کا جنوبی ساحل ایسی آب و ہوا کی نمائندگی کرنے والے خطے ہیں۔ ان علاقوں کے متعلق اہم بات یہ ہے کہ وہاں ہوا کی رویں ایک طرف تو فضائی آلودگی کی روک تھام کرتی ہیں اور دوسری طرف وہاں کی بکثرت اور گھنی نباتات کی موجودگی انسانی صحت کے لئے خوراک اور توانائی بھی بہم پہنچاتی ہے۔

چنانچہ شروع کی آیات انسان کو اللہ کی طرف سے بہترین ساخت کی صحت کا نسخہ پیش کرتی ہیں۔ آج کل انسانی صحت کے لئے تین اہم اور ناگزیر ضرورتیں سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے پہلی ضرورت تو صاف ہوا کا ہونا ہے۔ سرسبز پہاڑی کا نظریہ جسے طور سینین، کہا گیا ہے غیر آلود ہوا کی سب سے اچھی اور معجزاتی تعریف

اور توجیہ ہے۔ آلودہ ہوا کی صفائی اور چھاننے کے عمل کے ساتھ ساتھ گھنی نباتات سے آکسیجن کی فراہمی، پتوں کے وجود میں "زندگی" کے اسرار کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

جہاں تک قسم کھانے میں زیتون کا ذکر ہے یعنی سائنسی پیام کی صورت میں تو یہ بھی انسان کے بہترین ساخت، ہونے کے راز کے لئے ایک معجزاتی عقدہ ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ زیتون ایسی غذا ہے جو صرف انسانوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔ جہاں تک اس کے اثرات کا تعلق ہے تو یہ دریافت ہوا ہے کہ خلیوں کی جھلیوں کی پیدائش سے لیکر دماغی نیورون کی متعدد کارروائیوں اور جنسی خلیوں کے اعمال تک کے لئے یہ ایک عجیب و غریب حیاتیاتی خزانہ ہے۔ مزید برآں وٹامن ای جو دل کے پٹھوں اور جنسی خلیوں کی تخلیق میں اہم ہوتی ہے وہ زیتون کے حیاتیاتی وجود یا بناوٹ میں پوری طرح ملتی ہے۔ زیتون کی اس غیر معمولی قسم کی بناوٹ، ایک دفعہ پھر اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ انسان کی حیاتیاتی برتری کو ظاہر کرتی ہے۔ جسے بہترین ساخت کے اسرار کا حامل بنایا گیا ہے۔ زیتون جانوروں کا چارہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ زندگی کا ایک بہترین نسخہ ہے جس کی تیاری میں ناقابل فہم کیمیائی اعمال پائے جاتے ہیں۔

جہاں تک انجیر کا تعلق ہے، پودوں کی امرت یا آب حیات بنانے میں اس کا مقام دوسرے پھلوں سے ممتاز ہے۔ یہ امرت حیاتی کیمیا کا ایک خزانہ ہے جس میں پروٹین فاسفورس اور رائبوز کے مرکبات پائے جاتے ہیں۔ یہ سیال جو دودھ کی صورت کا ہوتا ہے ایک ایسے لیبارٹری کے معجزے کی طرح تیار ہوتا ہے جس کا احاطہ کوئی ذہن نہیں کر سکتا اور جو زمین میں زندگی کے اسرار کا حامل ہوتا ہے۔ یہ نہ صرف زمین سے حیات کی نمو پر زور دیتا ہے بلکہ یہ فاسفورس، رائبوز۔ پروٹین کے ایک جگہ ہونے یا انسان میں ڈی این اے مالیکیول کے موجود ہونے کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔

انجیر کی یہ خصوصیت انسان کے وجود کی حیاتیاتی بنیادوں کو ظاہر کرنے کے علاوہ اس حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے کہ انجیر کی قوت بخش غذائیت بنیادی خوراک کا ذریعہ ہے۔ یہ مرکب جو شروع میں اس دودھ کی طرح ہوتا ہے بعد میں انجیر کے بیج کے لئے ایک مائع قالب یا رحم کا کام سرانجام دیتا ہے۔ اور اس وقت یہ خلیوں کے لئے تین بنیادی مادوں کو بھی لئے ہوتا ہے۔ اللہ کا پاک پیغام ایک حقیقی حیات بخش خوراک والے دودھ کی یاد دلاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ایک مادہ ہے جیسے خون کی صلاحیتوں کا حامل کوئی مائع۔ انجیر کی بناوٹ، انسانی حیات کے دو بنیادی سیال مادوں کی یاد دلاتی ہے۔ یہ مائع ہیں دودھ اور خون۔ چنانچہ اللہ کے ودیعت کردہ تین اسرار، یعنی صاف ہوا انجیر اور زیتون کی خصوصیات اللہ کی اس مخلوق کے لئے نعمت اور رحمت ہیں جسے انسان کہتے ہیں اور جو خود بہترین وجود رکھتا ہے اور جو اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔

موضوع نمبر 47

"ہو جا" کے حکم کا راز

THE MYSTERY OF THE 'BE' COMMAND

إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾

ترجمہ : "وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا۔ اور وہ ہو جاتی ہے۔" (سورۃ یٰسین۔ آیت 82)

HIS COMMAND, WHEN HE DESIRES A THING, IS TO SAY TO IT 'BE', AND IT IS.

CHAPTER 36 (YA SIN), VERSE 82.

اب میں "ہو جا" کے حکم کے سائنسی مضمرات پیش کروں گا جو ایک ایسی اہم حقیقت ہے کہ جس کا اعلان کئی آیات میں کیا گیا ہے۔ اور اس طرح یہ قرآن کے بنیادی قوانین میں سے ایک ہے۔

جب مثبت علوم (سائنسی علوم) انیسویں صدی عیسوی میں ترقی پذیر تھے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ کائنات ایک ایسا نظام ہے جو ابدیت سے آہستہ آہستہ ارتقاء کے ذریعے وجود میں آیا۔ ہمارے دور میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو ابھی تک اس بے بنیاد رد شدہ نظریے پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا خبط ہے جسے کچھ نام نہاد جدید لوگ چھوڑ نہیں سکتے۔ ورنہ انہیں تخلیق کے سلسلے میں اللہ کے عظیم رموز و اسرار پر ایمان لانا پڑے گا' چاہے وہ کائنات کی ابتداء سے متعلق ہوں' یا ان میں کائنات کے مادی پہلوؤں پر تحقیقات ہوں۔

بہر طور تخلیق سے متعلق حقائق کا علم حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ تین اہم چیزوں یعنی فاصلہ' فضائے بسیط اور وقت سے متعلق نظریات اور تصورات کی گہرائی اور مکمل سوجھ بوجھ کا حاصل ہونا پہلی شرط ہے۔ اسی طرح آسمانی طبیعات (اسٹروفزکس) جو تخلیق کا ریاضیاتی پروگرام ظاہر کرتی ہے' کا علم بھی بیحد ضروری ہے۔ ماضی کے برخلاف' آج کی سائنس نے وہ تمام تفصیلات دریافت کرلی ہیں جو قرآنی سائنس سے مطابقت رکھتی ہیں۔ میں ان کو ایک علیحدہ کتاب میں جمع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لیکن اس موقع پر میں اللہ کی تخلیقات کی ان سائنسی تشریحات کو مختصر طریقہ سے بیان کروں گا جو قرآن میں دیئے گئے اس کے حکم "

ہو جا" سے مطابقت رکھتی ہیں۔

کسی واقعہ کی ابتداء اور اختتام کے درمیان ہم آہنگی ایک انتہائی قابل توجہ نکتہ ہے اس واقعہ کا یہ درمیانی وقفہ 'ایک مفہوم میں موجودات کی قسمت بھی ہوتا ہے اور دوسرے معنوں میں وہ زندگی کا دورانیہ یا وقت بھی ہوتا ہے۔ جدید فزکس اور بیالوجی نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ کوئی چیز اپنی تخلیق کے ابتدائی ریاضیاتی پروگرام کو تبدیل کرنے سے ہی اپنی ہیئت کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ مثلاً فزکس میں کسی متحرک چیز کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اس نتیجہ سے مطابقت رکھے جو اس کی تیزی (رفتار) یا فریکونسی 'لہر کے عمل (LENGH WAVE) اور توانائی کے باہمی عمل سے پیدا ہو۔ چنانچہ سورج اور زمین کے درمیان ہزاروں اثرات میں سے گزر کر روشنی کی ایک پیلی کرن 'بغیر کسی تبدیلی کے ہمارے آنکھوں تک پہنچتی ہے۔

اب ہم اس آیت مبارکہ کی تشریح کی طرف آتے ہیں۔ اس آیت کا مقصد دو لفظوں پر مرکوز ہے۔ ان میں سے پہلا وہ ہے جو تخلیق یعنی کائنات کی ابتدائی تخلیق سے متعلق ہے۔ اس آیت کے ارشاد کے مطابق قادر مطلق نے حکم دیا کہ "ہو جا" اور آن کی آن میں پوری کائنات وجود میں آگئی۔

دوسرے اس آیت کے معنی اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ اللہ کی مرضی اور منشا' کائنات کے اعمال میں جب بھی چاہے دخل انداز ہو سکتی ہے اللہ جب بھی چاہے وہ اپنی منشاء سے کسی چیز کو بھی فوراً" وجود عطا کر دیتا ہے۔

یہ دونوں خصوصیات اپنے اندر عظیم سائنسی معنی رکھتی ہیں۔ جن کو سمجھنے کے لئے پیشگی طور پر چند بنیادی مادی موشگافیوں کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس مقام سے آگے انسان کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ زمین پر اپنی مختصر حیات کے تجربے سے کائنات کے آخری حد تک کے علم کی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچ سکے۔

اس آیت میں اہم نکتہ یہ حقیقت ہے کہ یہ سارا خدائی عمل ایک لمحے کے اندر ہی ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے سب سے پہلے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ وقت کی اپنی نوعیت کو سمجھا جائے۔ اس سلسلے میں کچھ تشریحات تو موضوع نمبر 19 میں بھی بیان کی گئی ہیں۔ بہر حال اس وقت میں اس موضوع کو ایک دوسرے نقطہ نظر سے بیان کرنا چاہوں گا۔

دوسری موجودات کے درمیان وقت کی کیا حیثیت یا پوزیشن ہوتی ہے؟ کیا وقت ایک سرگرمی کا نام ہے یا یہ بجائے خود ایک مخلوق ہے؟ یقیناً" ہر اہل ایمان یہ سمجھتا ہے کہ جو چیز بھی موجود ہے وہ اللہ کی پیدا کردہ ہے۔

آیئے اب دیکھیں کہ اس موضوع پر سائنس کیا کہتی ہے۔

عظیم دھماکہ یا بگ بینگ تھیوری، جس کے متعلق ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں وقت کے سوال پر ایک

انتہائی خوبصورت اور دلچسپ نقطۂ نظر پیش کرتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس نظریئے کے تحت 'کائنات کی پیدائش کا عمل' ابتدائی عظیم دھماکے کے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ کے اندر اندر ہی مکمل ہو گیا تھا۔ اور کہکشاؤں کی ابتدائی تشکیل پہلے چھ سیکنڈوں کے اندر ہی ہو گئی تھی۔ مگر اس کے برخلاف 'کرہ ارض کے براعظموں کے بننے' اور اپنا اپنا موجودہ مقام حاصل کرنے میں کروڑوں سالوں کا عرصہ لگ گیا۔ اس علم کی روشنی میں جو طبعی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ وقت ایک ایسی اکائی یا مقدار ہے جو ''عظیم دھماکہ'' (یا بگ بینگ) کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا۔ بہت سے ماہر طبیعات یہ مانتے ہیں کہ ابتدائی عظیم دھماکے کے ساتھ وقت کا بہاؤ شروع ہو گیا۔ اور اس واقع سے پہلے وقت کے متعلق آج کی طرح سوچنا ہی ایک بیکار سی بات ہے۔

مادی نقطۂ نظر سے وقت ایک تخلیق ہے اور ایک پیدا کردہ سرگرمی ہے۔ کائنات کی تخلیق کے بارے میں اسلامی سوچ کے تحت ''وقت سے پہلے'' کا بیان اس طبعی علم و شعور سے پوی طرح مطابقت رکھتا ہے۔

اس نظریہ کی بنیاد پر اب ہم فزکس کے اہم حقائق کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ اس کتاب کے موضوع نمبر 4 میں ہم نے دیکھا تھا کہ مشہور سائینسدان آئین سٹائن کے نزدیک وقت بھی ایک مخصوص پیمائش (DIMENSIONS) ہے اور ایک برابر کی تمثیل (COORDINATE) ہے۔ جبکہ مشہور روسی ماہر طبیعات 'نکولائی کوزیریف کے نزدیک وقت خود توانائی کی ایک شکل ہے۔ ماہر طبعیات ڈیوڈ فنکل سٹائن نے تو ''کرونونز'' (CORONONS) یا وقت کے ذرے کے وجود کا تصور باندھا ہے۔ یہ تمام طبعی نظریات صاف ظاہر کرتے ہیں کہ وقت 'ایک مخلوق ہے اور یہ کہ یہ ایک ایسی اکائی ہے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔

ہم اس بارے میں کوئی وجہ نہیں سوچ سکتے کہ اللہ نے اس کی تخلیق کو کیوں ضروری سمجھا۔ مگر پھر بھی ہمیں کائنات کے افعال میں اس کے اثر اور عمل کا بخوبی اندازہ ہے۔ سماوی نظام میں وقت کے اہم استعمال مختص طور پر حسب ذیل طریقے سے بیان کئے جا سکتے ہیں۔

1- واقعات کا ترتیب دینا۔ اس کی مثال 'پہلے اور بعد' کا تصور ہے جس کی مثال رات اور دن کے درمیان اختلافات کو ظاہر کرنا ہے۔

2- بہتات کے دور میں واقعات کا اختتام پذیر ہونا ان کی ابتداء اور انتہاء' جیسے زندگی اور موت یا نیند اور دوسرے فعل وغیرہ۔

3- مختلف حالتوں کے مادہ اور توانائی کی تخلیق۔ اس سلسلے میں وقت جو رول ادا کرتا ہے وہ بیحد اہم ہے۔

توانائی کی مختلف سطحوں پر کوانٹا (توانائی کی مخصوص اکائی) کی تھرتھراہٹ کے ذریعے مادہ اور توانائی کے درمیان تمیز پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وقت کی مخصوص پیمائش کے اندر ہی برقی مقناطیسی اشعاع یعنی ضیائیہ (PHOTONS) کے جھولنے کے عمل سے مختلف رنگ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر روشنی کی شعاعیں متنوع قسم کی حرکات یا لہریں نہ رکھتیں تو پوری کائنات محض ایک ہی رنگ کی روشنی والی (مونو کرومیٹک) ہوتی۔

4- پہلے سے مقرر کردہ قسمت کا عمل میں آنا اس اکائی کی ریاضیات پر منحصر ہے جسے ہم "وقت" کا نام دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگرچہ پوری زندگی کا پروگرام پہلے سے حاملہ تخم (اووم) میں درج کردیا جاتا ہے اس لکھے گئے پروگرام شدہ عمل کے دوران میں انتقال پذیری، وقت ہی کے محور پر منحصر ہے (اسے دنیا کی ڈوری بھی کہتے ہیں) چالیس ہفتوں کے اندر ایک بچہ رحم مادر سے باہر زندہ رہنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ اس طرح زندگی کی سکرین پر وقت ایک پہلے سے متعین پروگرام کو آشکار کرتا ہے۔

5- سب سے آخر میں لیکن اہم بات یہ ہے کہ وقت بھی پیمائشوں یا جہتوں (ڈائی مینشن) کے نظام کے اندر تبدیلی کا شکار ہوسکتا ہے۔ عام تین جہتوں (تھری ڈائیمینشنز) میں وقت کا عمل بالکل واضح نظر آتا ہے۔ لیکن یہ پانچویں اور چھٹی جہتوں میں بالا سماوی (غیر مادی) اور لچکدار ہوجاتا ہے (یہ جنت میں وقت کا نظریہ ہے جو موضوع نمبر 8 میں زیر بحث آچکا ہے۔)

ان تمام سائنسی حقائق کے پیش نظر اب ہم "ہوجا" والے حکم کا مطالعہ کریں گے۔ اللہ کا فرمان کہ "ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ "ہوجا" اور وہ ہوجاتا ہے" اسی ہی طرح سے عظیم دھماکہ (بگ بین) کے وقت بھی ہوا۔ اس لیے کہ وقت بھی دوسری ہر چیز کے ساتھ ساتھ اسی حکم اور منشائے الٰہی کے ذریعے پیدا ہوا۔ منشائے الٰہی کی زمان و مکان سے بالا قوت اور شدت کا عمل، زندہ اور بے جان ہر مخلوق پر اسی لمحے میں ان کے وجود کے اپنے اپنے مخصوص پروگراموں کی صورت میں ہوا۔ یہ واقعہ، وقت کے تسلسل میں اپنی باری آنے پر پھر اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ "ہوجا" والے حکم کی خصوصیات کے تحت اپنے دیئے گئے پروگرام پر عمل کرے، مثلاً دنیا کا خاتمہ "ہوجا" کے حکم کے مطابق پروگرام دے دیا گیا ہے۔ اور وقت، ایک اچھے خادم کی طرح اس پروگرام کو روبہ عمل لانے کے بعد اسے ختم کردینے پر مامور ہے۔ آیئے اب ہم ان تمام سوالوں کے جوابات کو "ہوجا" کے حکم کے تناظر میں دیکھتے ہیں جن کو ہم ساری زندگی سوچتے رہے ہیں۔

ظالم اپنے ہی ظلم سے تباہ ہوگا۔ یہ خدائی پروگرام کا ناقابل تبدیل قانون ہے۔ جس طرح بجلی کی ننگی تار چھونے سے ایک شخص مہلک بجلی کا شکار ہوجاتا ہے، اسی طرح ظالم لوگ بھی اپنی ہی انسانیت سوزی کے ذریعے تباہ ہوجائیں گے۔ اس مخصوص وقت تک کی ڈھیل ان کو اس لازمی مقدر سے نہیں بچاسکتی۔

اب دیکھئے کہ کرہ ارض کے پوری طرح بننے میں طویل عرصہ "ہوجا" کے حکم کو پورا کرنے میں خدانخواستہ ایک غیر متوقع سستی کو ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے برعکس کرہ ارض کا ٹھنڈا ہونا' اور اس کے کیمیاوی اور ارضیاتی ڈھانچہ کا بننا اس کی ہوائیں اور اس کی فضا "ہوجا" کے حکم کے تحت پہلے ہی لمحے میں پروگرام دے دیئے گئے تھے۔ اس کی اٹل تقدیر کو تو وقت کے عمل کے تحت اسی طرح سے پورا ہونا تھا۔ یہ دنیاوی وقفے جو ہمیں اتنے طویل محسوس ہوتے وہ اس لئے ہے کہ خود ہماری زندگیاں ہی بہت مختصر ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ہمیں 'لوح محفوظ میں درج پروگرام کا علم بھی نہیں ہو سکتا۔

"ہوجا" کے حکم میں دونوں چیزیں یعنی اٹل ہونا اور رفتار یا شدت' کا ہونا ضروری ہے۔ فوری خدائی منشا کا اس پروگرام میں ظہور ہے۔ اس خصوصیت کی ابتداء ایک چابی بھری گھڑی کی طرح فوری شروع ہو جاتی ہے جب ایک دفعہ کسی ہونے والی شے کی زندگی کا پروگرام بن جاتا ہے تو ایک طرح سے' وہ واقعہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ آیت کریمہ ارشاد فرماتی ہے کہ "ہم کہتے ہیں ہوجا اور وہ ہو جاتا ہے۔"

اب دوبارہ ان تمام کہکشاؤں' خلیوں اور ایٹموں کی طرف توجہ کریں جن کے وجود سے کائنات بنی ہے۔ یہ سب ایک نہ تبدیل ہونے والی خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اور یہ ان چیزوں کا ریاضیاتی پروگرام ہے نہ کہ ان کا مادی وجود۔ دو خلیے کیمیائی طور پر بالکل ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ ان کا الگ الگ پروگرام ہی ہے جو ان کو مختلف خصوصیات یا سیرتیں عطا کرتا ہے۔ تمام ایٹم اور اشعاع اسی اصول کے تابع ہیں۔ بز اور بنفشی رنگوں میں فرق صرف ان کو ظاہر کرنے والی شعاعوں کے ریاضیاتی فرق کا اظہار ہے جو ان کا مقدر ہے۔ چنانچہ ہر مخلوق کے لئے اس کی انفرادیت اسکے ریاضیاتی پروگرام میں مضمر ہے۔ اور وہ "ہوجا" کے حکم سے پیدا ہونے والا پروگرام ہی اس کا مقدر ہے۔ سائنس کی یہ حقیقت صاف ظاہر کرتی ہے کہ "ہوجا" کے حکم کے ذریعے ہی ہر چیز پیدا ہوتی ہے اور پہلے سے مقرر کردہ ہوتی ہے۔ درحقیقت مقدس آیت کی یہ تشریح ہی حیات بعد از موت میں ایمان نہ رکھنے والوں کے لیے ایک محکم' معین اور سائنٹیفک جواب ہے۔

اس نقطۂ نظر سے یہ آیت کریمہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ اس ارضی دنیا کا خاتمہ اور موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنا "ہوجا" کے حکم کے زمرے میں آتا ہے۔ یعنی انسانوں کے حیات بعد الموت کا پروگرام اس مٹی میں اس طرح قائم کر دیا گیا ہے جیسے اس دنیاوی حیات کا پروگرام مادہ منویہ میں پہلے سے مقرر کر دیا گیا ہے۔ یوم حساب بھی اسی "ہوجا" کے حکم کے مطابق ہے جس کے ذریعے یہ کائنات وجود میں آئی۔

مزید برآں' پیدائش' تقدیر کا بعینہ ہونا' موت اور انسان کا یوم حساب پر دوبارہ زندہ ہونا بھی اسی حکم خداوندی سے پروگرام شدہ ہے۔ چنانچہ اس امر کا نہ ہونا قطعی ناممکن ہے۔ یہ انسان کی تقدیر ہے کہ وہ زمین

سے دوبارہ پیدا ہو جائے بالکل اسی طرح جس طرح۔ اللہ کے حکم "ہو جا" کے پہلے سے لکھے ہوئے ثبوت کے طور پر رحم مادر میں پڑنے والا مادہ منویہ (سپرم) بچے کی پیدائش کو لازمی بنا دیتا ہے۔ آیت نمبر83 کا یہ فرمان کہ " پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو "ہو جا" کے حکم کی تشریح کرتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ رب جلیل کی طرف ہمارا لوٹ جانا ایک ناقابل تبدیل خاتمہ ہے۔

سورۃ یٰسین کے آخری صفحہ پہ با آسانی نظر آجاتا ہے کہ کس طرح قرآنی آیات کی تشریح اس کی دوسری آیات کی مدد سے کی جا سکتی ہے۔ جہاں ہر آیت دوسری آیات کی شرح ہے۔ اس آیت سے پہلے جو "ہو جا" کے حکم کو مستحکم کرتی ہے، انسان کا مادہ منویہ کے ایک قطرے کی مدد سے تخلیق ہونے کے پروگرام کا ذکر ہے۔ پھر آیت نمبر82 کی قرآنی تشریح، تمام مخلوقات کے ریاضیاتی پروگرام کے سلسلے میں، آیات نمبر71 سے 81 میں ہی پائی جاتی ہے۔

آخر میں، میں اس فرمان کہ "اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو" کے بارے میں کچھ کہنا چاہوں گا۔ اللہ کی طرف اس طرح لوٹائے جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟

اس آیت کے ظاہری معنی تو انسان کا یوم حساب کے دن حساب کتاب کا ہونا ہے۔ اور بہت سے مفسرین اس نکتہ پر متفق ہیں۔ لیکن یہ آیت بالکل صاف طور پر سائنٹیفک معنوں کی حامل ہے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے ہر تخلیق خود "ہو جا" کے حکم کا لکھا ہوا ثبوت ہے۔ ہر واقعہ کو اس حکم کے ذریعے پروگرام کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا ایک اختتام تک پہنچنا اس کی قسمت ہے۔ انسان کا دنیاوی وجود بھی اسی حکم کا ایک حصہ ہے۔ یعنی اس کا وجود اس دنیا سے پہلے بھی ہے اور بعد میں بھی۔ اس کی وجہ سے دنیاوی زندگی کا نتیجہ روح کی طرف مڑ جانے پر منتج ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی روح دنیاوی آلائشوں سے نجات پانے کے بعد اللہ سے زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔ اللہ کا اصل تصور ایک طرح سے اس کی طرف لوٹنے کے تصور کو پیدا کرتا ہے۔ فزکس میں اسی قسم کا نظریہ ملتا ہے۔ ایک ایٹم میں محبوس مادہ توانائی کی صورت میں جب آزاد ہوتا ہے تو وہ ایک بے پایاں وسعت اور کائنات کے قریبی تعلق سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کی بعد از موت زندگی بھی اللہ کا قرب حاصل کرے گی۔ جس کا ذریعہ ایک پکا اور راسخ ایمان ہی ہو گا۔

موضوع نمبر 48

جنت کا راز

THE SECRET OF PARADISE

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ﴿۱۵﴾

ترجمہ : سدرۃ المنتہا پر (بیری کے درخت کے آخری سرے پر) جنت الماوی (پناہ کا باغ) واقع ہے۔"

.....THERE AT THE LOTE-TREE OF THE BOUNDARY, AND NEARBY THE GARDEN OF REFUGE.

CHAPTER 53 (THE STAR), VERSES 14-15

میں نے یہ تحریریں قرآنی آیات کی سائنسی توجیہات بیان کرنے کے لئے وقف کی ہیں اور بالآخر میں نے اس امر کی ضرورت محسوس کی ہے کہ جنت کے نظریے سے متعلق سائنسی تشریح بھی پیش کروں۔ اس احساس کی دو وجوہ ہیں۔

الف :- اول تو یہ کہ ان ملحد اور دہریئے لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ جنت کا نظریہ سائنس سے مطابقت نہیں رکھ سکتا' ایک ایسا جواب دیا جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔

ب :- جنت سے متعلق ان غلط تشبیہات کا سدباب کیا جائے جو کچھ لوگ پیش کرتے ہیں اگرچہ اس میں بدنیتی نہیں ہوتی۔

یہ کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں ہے کہ ہم جنت کے نظریئے کو صرف دنیاوی اصولوں سے ہی جانچ سکتے ہیں۔ بہرحال جنت سے متعلق قرآن میں اور جگہوں پر بیان کردہ خاصیتوں کو مدنظر رکھ کر' میں اس پر سائنسی ہم آہنگی حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اور سب سے زیادہ اہم سائنسی پیغام جو اس مضمون پر روشنی ڈالتا ہے وہ سورۃ النجم ہی میں موجود ہے۔ آیئے' سب سے پہلے اس سوال کا جواب ڈھونڈیں کہ جنت کہاں ہے؟ اس کا جواب بھی خود اسی آیت نے فراہم کیا ہے۔

جنت بیری کے درخت کے آخری سرے یا سرحد پر ہے۔ اس کے متعلق تمام تفاسیر میں مختلف قسم کی

تشریحات کی گئی ہیں۔ سب سے زیادہ سائنٹیفک نقطۂ نظر سے' اس کا مطلب نظام کائنات کا درخت ہے۔ یا ہماری' اس تین جہتوں والی کائنات کی سرحد کچھ مفسرین نے چھٹے آسمان کی سطح کو مادی کائنات کی سرحد قرار دیا ہے۔ در حقیقت یہ تصور' آسٹروفزکس کے نظریات سے مطابقت رکھتا ہے (دیکھئے موضوع نمبر31) یہ کوئی بحث طلب مسئلہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت جنت کو ایسا ظاہر کرتی ہے جو اس مادی کائنات کی سرحدوں سے آگے ہے۔ یہاں اہم نکتہ یہ ہے کہ جنت' اس مادی کائنات کے اندر نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے اس سے قبل ایک موضوع (نمبر7) میں جسامت کی پیمائشوں (ڈائمنشنز) پر بحث کے دوران نشاندہی کی تھی کہ کائنات میں جہتی پیمائشوں (ڈائمنشنز) کے متعدد پیمانے ہیں۔ فضائے بسیط جس کی بنیاد لمبائی' اونچائی اور چوڑائی کی پیمائشوں پر ہے' مادی وجود کی فضا ہے۔ مگر ان تین جہتوں والی پیمائشوں کے علاوہ جسامت کی اور پیمائشیں بھی ہیں' جو ان پانچویں اور چھٹی جہتوں سے شروع ہوتی ہیں جن کا وجود بھی تسلیم شدہ اور یقینی ہے۔ جہتوں کی یہ پیمائشیں آپس میں ایک دوسرے کے درمیان ایسی فضائیں بناتی ہیں۔ جو عام فضا سے مختلف ہوتی ہیں۔ در حقیقت اللہ جل شانہ' نے متعدد فضاؤں کو کتاب کے صفحوں سے تشبیہ دی ہے (دیکھئے موضوع نمبر24)

چنانچہ جنت دور سرحد کے بیری والے درخت کے قریب ہے یعنی اس مقام یا کائناتی نقطے پر جہاں یہ کائنات ختم ہوتی ہے۔ یہاں ایک اور اہم موشگافی سامنے آتی ہے۔ وہاں یعنی اس حد سے آگے کیا چیز ہے؟ تو وہاں "پناہ کا باغ" یا جنت الماوی ہے۔ ان مقامات پر پہنچنے کے لئے اس مادی کائنات کی حدود سے نکل جانا ضروری ہے۔ یہاں سوال فاصلے کا نہیں ہے بلکہ یہاں' رفتار (اسپیڈ) کی بات ہے۔ ایک گھومتی ہوئی تیز حرکت ایک ایسا جمپ مہیا کرتی ہے کہ جو مادی وجود کے صفحے سے جنت کے صفحے میں پہنچا دیتی ہے۔ بلاشک یہ ایک ایسی صلاحیت ہے جو انسان کو اللہ کی طرف سے ملتی ہے اور جس کا استعمال بھی اسی خالق دو جہاں کے حکم سے ہوتا ہے۔

اس آیت کا دوسرا پیغام اس بیان میں دیا گیا ہے جو مادہ کی آخری سرحد کی نشاندہی کرتا ہے۔ عربی میں حدود کے نظریہ کو بیان کرنے کے لئے مختلف قسم کے متعدد طریقے موجود ہیں۔ مگر پھر بھی اللہ رب العزت نے اس طریقہ کو بطور خاص چنا ہے۔ جنت کائناتوں کے کناروں پر ہے۔ یہ تخلیق شدہ چیزوں کے نظام کے کناروں پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائناتوں کی سب سے اہم اصلیتیں جنت میں بھی موجود ہیں۔ بلکہ کائناتوں کا درخت جو اگرچہ عام کائنات میں بھی نظر آتا ہے' در اصل جنت کی کائناتوں کا پودا ہے۔ اس موجودہ دنیا کا تمام حسن' جنت کے حسن کا ایک دھندلا سا پرتو ہے۔ جنت ایک حقیقی زندگی کا نام ہے جبکہ یہ مادی دنیا محض دو جہتوں والا ایک فلمی کارٹون ہے۔

دو نظریئے، جن کے سلسلے میں انسانی ذہن کو سب سے زیادہ مشکل پیش آئے گی وہ جنت میں وقت اور کشش ثقل (وزن) سے متعلق ہیں۔ تین جہتوں (تھری ڈائمنشل) کائنات یعنی ہماری مادی دنیا، میں جو مادی نسبتیں اور رشتے تمام چیزوں اور جانداروں پر بے حد شدت سے اثر انداز ہوتے ہیں وہ ہیں وقت اور ثقل یا وزن جبکہ جنت میں جو پیمائشوں کی ایسی جہتوں، جیسے چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جہت، سی بنی ہوتی ہیں وہاں تو یہ کم ہو کر مطابقت کر لیتے ہیں یا پھر یہ اثرات غیر صریح یا غائب ہو جاتے ہیں۔

آیئے سب سے پہلے ہم جنت میں کشش ثقل اور وزن کے موضوع پر غور کریں اس سلسلے میں ہمیں قرآن حکیم سے دو اہم پیغامات ملتے ہیں "باغ جن کے نیچے دریا بہتے ہیں۔" اور "اریکتہ" (خوب آراستہ پیراستہ تخت) جس کی تعریف یا توجیہ انسان ہی سے نسبت رکھتی ہے اور جنت کے مقام کو ظاہر کرتی ہے۔

ان دونوں تعریفوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جنت میں کشش ثقل یعنی وزن اور جذب ہونے کی خاصیت بے حد کم ہو جاتی ہے۔ اگر جنت میں بھی وزن کا تصور وہی ہوتا جو زمین پر ہے تو آیت اس طرح ہوتی "باغ جن کے اندر دریا بہتے ہیں" نہ کہ باغ جن کے نیچے دریا بہتے ہیں۔" چنانچہ ایک لحاظ سے جنت میں ہوا میں ہی معلق رہنا ممکن ہے یعنی اس خوبصورت اور شاندار زندگی میں جنت کے دریا جنتی لوگوں کے نیچے بہہ رہے ہوں گے۔ اریکتہ کا تصور اس تشریح کو مزید بڑھاوا دیتا ہے۔ اس سے مراد جنتی لوگوں کے لئے ایسی جنت ہوگی جہاں وہ قرآن میں دیئے گئے ایک مقام سے تمام سمتوں کا نظارا کر سکیں گے۔ چنانچہ وزن کا وجود اور ثقلی کشش جو دنیا کی موجودات کے لئے لازمی سمجھی جاتی ہے جنت میں بھی ہوگی۔ البتہ اس کا انحصار ایک اور اعجوبہ پر ہوگا۔ یعنی اگر اس اعجوبہ چیز کے لئے ضروری ہوگا تو اس کی تخلیق بھی ایک مخصوص واقع سے منسلک ہوگی، (جیسے کہ دریاؤں کا بہنا۔)

جنت میں وقت کا تصور بھی کشش ثقل سے اس طرح مماثلت رکھتا ہے کہ جب ضرورت ہو تو وقت واقعات کے ساتھ ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے چونکہ وقت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اس لئے بیزاری (بور ہونے) کا بھی کوئی تصور نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کا سوال ہی پیدا ہوتا ہے۔ جنت میں کسی بھی خواہش کا فوری طور پر پورا ہو جانا (سورۃ النحل) ناقابل بیان حد تک خوبصورت مسرتوں کا ایک کے بعد ایک حصول بھی وقت کی انتہائی آہستہ لہروں کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے چنانچہ وقت وہاں ایک نہ رکنے والا انسان کو لازمی طور پر فنا کی طرف لے جانے والا عمل نہیں ہے بلکہ جنت میں یہ انسان کی خدمت کا ایک مسرت بخش ذریعہ ہے۔ مثال کے طور پر روشنیاں اور گوناگوں رنگ، عام دنیا میں اپنے جلوے دکھانے کے لئے وقت کے اعمال کا سہارا لیتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس جنت میں ان کی خصوصیات اور اثرات الگ قسم کے ہوں گے۔ سب

سے اہم مثال سورۃ الرحمٰن میں زمرد جیسی سبز جنت کا ذکر ہے۔ اسی طرح جنت میں سونگھنے کی حس بھی مختلف قسم کی ہوگی۔ جو اس مسرت اور شادمانی کی نمائندگی کرے گی جو انسان کی کلیت میں پھیل جائے گی یہ قدرتی بات ہے کہ اس کتاب میں جہاں ہم بنیادی طور پر سائنسی حقائق کا مطالعہ کر رہے ہیں جنت کے وقوع اور وہاں کے حالات پر زیادہ تفصیل سے بحث کرنا ممکن نہیں ہے۔

جنت کا ایک اہم پہلو' اس کے اندر انسان کے مادی اور جسمانی وجود کا غیر فانی ہونا ہے۔ ہر کوئی یہ جانتا اور مانتا ہے کہ مٹی سے پیدا ہونے کے بعد حضرت آدمؑ اپنے خاکی جسم کے ساتھ ہی جنت میں رہتے تھے۔ چنانچہ یہ ثابت ہے کہ انسانی جسم کی تخلیق اس نمونے پر کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہ سکتا ہے۔ زمین پر انسان کا یہ فانی وجود تو ایک مختصر وقتی دور لگتا ہے۔ خاص طور پر جب اس کا موازنہ اس اصل حیات سے کیا جائے جو جسمانی حالت میں ہی' جنت میں سدا جاری رہے گی۔

اس دنیا میں جو چیز جسم کو موت سے ہمکنار کردیتی ہے وہ ہے توانائی کا ختم ہو جانا۔ وقت کے عمل اور ثقل (وزن) کی وجہ سے یہ دنیا انسانی جسم کو توانائی کے زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے اور اس کے مطابق خوراک کو جسم میں ڈالنے پر مجبور کردیتی ہے۔ بالآخر اس سارے سلسلے کا نتیجہ پراگندگی اور موت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ درحقیقت خلیوں اور ٹشوں کا بوڑھا ہونے اور موت سے ہمکنار ہونے کی وجہ جسم میں خوراک کے ذخیرہ ہونے کے عمل کی وجہ سے خون کی نسوں کا سکڑنا' فرسودہ ہونا اور سخت یا کرخت ہو جانا ہوتا ہے۔

مگر جنت میں توانائی کی ایسی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اس لئے کہ وہاں وزن اور وقت کے عمل کو ہی علیحدہ کردیا جاتا ہے۔ صرف جنت کے پھل ہی وہاں مسرت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ پھل ٹشو اور خون کی نسوں کی فرسودگی کی وجہ نہیں ہوتے۔ توضیح اور تشریح کے علم کے ذریعے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں ہماری جلد ایک مخصوص بناوٹ والی ہوگی۔ اس لئے کہ حضرت آدمؑ کو جنت سے نکالتے وقت یہ حکم دیا گیا گیا تھا کہ "برہنہ ہو جاؤ اور نیچے اترو۔"

یہ مخصوص جلد' ابدیت کا غلاف سمجھی جاتی ہے۔ دنیا کی طرف آتے وقت ہمیں اس مخصوص جلد سے جدا کردینا ہی وہ سب سے زیادہ اہم وجہ ہے جس نے اس مادی دنیا میں ہمیں فنا کی زنجیروں کے ساتھ جکڑ رکھا ہے۔

چونکہ جنت میں متعدی بیماریوں کینسر یا دل کی بیماریاں جو فنا اور موت کا سبب بنتی ہیں' نہیں ہوتیں' تو وہاں زندگی کی ابدیت کا تصور بھی مشکل نہیں ہے۔ مزید برآں چونکہ خوبصورتی کو بگاڑنے والے عوامل یعنی بڑھاپا اور جھریوں کا پڑنا اس مخصوص جلد کی وجہ سے نہیں ہو پاتے تو جنت میں اس لئے ابدی حیات کے ساتھ

ساتھ لافانی حسن بھی برقرار رہے گا۔

ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ جنت میں جو مشروبات پینے کو ملیں گے ان میں آب حیات کا راز پنہاں ہے۔ جیسا کہ کئی آیات میں اس کا ذکر آچکا ہے۔ یہ مشروبات، مسرت اور شادمانی کے ساتھ ساتھ انسان کو ہمیشہ کے لئے توانائی نہ ختم ہونے والی غذائیت اور تازگی بھی فراہم کرتے رہیں گے۔

چنانچہ جنت ایک علیحدہ قسم کی کائنات ہے۔ اور اس مادی اور طبعی وجود سے بالکل مختلف ہے جس کے ہم اس دنیا میں عادی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے وضاحت کی ہے سائنٹیفک نقطۂ نظر سے اس کا کم از کم ایک تصور تو قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس مقام کو بیان کرتے ہوئے قرآن اس تصور کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ آخری سرحد کے بیری والے پیڑ کے برابر میں، یہ تخلیق کی عظیم فزکس کو آشکار کرتا ہے۔ اب اس بیان کے صدیوں بعد زیادہ تعداد کی جہتوں (ڈائمنشنزم) کا شعور پیدا ہونا شروع ہوا ہے اور یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ پانچویں، چھٹی اور ساتویں جہتوں کی وجہ سے کئی اور فضائیں بھی وجود رکھتی ہیں۔

جنت میں فرشتوں کا وجود بھی ایسی مخصوص جہتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں بھی ہمیں طبعی اور مادی علم کی اہم تفصیلات قرآن ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ جنت میں وقت کے بہاؤ کی رفتار بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ خود فاصلے ہی مٹ جاتے ہیں۔ جنت میں وقت اور کشش ثقل چونکہ ایک معمولی نظر آنے والے پردے کی صورت میں باقی رہ جاتے ہیں اس لئے ہم ایسا حتمی نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ چنانچہ جنت لازوال حسن اور مسرت کی ایک ایسی ناقابل تشریح دنیا ہے جو مادی فضا کی سرحدوں سے ذرا ہی پرے ہے۔

موضوع نمبر 49

ماں کے دودھ کی اہمیت

IMPORTANCE OF MOTHER'S MILK.

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى

الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ

نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ

لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ

عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

(البقرۃ ۲) آیت ۲۳۳

ترجمہ : جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت کے دودھ پیئے ' تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا۔ مگر کسی پر س کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہئے۔ نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔ اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔ دودھ پلانے والی کا یہ حق جیسا کہ بچے کے

باپ پر ہے ویسا ہی اس کے وارث پر بھی ہے۔ لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ طے کرو، وہ معروف طریقے سے ادا کرو۔ اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔" (البقرة آیت 233-)

ماں کا بچے کو اپنا دودھ پلانا خود اس کی اور بچہ کی صحت کے لئے بے حد اہم چیز ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ مادہ پرست ڈاکٹروں اور ڈبے کا دودھ بنانے والوں کے مشترکہ پروپیگنڈے نے ماں کے قدرتی دودھ کے خلاف ایسا زہر پھیلایا ہے کہ ماں کے دودھ کو کبھی کبھی تو تمسخر کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ مگر حالیہ سالوں میں سائنس اس بات پر مجبور ہو گئی ہے کہ وہ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے کہنے کے مطابق اس قسم کے ہر پروپیگنڈے کو ممنوع قرار دے دے۔

اس آیت کی تشریح کے سلسلے میں، حسب ذیل سوالوں کے جواب میں سائنسی نقطۂ نظر سے دوں گا۔

1- ماں کا دودھ بچے کو کیا دیتا ہے؟

2- ماں کا دودھ کتنی دفعہ اور کتنے وقفوں سے پلانا چاہئے؟

3- دودھ پلانے کا اثر ماں پر کیا ہوتا ہے؟

ان سوالوں کا جواب میں اسی ترتیب ہی سے دوں گا۔

1- ماں کے دودھ کی فطری صفات

اب یہ عام فہم بات ہے کہ غذائیت کے لحاظ سے انسان کو تین قسم کی بنیادی خوراک یعنی فاسفورس اور وٹامنز کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب اجزا یعنی حیاتیات (پروٹینز) شکر۔ چکنائیاں، فاسفورس اور وٹامنز ماں کے دودھ میں موجود ہوتے ہیں مگر اس دودھ کا فرق یہ ہے کہ اس میں یہ اجزاء بے حد حیران کن اور نازک ترین تناسب سے مرتب شدہ ہوتے ہیں۔ اس کا زیادہ اہم راز یہ ہے کہ اس آمیزش میں چربی والے سالمے بے حد چھوٹے ذروں کی صورت میں ایک جیسے پھیلے ہوتے ہیں۔

ماں کے جسم کی حالت چاہے کیسی بھی ہو اس کا دودھ اس قدر مقوی ہوتا ہے کہ ایک ارب پتی رئیس کے کھانے کی میز کی کوئی چیز بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بطور خاص پہلے چھ مہینوں میں تو نوزائیدہ بچے کی وٹامنز کی تمام ضروریات ماں کے دودھ میں موجود ہوتی ہیں۔ سچی سائنس تو ان والدین کی نادانی پر ہنستی نظر آتی ہے جو دوسرے مصنوعی طریقوں سے بچے کی ضروریات، بشمول وٹامن سی، پوری کرنے کے لئے

سرگرداں رہتے ہیں۔

اب میں ماں کے دودھ کی ہوش گم کردینے والی ایک خصوصیت کو بیان کروں گا۔

شروع کے چھ مہینوں میں ماں کے دودھ میں ایسی اینٹی بوڈیز (ANTI BODIES) پائی جاتی ہیں جو بچے کو چھوت چھات کی بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اس میں چیچک سے بچاؤ کی اینٹی بوڈیز اس ماں کے دودھ میں بھی ہوتی ہیں جسے خود کبھی چیچک نہ ہوئی ہو۔ حیاتیاتی طور پر یہ ایک ناقابل حل معمہ ہے۔ البتہ یہ اس حقیقت کی نشاندہی ہے کہ اللہ 'انسان کو کس طرح سے عزیز رکھتا ہے اور اسے کتنی اہمیت دیتا ہے۔

کچھ ملحد اور بے دین سائنسدانوں کا یہ احمقانہ بیان ہے کہ ماں کے دودھ میں فولاد (آئرن) کی کمی ہوتی ہے۔ حالیہ سالوں میں یہ دریافت ہوا ہے کہ شروع بچپن میں خون' جگر میں ہی پیدا ہوتا ہے (جبکہ بڑوں میں خون ہڈی کے گودے میں بنتا ہے) اور یہ کہ جب بچہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے اس کے جگر میں فولاد ذخیرہ شدہ ہوتا ہے۔ اس خیالی کمی کو پورا کرنے کے لئے فولاد کی حامل جو دوائیاں چھوٹے بچے کو دی جاتی ہیں وہ اسے زندگی بھر کے لئے انتڑیوں کی سوزش (ENTERITIS) کا شکار بنادیتی ہیں۔

بیالوجی کے علم کے مطابق یہ اشد ضروری ہے کہ بچے کو شروع کے چھ مہینوں میں ماں کا دودھ ضروری طور پر دیا جائے اس لئے کہ جگر' جو عام طور پر ہاضمہ کے افعال کا مرکز ہوتا ہے اس دور میں بچے کا خون بنانے میں مشغول ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس دور میں بچہ غذائیت بڑھنے اور بڑا ہونے کے مقصد کے لئے صرف کرتا ہے نہ کہ صرف توانائی حاصل کرنے کے لئے۔ اسی وجہ سے یہ تقریباً ناممکن بات ہے کہ مخصوص قسم کی خوراک اور حیاتین (وٹامنز) کسی اور طرح سے حاصل کئے جاسکیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ پچاس سے زیادہ کی تعداد میں وٹامنز پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے چند وٹامنز ہی کو علم طب (میڈیسن) ابھی تک پہچان سکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قادر مطلق نے نوزائیدہ بچے کی نشوونما اپنے بے مثال اور مکمل کنٹرول کے تحت صرف دودھ ہی سے مقرر کی ہے۔ اس آسمانی نعمت کی نقل نسبتاً "ناقص انسانی عقل کے ذریعے کرنا ایسی ہی حماقت انگیز بات ہے جیسے کوئی خلائی جنگ کو تیر کمان سے لڑنے کی کوشش کرے۔

2- ماں کے دودھ میں وقفے اور درکار عرصہ

بچے کے دودھ پینے پر ملحد لوگ جو پابندی لگاتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسے چار چار گھنٹوں کے بعد دودھ دیا جائے۔ ہضم کے عام وقت کو سامنے رکھ کر انہوں نے یہ تخیلاتی پابندی لگائی ہے۔ حالیہ سالوں کی ریسرچ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ دودھ تو صرف 45 منٹوں میں ہضم ہوجاتا ہے۔ جب یہ وقفہ یا وقت پورا

ہو جاتا ہے تو ماں کے پستانوں میں اضطراری تعلق روحانی (TELEPATHIC REFLEX) کے ذریعے' دودھ خود بخود اتر آتا ہے۔ اور بچہ عام طور پر بھوک سے رونے لگتا ہے' یہ سب کچھ ایک طرح سے حیاتیاتی کمپیوٹری نظام ہے اور جب قدرت کے عطا کردہ نظام الاوقات کو ترک کر کے لمبے وقفے دیئے جاتے ہیں تو بچے کے پیٹ میں تیزابیت (ACID) وافر مقدار میں بن جاتی ہے جس سے اس کے نظام ہضم کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ یہ بھی اندازہ لگایا جاچکا ہے کہ آئندہ آنے والی زندگی میں اس کی وجہ سے السر (ULCERS) پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا عذاب پوری زندگی رہتا ہے۔

جہاں تک دودھ پلانے کے وقت یا عرصہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں علم طب (میڈیسن) نے ابھی حال ہی میں ماں کے دودھ کی اہمیت کو سمجھنا شروع کیا ہے۔ مگر اس سلسلے میں من مانا وقت تجویز کیا گیا ہے' جو صرف نو مہینے ہے۔ ماں کے دودھ پلانے کی وجہ یا منطق دو حقائق پر رکھی گئی ہے۔

(الف) جگر پہلے ہی بے حد مصروف ہوتا ہے اور ہمہ وقت خون بنانے میں لگا ہوتا ہے۔ چنانچہ دودھ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ خون بنانے کے سلسلے میں جگر کو پورے دو سال لگ جاتے ہیں اس سے پہلے کو وہ اپنے اصل کام کی طرف آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کا دودھ بھی دو سال کی عمر تک جاری رکھنا بے حد ضروری ہے۔

(ب) بچے کے بڑھنے کا سب سے اہم مرحلہ' جس وقت کہ حیاتیاتی طور پر اشد ضرورت پڑتی ہے' پہلے دو سال کا وقت ہی ہوتا ہے۔ طبی سائنس نے بھی اس حقیقت کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ بچے کی زندگی کے پہلے دو سال اس کی نشوونما میں بے حد اہم رول ادا کرتے ہیں۔

چنانچہ اب دیکھئے کہ کس طرح اس آیت میں یہ معجزہ بیان کر دیا گیا ہے کہ ماں کا دودھ پلانے کا عرصہ دو سال ہی ہے۔

ملحدوں کی خجالت کے لئے میں یہاں ایک اور نکتے کے متعلق آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ اسلام سے پہلے بھی مشرق وسطیٰ کے معاشروں میں ماں کے دودھ پلانے کا عرصہ 4 سے 5 سال تک ہوا کرتا تھا۔

دودھ پلانے کے سلسلے میں ایک آخری نکتہ یہ ہے کہ بچپن کے زمانے کی ذہنی تکالیف اور بیماریوں سے متعلق تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اگر ایک بچہ دو سال تک اپنی ماں کا دودھ پیتا رہے تو اس کی ذہنی صحت خاصی مضبوط ہوتی ہے پوری دنیا کی سطح پر مطالعات نے ظاہر کیا ہے کہ انڈونیشا اور فلپائن میں کوئی بچہ بھی ذہنی مرض کا شکار نہیں ہوا ہے۔ اور تحقیقات کرنے والی ریسرچ کمیٹی نے پتہ چلایا ہے کہ اس حیرت ناک حقیقت کی وجہ ان ملکوں میں بچوں کو تقریباً دو سال تک ماں کے دودھ کا میسر رہنا ہے۔ اس کی وجہ ان بچوں میں تحفظ کا احساس اور مادری شفقت کا ملنا ہے۔

3- دودھ پلانے کا ماں پر اثر

(الف) :- سینے (پستانوں) کے غدودوں (گلینڈز) کا صحت مند عمل :-

پوری دنیا کے حاصل کردہ اعداد و شمار سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ان ماؤں میں جنہوں نے ایک سے دو سال تک بچے کو اپنا دودھ پلایا ہو' سینے کا کینسر شاذو نادر ہی ہوتا ہے۔ مگر جن ماؤں نے بچوں کو اپنا دودھ نہ دیا ہو ان کو اس بیماری کے لگنے کا شدید خطرہ رہتا ہے۔ صرف اسی وجہ سے ہی ایک سے دو سال تک ماں کا دودھ پلانا خود اس کے لئے کینسر سے بچاؤ کا ایک موثر ذریعہ ہو سکتا ہے۔

(ب) : دودھ پلانے کے دوران ماں کے جسم کا حیات نو حاصل کرنا :-

دودھ پلانے والی ماؤں کا جگر پوری استعداد سے کام کر رہا ہوتا ہے۔ اس طرح سے ماں کے جسم کے تمام کیمیاوی مسائل قدرتی طور پر زیر معائنہ رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ چونکہ اس وقت ماں کے خون میں تمام جواہر کو یکجان یا مکس ہونا پڑتا ہے اس لئے ماں کے خلیے دودھ پلانے کے زمانے میں تمام قسم کی کمی اور قلتوں کو پورا کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دودھ پلانے کے وقت جسم کے پیچوٹری گلینڈ پوری طرح مستعد ہوتا ہے۔ اس کے لئے ایک عام ہارمون بھی سارے اعمال صحیح طریقے سے سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ اس طرح ماں کی نفسیاتی کیفیات بھی بہت اچھی حالت میں ہوتی ہیں۔ ایسی ماں کے ہارمونی توازن اور ہم آہنگی اور نفسیاتی کیفیات میں سکون کا زمانہ اس کے لئے انمول تحفہ ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جسمانی تھکاوٹ کے باوجود بھی دودھ پلانے والی ماں بدمزاجی کا شکار کبھی نہیں ہوتی۔ اس کی اصل وجہ دودھ پلانے کے دوران مختلف قسم کے غدودوں (گلینڈر) کی رطوبتوں میں ہم آہنگی اور توازن کا پیدا ہو جانا ہے۔

یہ اس ہارمونی توازن کی برکت ہی ہے کہ دودھ پلانے والی ماں کے رحم (WOMB) اور بیضہ دان (OVARIES) کو آرام و سکون کا وقفہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ وقفہ دودھ پلانے کے وقت کے برابر نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ماں کے جنسی اعضاء کو کم از کم دو سے چھ ماہ کا جو آرام میسر آجاتا ہے وہ بھی ایک بہت بڑی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اسی دوران ماں کے رحم اور بیضہ دانی کی عام قسم کی تکلیفیں بھی رفع ہو جاتی ہیں۔ دودھ پلانے میں دو سالوں کا عرصہ مثالی دور ہوتا ہے جس سے ایک ماں پورا پورا فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

ماؤں اور بچوں کے خلاف ملحدانہ میڈیسن نے جو جرائم کئے ہیں۔ اور جس طرح ہتک آمیز اور غلط علاج معالجے کئے ہیں وہ انتہائی طور پر شرمناک ہیں اور طب کی تاریخ پر سیاہ دھبے ہیں۔

ایک دودھ پلانے والی ماں صحت مند ہوتی ہے۔ اور اس کا دودھ پینے والے بچے کو پوری زندگی صحت مند رہنے کی ضمانت مل جاتی ہے۔ یہ انعامات بھی خود قرآن کا ایک عظیم معجزہ ہے۔

موضوع نمبر 50

کنوار پن کی پیدائش کا معجزہ

THE MIRACLE OF THE VIRGIN BIRTH

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن

تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ (آل عمران ۳)

ترجمہ :- "اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ "ہو جا۔" اور وہ ہو گیا۔ (آل عمران آیت 59)

THE LIKENESS OF JESUS IN GOD'S SIGHT IS AS THAT OF ADAM ; HE CREATED HIM FROM SOIL, THEN SAID TO HIM : BE, AND HE WAS.
CHAPTER 3 (THE IMRAN FAMILY), VERSE 59

ہماری عظیم آسمانی کتاب قرآن کے فرمان کے مطابق ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر کسی باپ کی ہوئی تھی۔ یہ آیت حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کو حضرت آدمؑ کی تخلیق کی خاصیت رکھنے والی قرار دیتی ہے۔ اللہ نے حضرت جبرائیل کے ذریعے حضرت مریمؑ میں روح پھونک کر اس میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے سلسلے کا آغاز کیا۔ دوسرے لفظوں میں حضرت عیسیٰؑ دو والدین کے ملاپ کا نتیجہ نہ تھے جیسا کہ عام لوگوں کے سلسلے میں ہوتا ہے بلکہ یہ ایک معجزاتی حمل تھا جو حضرت مریمؑ نے بغیر کسی مرد کے حاصل کیا۔

انیسویں صدی میں مادہ پرستی شدت سے پھوٹ پڑی اور اس نے تمام روحانی قدروں پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ اس کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کی بغیر باپ کے معجزاتی طور پر رحم مادہ میں سے پیدائش کو رد کر کے اس معاملے کو ہنسی مذاق اور ٹھٹھے بازی کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ یہاں تک کہ علم حیاتیات کے اس نظریئے کا کہ کوئی چیز خود بخود پیدا نہیں ہو جاتی، مقصد بھی حضرت عیسیٰؑ پر حملہ کرنا تھا۔

ملحد لوگوں کی یہ عام عادت ہے کہ علم حیاتیات کی قبل از وقت اور نامکمل دریافتوں کو بنیاد بنا کر وہ گمراہ کن نتائج نکالتے ہیں۔ انہوں نے تو بیسویں صدی کے شروع ہی میں کچھ غیر سنجیدہ مہم جو لوگوں کے بیان کی بنیاد پر

افریقہ کے انسان کو وحشی اور انسان سے کم تر ایک مخلوق قرار دے دیا تھا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ان بیانات کی سچائی معلوم کرنے کے لئے موقع پر معائنہ کی تکلیف بھی گوارا نہ کی گئی۔ اس کے برعکس 1960ء میں تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ افریقی انسان جنوبی صحارا اور مرکزی افریقی خطے کی ایک عظیم تہذیب کے بکھر جانے کا نتیجہ ہے۔ اور یہ کہ جو لوگ جنوب کی طرف چلے گئے وہ غیر تہذیب یافتہ حالت میں چلے گئے۔ اس طرح مارکسزم کے علم تمدن کی بنیاد پر قائم گئے نظریہ ارتقاء والوں کو ایک بار پھر شرمناک خفت اٹھانا پڑی۔

اگر ہمیں حضرت عیسیٰؑ کے بے باپ کی پیدائش کے معجزہ سمجھنا ہے تو ہمیں جدید انسانی حیاتیات کا بغور مطالعہ کرنا پڑے گا۔ استدلالی سائنس کے تین نتائج کا پیشگی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ زیر مطالعہ اعجوبہ استدالی سائنس کے تناظر میں یا تو ایک ناممکن چیز ہوسکتی ہے، یا اس کا ہونا یقینی امر تھا یا پھر یہ ممکنات میں سے تھے۔ ان تینوں نتائج کا انحصار ایک خاص زمانے میں استدلالی سائنس کو میسر سرمائے کی مقدار پر ہے۔ مثلاً بیسویں صدی کے شروع میں لکھی گئی درسی کتابوں میں اس ناپختہ خیال سے اتفاق کیا گیا تھا کہ ہوا کی لہریں اور چیزوں کے عکس یا تصویریں ایک جگہ سے دوسری جگہ مادی ذریعے یا بغیر تار کے نہیں پہنچائے جاسکتے تھے۔ مگر یہ خیال غلط ثابت ہوچکا ہے جس کا کھلا ثبوت ہمارے ریڈیو اور ٹیلی وژن کی ایجادات ہیں جو عام استعمال میں ہیں۔

جدید بیالوجی جنین (EMBRYO) یا کچے چار ماہ تک کے بچے کے بننے اور اس کے بڑھنے کے عمل سے پوری طرح واقفیت رکھتی ہے۔ خود پیدائش کی بنیاد یعنی حمل ٹھہرنے کا اعجوبہ، اصل میں کیا چیز ہے؟ یہ کس طرح واقع ہوتا ہے؟ سب سے پہلے ہمیں ان سوالوں کے جواب ڈھونڈنے چاہئیں۔ ورنہ ہم حضرت عیسیٰؑ چھوڑ، کسی چیز کی پیدائش پر بھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں دے سکتے۔

متعدد قسم کے خلیوں پر مشتمل جسمیوں (مخلوقات) کی پہچان ٹشوؤں کے نظام کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ انہیں میں سے انسان بھی ہے جو مخصوص قسم کے دوبارہ پیدا کرنے والے خلیوں (REPRODUCTIVE CELLS) کے ذریعے دوبارہ پیدا ہوجاتا ہے مگر عام طور پر اربوں کی تعداد میں انسانی خلیے تمام کے تمام انسانی جینی کوڈ کے حامل ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی سوچا ہے کہ آخر جلد یا معدے کے خلیوں کے مرکزہ (NUCLEUS) میں وہ جاندار یعنی کروموسوم (CHROMOSOMES) ہوتے ہی کیوں ہیں؟ اور پیدائش نو کے لئے انسان کو مختلف خلیوں کے جدا جدا قسم کے اعمال کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟

انسان کی جلد سے حاصل کردہ خلیے کے مرکزہ میں اس کا جینی کوڈ ریکارڈ کیا ہوا ہوتا ہے۔ مگر یہ خلیہ ہی ایک انسان کی تشکیل نہیں کر سکتا۔ خلیے کا دوبارہ پیدا کرنے کا عمل اس وقت ضروری ہو جاتا ہے جب کسی زخم کے بعد ٹشو کو مکمل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر یہ تو صرف ایک دوسرے جلد والے خلیے ہی کو پیدا کرتا ہے۔ نہ کہ انسان کے خلیے کو۔ دوسری طرف ایک انسان کا چربہ اتارنے والا خلیہ، مکمل فارمولا (کوڈ) رکھنے کے باوجود بھی ایک پورے انسان کو بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ تو دوسری قسم کی مخصوص اور مخالف صنف کے کوڈوں کے رحم مادر میں ہونے والے ملاپ کے ذریعے ہی ایک نئے انسان کو پیدا کر سکتے ہیں۔ جدید دور کے ماہر حیاتیات یہ دریافت کرنے میں سرگرداں ہیں کہ کیا یہ اصول ہی تخلیق کا عظیم قانون ہے جو انسانوں کے ہو بہو چربہ کی صورت میں تخلیق ہونے کو روکتا ہے؟ وہ یہ بھی تحقیق کر رہے ہیں کہ کیا نر یا مادہ انسان کے اپنے اپنے خلیوں کو ایک ساتھ کر دینے (CLONING) سے اس کا ہو بہو چربہ حاصل ہو سکتا ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے ماہرین حیاتیات نے دعویٰ کیا ہے کہ ایک مینڈک کی آنت سے حاصل کئے ہوئے خلیے پر تجربات کے ذریعے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس میں جینی کوڈ داخل کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ان کو وہ کیفیات معلوم ہو گئی ہیں جن کے ذریعے اس خلیے ہی سے مینڈک کی نقل تیار کی جا سکتی ہے۔ یہ بحث طلب تجربہ اور اسی قسم کے دوسرے تجربات، بہت سی بیالوجی کی لیبارٹیوں میں کئے جا رہے ہیں۔ اس سے پہلے کی وہ کوششیں بھی ہیں جو کچھ مذہبی ذہن رکھنے والے سائنسدانوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے چوہے (ہمسٹر) کی مادہ پر کی تھیں جن کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ اسے بغیر جوڑا ہوئے صرف گاما اشعاع (GAMA RAYS) کے ذریعے کس طرح حاملہ کیا جا سکتا ہے۔ ان تحقیقات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہم اس پیچیدہ مضمون کو کچھ اس طرح آسان بنا سکتے ہیں۔ ایک انسان کے خلیے اپنے اندر جینی کوڈ لئے ہوتے ہیں۔ کوئی خلیہ بھی اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ اپنے کوڈ کے تالے کو کھول سکے اور اس طرح ایک نئے انسان کو تخلیق کر سکے۔ صرف جنسی خلیے ہی اس طرح کے بنے ہوتے ہیں کہ اپنی جینی کوڈ کو کھول سکیں۔ مگر دوبارہ پیداوار (ہو بہو چربہ) سے قبل ان خلیوں کی تیاری والی ہیئت یا حالت بہت ہی دلچسپ ہوتی ہے۔ اگر ہم ایک عورت کا نیا پیداواری خلیہ لیں (جو کہ ایک بہت بڑا خلیہ یعنی تخم (اووم) ہوتا ہے) تو ہم دیکھیں گے کہ وہ ان گہرے زرخیز (RICH) قسم کے کیمیاوی اجزاء میں گھرا ہوتا ہے جن کی مکمل شناخت ہونا باقی ہے۔ ہر عورت اپنے اندر اس قسم کے 400 خلیے لئے ہوتی ہے۔ جو اس کے بالغ ہونے پر عمل کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک بے حد احتیاط سے تیار کیا گیا ہوتا ہے اس لئے کہ عام حیاتی خلیوں کی تعداد کو دیکھتے ہوئے ان کی تعداد حیران کن حد تک کم ہوتی ہے۔ ہر ماہ، ان میں سے ایک، معمولی تبدیلی اور

ایک تخم بے حد پیچیدہ ہارمونی عمل کے ذریعے، پیٹرو میں گر جاتا ہے اور خصیہ رحم کی نالیوں (اوی ڈکٹ) کے راستے رحم کے دونلیوں (فلوپین ٹیوبز) میں داخل ہو جاتا ہے۔ اوپر جس معمولی تبدیلی کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل ان خلیوں کا دو حصوں میں کٹ کر علیحدہ ہو جانا ہے۔ جیسے ہی یہ خلیے یا اوا (OVA) ایک انسان کی تشکیل میں سرگرم ہوتے ہیں، ان کا جینی کوڈ بھی دو حصوں میں تقسیم ہو کر دوسرے نصف کوڈ کو باپ کی طرف سے وصول کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ حیاتیاتی روایت اتنی ہی قدیم ہے، جتنی کہ خود انسانیت قدیم ہے۔ اس طرح ایک نیا پیدا ہونے والا انسان اپنی ہی حیاتیاتی خواہش سے وجود میں آتا ہے۔ یہ خواہشیں کسی نوعیت کی بھی ہوں یہ پوری طرح سے اللہ پر انحصار کرتی ہیں۔ اگر چیزیں اس سے مختلف ہوتیں یعنی مثلاً اگر دوبارہ پیدا کرنے کی صلاحیت والا عورت کا پورا تخم (اووم) ہی اس کے رحم میں گر جاتا اور خود اپنا ہی بچہ تخلیق کرتا تو ماں کا طبعی اور حیاتیاتی وجود ہی بار بار اور ہمیشہ کے لئے دہرایا جاتا۔ وہاں نئے چہروں یا نئے حسن کی کوئی جگہ نہ ہوتی۔ یہ ایک عظیم اور نازک ترین دانائی کی وجہ سے ہے کہ اگرچہ ماں کا تخم خود اپنے تئیں ایک بچہ تشکیل دینے کی اہلیت رکھتا ہے اس کو اس خاص اہلیت کے استعمال کی اجازت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اصل معجزہ بغیر باپ کے حمل ہو جانا نہیں ہے بلکہ یہ مجبوری ہے کہ بچہ ایک باپ کے ذریعے ہی سے پیدا ہو۔

اوپر کے حیاتیاتی حقائق کی موجودگی میں ایک سائنسدان کا یہ دعویٰ کہ حضرت عیسیٰؑ کے بے داغ حمل کا وقوع پذیر ہونا ناممکن ہے ایک طرح سے اس کا یہ اقرار ہے کہ اسے علم حیاتیات کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔ مگر اس کے لئے خالق مطلق کی بلاواسطہ اور خاص قسم کی دخل اندازی ہی کی ضرورت ہوتی ہے کہ تخم مادہ (اووم) اپنا کوڈ خود ہی کھول دے۔ اور دوبارہ پیداوار کے عمل کے ذریعے ایک نئے انسان کو وجود میں لے آئے۔ سورۃ مریم میں قرآن، اس نازک ترین موشگافی کو ایک بے حد اعلیٰ درجے کے سائنسی معجزے کے طور پر بیان کرتا ہے۔ حضرت مریمؑ کی طرف حضرت جبرئیل کا ایک اشعاع (RADIATION) یا ان پر کسی اور مقناطیسی ذریعے سے اثر انداز ہونا اس حقیقت کا ایک بیان ہے۔ ورنہ تو رب جلیل کا ارشاد اس طرح ہوتا کہ "ہم نے یہ خواہش کی اور عیسیٰؑ کو مریمؑ کے پیٹ میں پیدا کر دیا۔" اللہ کی طرف سے جبرئیل کو بیچ میں پڑنے والا واسطہ بنانے کا اعلان، اس حیاتیاتی حقیقت پر زور دیتا ہے۔

آج کل ایمان والے اور بے دین سائنسدان جس قسم کی ریسرچیں بڑی بڑی لیبارٹریوں میں کر رہے ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر اس آیت کی حقانیت کو ثابت کر رہی ہیں۔ اشعاع (RADIATION) کا عمل آج کل کھلے عام استعمال ہو رہا ہے۔ تاکہ عام خلیہ (ARBITRARY CELL) اور ساتھ ہی تخم کے خلیے کے کوڈ کو کھولا جا سکے۔ اور اس طرح ایک نیا جسمیہ (مخلوق) پیدا کیا جا سکے۔ اگرچہ انسان کے لئے یہ ممکن

نہیں ہو گا کہ حضرت عیسیٰؑ کی معجزاتی پیدائش کو ایک اشارہ سمجھ کر ان کی پیدائش کی نقل تیار کر سکے، مگر یہ پوری کی پوری ریسرچ قرآنی آیات کے سائنٹیفک معجزے کو ظاہر کرتی ہے اور اس طرح حضرت عیسیٰؑ کی بے باپ کی پیدائش کے راز کو بھی جزوی طور پر ہی سہی آشکارا تو کرتی ہے۔ وہ لوگ جو کل تک حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ میں یہ کہتے ہیں کہ "باپ کے بغیر بیٹا ہو ہی نہیں سکتا۔" آج خود لیبارٹریوں میں بغیر باپ کے بچے پیدا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس کو ممکن سمجھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا راز، لیبارٹریوں میں کبھی بھی دہرایا نہیں جا سکے گا۔ مگر اب ان لوگوں سے پوچھئے جو حضرت عیسیٰؑ کے باپ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے کہ "پھر تم خود کیوں ان ممکنات کی تحقیقات کر رہے ہو جن سے لیبارٹریوں میں نئے جسمے (وجود) پیدا ہو سکیں اور پھر کیوں تم تخم (اووم) کے اس تالے یعنی چلون (CHALON) جو خلیوں کو تقسیم کرنے میں مدد دیتے ہیں، کھولنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

خالق مطلق نے اس طرح سے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کرنے میں نہ صرف اوپر بیان کردہ حیاتیاتی موشگافیوں کو ظاہر کیا ہے، بلکہ اس نے انسان کی خدائی یا آسمانی اصل ست اور بنیاد سے بھی ہمیں اس فرمان کے ذریعے آگاہ کر دیا ہے کہ "میں اس (انسان) میں اپنی روح پھونک دوں گا۔"

(سورۃ الحجر 15، آیت نمبر 29 اور سورۃ ص 38 آیت نمبر 72)

قرآنی آیات کے حوالہ جات

اخبار

مُخبرِ عالم

مراد آباد

اور تحریکِ آزادی

(امداد صابری)

قیمت: 150 روپے

قرآني آيتون ۽ سائنسي حقيقتون

مصنف:

ڊاڪٽر هلوڪ نور باقي (ترڪي)

RADIO THERAPY — RADIOBIOLOGY SPECIALIST

اردو مترجم:

سيد محمد فيروز شاھ گيلاني

سنڌي مترجم:

قمر عباس ايڊووڪيٽ

قيمت: ١٢٠ رپيا

واحد تقسیم کار: توکل اکیڈمی، اُردو بازار کراچی - پاکستان

موبائل: 0321-2524561
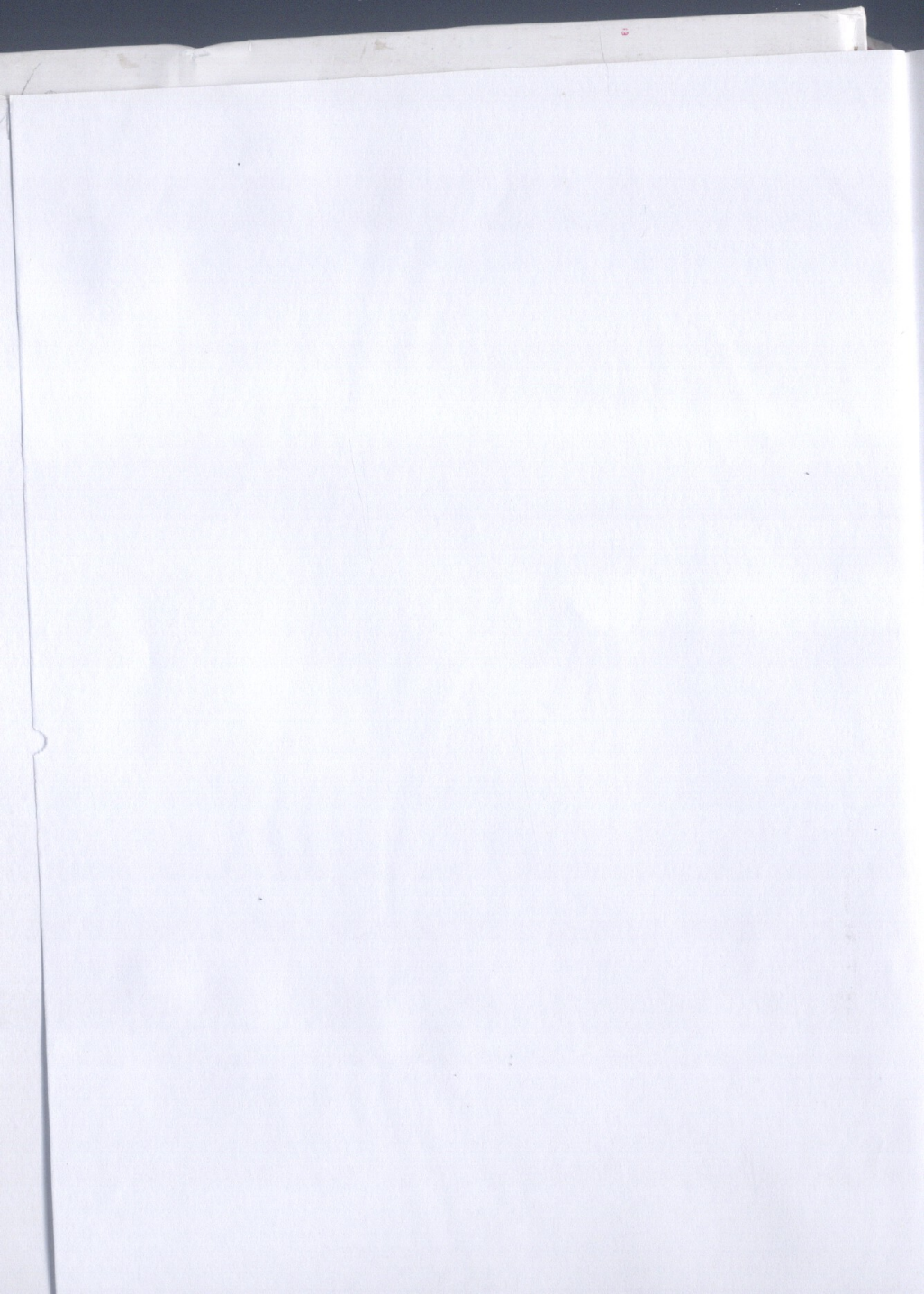
قرآنی آیات اور سائنسی حقائق

اسلام کی پاک کتاب قرآن دنیا کی ہر مقدس کتاب سے مختلف اور ممتاز ہے، یہ پوری کائنات کا آئین ہے، چنانچہ تمام سائنسی حقائق کی دریافتوں کے لئے جو بھی کوشش ہوگی اور وہ جس قدر عظیم اور سرگرم ہوگی اسی قدر وہ قرآن کے قریب ہوگی۔ چونکہ قرآن بجائے خود ایک مکمل سچ ہے، اس کے ہر لفظ کے معنی کی وسعت اس حد تک ہے جہاں تک سچ اور حقیقت موجود ہے، ہر زمانہ اور ہر زمانے کے سائنسی حقائق کی دریافتیں قرآن کی ممکنہ اور گوناگوں تشریحات کو اُجاگر کرتی ہیں۔

اس مشہور اور خوب صورت کتاب میں ڈاکٹر نُور باقی نے قرآن سے پچاس آیات کا انتخاب کیا ہے اور اُن کا موازنہ جدید سائنسی دریافتوں سے کیا ہے۔

ڈاکٹر نُور باقی نے انتہائی سہل اور مہارت سے یہ حقیقت ثابت کی ہے کہ کس طرح قرآن کی ہر آیات مبارکہ جدید سائنس پر ایک سے زیادہ مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے، یہ کتاب اس نظریہ کو پوری قوت سے رد کرتی ہے کہ سائنس اور دین ہمیشہ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہ کتاب اسب قرآن دنیا کی ہر مقدس کتاب سے مختلف اور ممتاز ہے، یہ پوری کائنات کا آئین ہے، قابل ہے کہ اسے غور سے پڑھا اور پڑھایا جائے۔ اسے ایک خزانے کی طرح سنبھال کر رکھا جائے اور اس کی طرف بار بار رجوع کیا جائے۔

انڈس پبلشنگ کارپوریشن، ۲۵۷ آر اے لائنز، ہائی کورٹ روڈ، کراچی